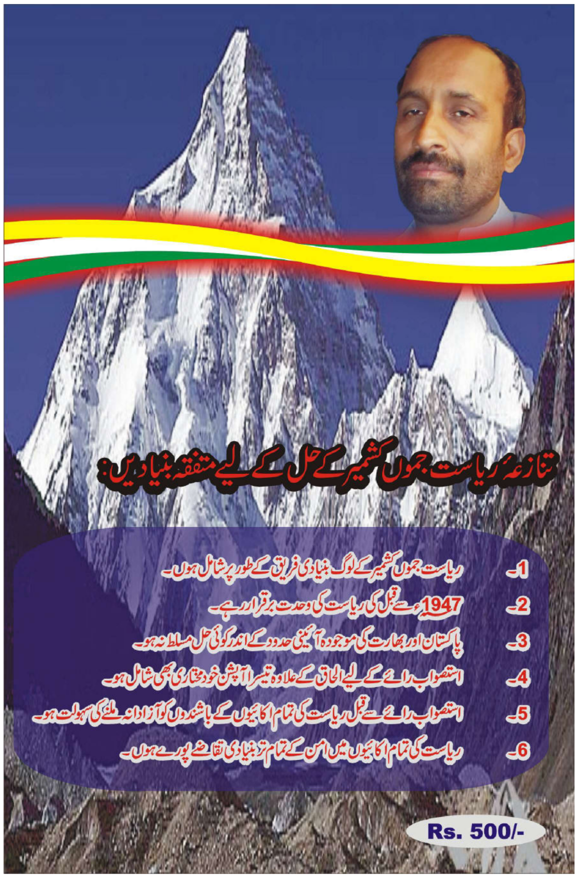
تنازعہ کشمیر

حقیقت کے آئینے میں



ملک عبدالحکیم کشمیری



تنازعہ ریاست جموں کشمیر کے حل کے لیے متفقہ بنیادیں:
1۔ ریاست جموں کشمیر کے لوگ بنیادی فریق کے طور پر شامل ہوں۔
2۔ 1947ء سے قبل کی ریاست کی وحدت برقرار رہے۔
3۔ پاکستان اور بھارت کی موجودہ آئینی حدود کے اندر کوئی حل مسلط نہ ہو۔
4۔ استصواب رائے کے لیے الحاق کے علاوہ تیسرا آپشن خودمختاری بھی شامل ہو۔
5۔ استصواب رائے سے قبل ریاست کی تمام اکائیوں کے باشندوں کو آزادانہ ملنے کی سہولت ہو۔
6۔ ریاست کی تمام اکائیوں میں امن کے تمام تر بنیادی تقاضے پورے ہوں۔
Rs. 500/-

انتساب

میری زندگی

میری جنت

والدہ ماجدہ کے نام

جن کی محبت نے میرے اندر

غیرت وشعور کا احساس بیدار کیا

مقدمہ

لمحوں کی خطا کا قرض، صدیوں کو چکانا پڑتا ہے۔ یہی لمحوں کے غلط، غیر دانش مندانہ فیصلے اور زمین پر پڑے ہوئے ایک دانے کو رزق کل سمجھ لینے والوں کا جرم تھا جس نے کشمیری قوم کو بے سمتی کے سفر پر گامزن کر دیا ہے اور 67 سال کا یہ سفر بغیر منزل کے تعین کے جاری ہے۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ ابھی نشان منزل کے تعین کے لیے ہی میدان جنگ گرما دیا گیا ہے اور اہل کشمیر، بے دماغ، کم فہم اور عاقبت نا اندیشوں کو اپنا رہبر بنائے باہم دست و گریباں ہیں۔ اس عرصے میں متعدد کتب بھی لکھی گئیں جو زیادہ تر سرکاری سرپرستی اور سرکاری وسائل کے استعمال سے وجود میں آئیں اور قوم کے ذہنوں کو اجالنے کی بجائے مسموم کرتی رہیں اور آج بھی کر رہی ہیں، تو دوسری طرف اپنے طور پر تحقیقی کاوشیں بھی کی گئیں مگر افسوس یہ ہے کہ ہر دو مکاتب فکر نے غیر جانب داری کو اپنا ہتھیار نہیں بنایا اور غیر حقیقی اور ذاتی خواہشات کے آئینے میں چیزوں کو پرکھا اور قوم کے سامنے پیش کر دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں نظریاتی گروہ حقیقی منزل کے تعین کی بجائے غیر ضروری بحث و تکرار بلکہ تصادم کا شکار ہو گئے اور اس راستے کو اختیار ہی نہیں کیا جا سکا جو منزل کی طرف جاتا تھا۔

اہل کشمیر کی سب سے بڑی بدقسمتی کہ انھیں ہمیشہ کور چشم، مفاداتی اور شخصیت پرست قیادت ملی، جو قوم کی درست سمت میں رہنمائی کرنے کی بجائے انھیں اقتدار اور مالی مفادات کے ایسے ایوانوں کی طرف لے گئے جو ان کے لیے تو باعث رحمت ثابت ہوئے مگر قوم کے لیے باعث ندامت۔ مگر افسوس کہ قوم بھی ابھی پوری طرح اس احساس ندامت سے آشنا نہیں ہو پائی اور بدستور کبھی ایک گروہ تو کبھی دوسرے کو اپنا نجات دہندہ سمجھ کر اپنی آنے والی نسلوں کا مستقبل سیاہ کرنے میں مصروف ہے۔ شاعر نے اہل کشمیر کی اسی حالت کو دیکھتے ہوئے کہا تھا

نابینا جنم لیتی ہے اولاد بھی اس کی
جو نسل دیا کرتی ہے تاوان میں آنکھیں

دانا کہتے ہیں کہ بیماری کا علاج اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس کی درست تشخیص نہ ہو جائے۔ اہل کشمیر کا یہ المیہ ہے کہ ان کی بیماری (غلامی) کی درست تشخیص ہو سکی اور نہ ہی علاج ممکن ہوا۔ اس جسم بیمار کو اس مقام پر پہنچانے کے ذمہ داران ماضی میں بھی کور چشم رہنما تھے اور آج بھی انھی کی معنوی اولادیں مہلک جراثیم کی طرح وجود کشمیر کو چاٹ رہی ہیں، بلکہ اب ان جرثوموں میں بے طرح اضافہ ہو چکا ہے۔

آپ کے ہاتھ میں موجود کتاب "تنازعہ کشمیر، حقیقت کے آئینے میں" آپ کے وطن کے وجود کو لاحق ان موذی جرثوموں کی حقیقی تشخیص ہے۔ جہاں تک میرے ذاتی علم کا تعلق ہے تو مجھے اس سے قبل ایسی مستند، غیر جانب دار، مدلل اور مفصل تحریر میسر نہیں آئی جس میں ان قومی سوالات کے جوابات موجود ہوں جو کسی باشعور شہری کے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں اور جن کا جواب اسے الجھنوں سے نکال کر اس کے شعور کو پختہ اور بہتر بنانے میں مددگار ہو سکے۔ مستند اس اعتبار سے کہ مصنف نے واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے تاریخ کے ان حوالہ جات کو پیش کیا ہے جو غیر جانب دار محققین یا مورخین نے اپنی تحریروں میں درج کیے ہیں۔ غیر جانب دار اس اعتبار سے کہ ذاتی خواہشات کے بیان کی بجائے تاریخی حقیقتوں کو ان کے حقیقی اور اصلی متن (Content) کے ساتھ پیش کیا ہے اور جہاں واقعات کا بیان آیا ہے وہاں بھی اپنی رائے کی بجائے تاریخ اور مورخین کے بیانات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

"تنازعہ کشمیر حقیقت کے آئینے میں" کے مصنف کے بارے میں صرف اتنا ہی کافی کہ مصنف ایک باشعور صحافی ہیں اور اپنے شعور کی قیمت ہر روز چکاتے ہیں۔ ان کے کالم ہوں یا وطن کے حوالے سے دیگر نگارشات وہ انھیں روشنائی کی بجائے اپنے خون جگر سے تحریر کرتے ہیں۔ چنانچہ اہل حکم ان سے خفا ہی رہتے ہیں۔ مگر جس شخص کا اپنے خالق، مالک یوم الحشر پر پختہ ایمان ہو وہ ان دو روزہ حکمرانوں کی غضب ناکی کو کب خاطر میں لاتا ہے۔ ایسا کون سا دن ہے جب ان کی تحریر اخبار کی زینت بنے اور پھر انھیں دھمکی آمیز پیغامات نہ ملتے ہوں۔ مگر دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سے سو گنا زیادہ پیغامات انھیں مبارکباد، شکریہ اور داد و تحسین کے بھی آتے ہیں۔

میرا اس بات پر پختہ ایمان ہے کہ لکھا ہوا ہر لفظ مستقبل میں تاریخ کا حصہ بنے گا۔ چنانچہ جب

مستقبل میں اگر کسی نے تاریخ کشمیر اور کشمیری قوم کا احوال جاننے کی کوشش کی تو اسے جہاں مفادات کی دہلیز چومتے بے شمار سرنگوں قلم بردار ملیں گے وہیں عبدالحکیم کشمیری جیسے سچے، کھرے، بے باک اور درست اور غیر جانب دار تجزیہ نگار بھی اپنی تحریروں کی گواہی کے ساتھ موجود ہوں گے اور مستقبل میں مورخین و محققین کو یہ باور کرائیں گے کہ نفس کے غلاموں کے اس ریوڑ میں غیرت و جرات کے علمبردار بھی تھے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی تاریخ کے بارے میں ہمیں وہی کچھ معلوم ہے جو سرکاری چھاپہ خانوں میں مخصوص مفادات کے حصول کے لیے لکھا گیا۔ چنانچہ سید نثار ہمدانی نے بجا طور پر اس کی تصویر کشی کی ہے۔

اس نے سب کچھ جھوٹ لکھا
اپنے طاقتور ہونے کا جھوٹ بھی اس میں شامل تھا
کیا کرتا غریب مورخ، تردید نہ کی
یوں یہ تاریخ بنی۔

ان مفاداتی گروہوں نے تاریخ کشمیر سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنی ذات کو ہیرو بنا کر پیش کیا۔ حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کو تقسیم کرنے کی سازش کرنے والے اپنے آپ کو معتبر بنا کر پیش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس خطے کے لوگ غور و فکر سے تہی داماں تھے اور انھیں جو کچھ پڑھایا گیا انہوں نے اسی پر اکتفا کی۔ تحقیق و جستجو سے کوسوں دور اس قوم کے نوجوان اعلیٰ ڈگریاں تھامے انہی مکار لوگوں کے دفاتر کے طواف کرتے اور کلرکی حاصل کرنے کے لیے آج بھی سرگرداں ہیں۔

تاریخ کشمیر کا سب سے تکلیف دہ باب یہ ہے کہ 1846ء کے معاہدہ امرتسر کو قوم کی خرید و فروخت کا نام دیا گیا۔ اگر 1846ء میں انگریز کے ساتھ ہونے والا معاہدہ، کشمیر کی خرید و فروخت ہے تو اسی سال بلکہ اس معاہدہ سے چند دن قبل پنجاب کے سکھوں سے کیا جانے والا معاہدہ پنجابیوں کی خرید و فروخت کیوں نہیں قرار دیا گیا۔ جبکہ انگریز نے اپنی فتح کے بعد پنجاب کے شکست خوردہ سکھ حکمرانوں سے بھی تاوان جنگ وصول کر کے انھیں پنجاب پر حق حکمرانی دیا اور چند دن بعد گلاب سنگھ نے بھی تاوان جنگ ادا کر کے کشمیر پر حق حکمرانی حاصل کیا۔ اس وضاحت کا مقصد قطعی طور پر ڈوگرہ حکمرانوں کی طرف داری نہیں بلکہ ایک تاریخی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش ہے ایک ایسی غلط فہمی جس کو پھیلا کر اہل کشمیر کو بھیڑ بکری ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو کہ قومی تذلیل ہے۔ ایسی ہی سینکڑوں غلط فہمیاں اور تاریخی بددیانتیاں ہماری مخصوص کتابوں کا حصہ ہیں جو غاصبوں

کو مسیحا بنا کر پیش کر رہی ہیں اور حقیقت کو سات پردوں کے پیچھے چھپا کر رکھا گیا ہے۔

آج آزاد کشمیر میں "ریاستی تشخص" کی بتی بڑے زور و شور سے چلائی جا رہی ہے اس بتی کے پیچھے بھی وہی ہیں جو خود اس لفظ کو ہر تیسرے روز اسلام آباد کے ایوانوں میں گروی رکھ کر کبھی کرسی اور کبھی مفادات حاصل کرتے ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر کے قائدین میں وہ لوگ شامل ہیں جنھوں نے اپنے اور اپنی قوم کے ہاتھ کبھی معاہدہ کراچی کی صورت میں کٹوائے تو کبھی کشمیر کونسل کو اپنا آقا بنا کر۔ 56 میں سے 52 امور جب کشمیر کونسل کے سیکرٹری کے دائرہ اختیار میں ہوں تو کس کا اور کہاں کا تشخص۔ جس قوم کو اپنے معاملات چلانے کے لیے آئین سازی کا حق حاصل نہ ہو وہ خود کو آزاد قرار دے تو اسے کیا کہا جائے گا۔

اس گھر کا سارا نظام ہے غیروں کے ہاتھ میں
باہر ہے میرے نام کی تختی لگی ہوئی

جب قوموں کی زندگی میں احساس زیاں نہ رہے تو اسے اپنی عزت و تشخص اور وقار کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ اللہ کرے کہ اہل کشمیر کے دل میں یہ احساس زیاں پیدا ہو جائے اور حقیقی شعور کا ادارک ہو، صرف اسی صورت قوم، قوم کی تعریف اور منصب پر قائم ہو سکتی ہے۔

وائے ناکامی کہ متاع کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

"تاریخ کشمیر حقیقت کے آئینے میں" کے مصنف نے حتی المقدور خود کو غیر جانب دار رکھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ تاہم اگر کہیں اس میں جانب داری کا شائبہ نظر آئے تو اسے انسانی فطرت پر محمول کیا جائے۔ البتہ یہ دعویٰ ہے کہ اس کتاب کو کھلی آنکھ سے پڑھنے والوں کے لیے سوچ و فکر کے نئے در کھلیں گے اور انھیں اپنی قوم کی موجودہ افسوسناک حالت کا حقیقی معنوں میں ادراک ہو سکے گا۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ "تنازعہ کشمیر حقیقت کے آئینے میں" لکھ کر عبدالحکیم کشمیری نے اپنی مٹی کا قرض چکا دیا ہے۔ اس کی اسے کیا قیمت چکانا پڑتی ہے، وقت بتائے گا۔ مگر یہ واضح ہے کہ "سرخروئی" عبدالحکیم کشمیری کی قسمت میں لکھی جا چکی ہے۔

شوکت اقبال مظفرآباد
ستمبر 2014ء

پیش لفظ

تاریخ کی سچائی جاننا نئی نسل پر فرض ہے۔حقائق کو مسخ کر کے نئی نسل کو جھوٹ پڑھانا شب غلامی کی طوالت اور صبح آزادی سے دوری کا سبب ہوتا ہے۔کسی قوم کا اپنی تاریخ کا مطالعہ اور شعور اس کے مستقبل کے راستوں کا تعین کرتا ہے انسان کو اپنا ماضی جاننے کا ہمیشہ سے شوق رہا جس طرح ہم اپنے خاندان کے بارے میں معلومات فراہم کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں بالکل اسی طرح شاندار ماضی کا تصور حال کے لیے بڑا خوبصورت، دل آویز اور خوش کن ہوتا ہے۔

تاریخ میں معاشی، سیاسی، معاشرتی اور سماجی قوتیں اس قدر طاقتور ہوتی ہیں کہ وہ تاریخ کو مسلسل تبدیل کرتی رہتی ہیں۔دنیا میں انقلاب ان ہی سیاسی، معاشرتی اور سماجی قوتوں کی وجہ سے آتے ہیں۔شخصیات صرف اس عمل کو تیز کرتی ہیں۔کبھی معاشی، سیاسی، سماجی و معاشرتی قوتیں سارے عمل کو لپیٹ لیتی ہیں اور قوموں کی شناخت کسی حادثے کا شکار ہو کر صفحۂ ہستی سے مٹ جاتی ہے۔ریاست جموں کشمیر کے ساتھ بھی 1947ء کے حادثے میں یہی ہوا اور ہم آج تک اپنی شناخت سے محروم ہیں، 1947ء میں ریاست جموں کشمیر برصغیر کی مذہبی تقسیم کی زد میں آ گئی اور حالات و واقعات ریاست جموں وکشمیر میں بسنے والے لوگوں سے طاقتور ہو گئے اور کئی ہزار سالہ تاریخ کی حامل ریاست ٹکڑوں میں بٹ گئی ہماری آزادی پر اتفاق کرنے والے دونوں ممالک ہماری آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اب اٹوٹ انگ اور شہ رگ کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

1947ء سے تا حال تنازعہ کشمیر کے حوالے سے جو تاریخ ہماری نئی نسل کو پڑھائی یا بتائی جا رہی ہے اس میں کشمیر پر قابض قوتوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ ریاست جموں وکشمیر اس کا حصہ ہے یا ریاست جموں

وکشمیر کے لوگ ان (ہندوستان اور پاکستان) کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اسی سوچ کو ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کا حق خودارادیت (آزادی) کہا جارہا ہے، جوحق خودارادیت کے حقیقی معنوں کے متضاد ہے۔

کشمیر پر الحاق نواز عناصر نے جو کچھ لکھا یا ان سے جو کچھ لکھوایا گیا وہ ہندوستان اور پاکستان کی سوچ کے تحت لکھا گیا۔ منقسم کشمیر کے دونوں حصوں کے آزادی پسند مصنفین یا صاحب دانش نے تنازعہ کشمیر کے حوالے سے جو کچھ تحریر کیا انہوں نے قابض قوتوں کے ردعمل میں ریاست جموں وکشمیر کے آخری مطلق العنان حکمران ہری سنگھ کے انداز حکمرانی کے بارے میں نرم رویہ رکھا اوران امور کی نشاندہی نہیں کی کہ کس طرح ایک بڑی مسلم اکثریت ایک نیم آزاد ریاست کے اندر غلاموں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور تھی اور ظلم و جبر پر مبنی شخصی دور کے خلاف تقسیم برصغیر کے وقت وہ مسلم اکثریت کیسے اثر انداز ہوئی اور کس طرح مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کی ایک دوسرے کو فتح کرنے کی کوشش ریاست جموں وکشمیر کی شناخت وآزادی کے خاتمے اور ریاست کی تقسیم کا باعث بنی۔ تاریخ کا سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ تاریخ سے کوئی سبق نہیں سیکھتا آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے حکمران، انتہا پسند عناصر اور ریاست کے اندر اجنبی قوتوں کے آلہ کار تاریخ سے سبق نہ سیکھنے کی روش پر چلتے ہوئے جبری الحاق کو آزادی اور حق خودارادیت کا نام دے رہے ہیں، ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کی آزادی، وقار، شناخت کو فتح کرنے کے لیے دونوں ممالک آزادی کے باوجود آزادی کے ثمرات سے محروم اور شکست خوردہ قوموں جیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ دونوں ممالک میں ریاست جموں وکشمیر کی آبادی سے چالیس گنا زائد لوگ خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ دو کروڑ لوگوں کو زبردستی اپنے ساتھ شامل کرنے یا انہیں غلام رکھنے کے لیے دونوں ممالک کے 80 کروڑ لوگوں کو ضروریات زندگی کی بنیادی سہولتیں میسر نہیں۔ ہٹ دھرمی ایک دوسرے کو تسلیم نہ کرنے کی روش کی وجہ سے ہمالیہ کے بلند پہاڑوں میں بارود کا کھیل پورے خطے کے ماحول کو زہر آلود کر رہا ہے۔ ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کی ملکیت یہ بلند پہاڑی سلسلے ہندوستان، پاکستان اور چین کے ڈیڑھ ارب لوگوں کو پینے کیلئے زیرزمین میٹھا پانی مہیا کرتے ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر پر قبضے کی خواہش سے ان برفانی گلیشیئرز کا حجم مسلسل کم ہو رہا ہے۔ مگر جنگی جنون پر مبنی سوچ کے حامل دونوں ممالک کے حکمران اس بارے میں اتنے ہی غیر سنجیدہ ہیں جتنا اپنے لوگوں کے بارے میں۔ ایشیا اور افریقہ کے معاشرے کی یہ بدقسمتی ہے کہ یہاں زمینی حقائق اور ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کے برعکس جذباتی فیصلے اور ایک دوسرے کو فتح کرنے کی کوشش نے انہیں یورپ اور امریکہ کا غلام بنا رکھا ہے۔ زبردستی کی

رشتہ داری کیلئے ترقیاتی اہداف اور اجتماعی خوشحالی کو قربان کر دیا جاتا ہے، سیاست زمینی حقائق کے ادراک سے آزاد ہے۔ یہاں کی تاریخ گواہ ہے کہ حق وانصاف طاقت پر قربان کر دیے جاتے ہیں اور موت بھی انہی کے حق میں اپنا فیصلہ دیتی ہے جو حق کو طاقت سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر کی 1947ء سے قبل یا بعد کی تاریخ میں اس خطہ کے جغرافیے کا بڑا عمل دخل ہے، پہاڑ، دریا، چشمے، ان سب کا تعلق جغرافیے سے ہے، تاریخ اور جغرافیہ کا تعلق بڑا گہرا اور قدیم ہے ریاست جموں وکشمیر کے بلند وبالا پہاڑ ان میں پڑنے والی برف، اس برف سے بننے والا پانی، بلند پہاڑوں کے زیر زمین قدرتی معدنیات پر پاکستان اور ہندوستان کی قبضے کی خواہش ہماری غلامی کے سفر کو طویل کیے ہوئے ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ پاکستان کے تمام حکمران جو ہمارے وکیل ہونے کے دعویدار تھے یا ہیں انہوں نے تنازعہ کشمیر کے حوالہ سے اہل ریاست جموں وکشمیر سے زیادہ ہمیشہ ہندوستان کے مفادات کو ترجیح دی اقوام متحدہ میں کشمیریوں کو فریق تسلیم نہیں کیا گیا، سندھ طاس معاہدہ میں ریاست کے دریاؤں پر ہندوستان کا حق تسلیم کیا گیا جب کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کا حق آج تک تسلیم نہیں کیا گیا منگلا ڈیم جو دریائے جہلم پر تعمیر کیا گیا 1967 میں مکمل ہوا حکومت آزاد کشمیر سے اس ڈیم کا کوئی معاہدہ نہیں آزاد کشمیر کے لوگوں کو صرف پانی کے استعمال کی ایک فیصد سے بھی کم رقم دی جاتی ہے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے تمام بڑے ہائیڈرل پراجیکٹ واپڈا کی ملکیت ہیں۔ برطانوی ممبر پارلیمنٹ سائمن ڈین چک نے ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کی الگ شناخت کی بات کی پاکستان اور ہندوستان ہماری مخالفت میں اکٹھے ہو گئے، میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ ریاست کے وسائل کا اجمالی خاکہ بھی پیش کیا جائے تاکہ ہماری نئی نسل ان وسائل پر اپنے حق کے لیے قابض قوتوں کے خلاف فیصلہ کن جدوجہد کے لیے میدان عمل میں اترے۔ بدنصیبی یہ ہے کہ ریاست جموں کشمیر تین حصوں میں تقسیم ہے، گلگت بلتستان پاکستان کے پاس ہے، لداخ، سری نگر اور جموں سمیت ایک بڑے حصے پر ہندوستان قابض ہے اور 13297 مربع کلومیٹر پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر ہے۔ اس تقسیم کے بعد دونوں ممالک نے ایسے حالات پیدا کیے کہ کسی بھی خطے کا کوئی فرد ان ممالک کی رضامندی کے بغیر ایک دوسرے سے نہیں مل سکتا۔ یوں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر کسی متفقہ اجتماعی فیصلے پر پہنچنا مشکل ہے۔

اس سلسلہ میں اگر کوئی اجتماعی آواز اٹھتی بھی ہے تو دونوں ملک اور منقسم ریاست کے تینوں حصوں میں ان کے ماتحت انتظامیہ اس کے خلاف رکاوٹ بن جاتی ہے۔ یوں مل بیٹھنے کے مواقع میسر نہ ہونے کی وجہ

سے ہر خطے سے آزادی کی الگ الگ تشریح اور الگ الگ آواز سامنے آتی ہے۔ میں منقسم کشمیر کے جس حصے میں رہتا ہوں اسے آزاد کشمیر کہا جاتا ہے۔ یہ کس حد تک آزاد ہے اسے جاننے کے لیے آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے اختیارات ایکٹ 1974ء میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ آزاد کشمیر کو آزادی کا بیس کیمپ کہا جاتا ہے یہاں کی زیادہ تر عمارتوں پر کشمیر بنے گا پاکستان کی عبارت درج ہوتی ہے، پاکستان سے الحاق کے لیے پاکستان کی سیاسی، مذہبی، عسکری قوتیں تمام تر وسائل استعمال کر رہی ہیں۔ انتخابی عمل میں جانے کے لیے بھی پاکستان سے وفاداری شرط ہے، آزاد کشمیر کا صدر، وزیر اعظم، وزراء جو حلف اٹھاتے ہیں اس میں بھی نظریہ الحاق پاکستان سے وفاداری ضروری ہے۔ لیکن میں اور میری قوم کی نئی نسل یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ پاکستان میں ایسی کیا کشش ہے کہ ہم پاکستان سے الحاق کریں۔ کیا ہم پاکستان کے وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں، سرداروں، سرمایہ داروں اور فوجی جرنیلوں کی اس غلامی کی صف میں مستقل طور پر شامل ہونے کے لیے الحاق کریں، جس غلامی میں پہلے سے پاکستانی عوام زندگی گزارنے پر مجبور ہیں، کیا ہم اپنے بچوں کو خودکش حملوں اور بم دھماکوں میں مروانے کے لیے پاکستان سے الحاق کریں، کیا مسالک کی بنیاد پر خود کو قتل کروانے کے لیے پاکستان سے الحاق کریں، اس طرح ہندوستان کے ساتھ ادغام کی بات کی جاتی ہے، کیا ہم 5 فیصد برہمنوں کے غلام بننے، ہندوازم کے کسی مذہبی جتھے کے ہاتھوں آگ میں جل مرنے، مذہبی عبادات کی پابندی، طبقاتی تقسیم، ذات پات کے نظام کا حصہ بننے کے لیے ہندوستان کے ساتھ شامل ہوں؟ وہ ہندوستان جہاں برہمنوں کے علاوہ کسی کو انسان کہلانے کا حق نہیں، جہاں غربت عفریت کا روپ دھار چکی ہو اس ملک کے ساتھ کوئی ہوش مند قوم شامل ہونے کا سوچ ہی نہیں سکتی۔ ایک سوال یہ بھی ہے کہ آج تک منزل دور کی بات راستے کا تعین کیوں نہ کر سکے اس کی چند بنیادی وجوہات ہیں۔ ہماری اس جدوجہد میں روایت پسندی بڑی شدت کے ساتھ موجود ہے، مرحلہ وار آزادی کے لیے کوئی مجلس فکر ونظر (Think Tank) نہیں۔ تینوں خطوں کے لوگوں کا ان کے اپنے اپنے خطے کے وسائل پر حق کے لیے ہمارے اہل دانش اور آزادی پسندوں کے پاس کوئی حکمت عملی نہیں اور نہ کبھی اس پر سوچا گیا کہ معاشی آزادی اور وسائل کو حق خودارادیت سے مشروط کرنے کے لیے بھی آج تک کوئی آواز نہیں اُٹھ سکی، اس غفلت نے ہماری جدوجہد کی تمام قوت وحرارت کو مفلوج کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہماری نئی نسل عملاً حقیقی آزادی کی جدوجہد سے دور ہے۔ 67 سال میں ہندوستان اور پاکستان کی ایماء پر ہماری نئی نسل کو غلامی کی جوازیت پر مبنی نصاب پڑھایا گیا، تعلیمی اداروں میں خاص حکمت عملی کے تحت الحاق کے نعروں کو آزادی کا نام دے کر اس اہتمام سے مسلط کیا

گیا کہ ہماری نئی نسل غلامی کو آزادی کی جدوجہد سمجھتی رہی۔ جو قوم کے قاتل تھے، جو وطن کی تقسیم اور یہاں کے لوگوں کے دکھوں کا باعث بنے وہ ہیرو ٹھہرے۔ آزادی کی جدوجہد کرنے والی قوموں میں بڑے القاب اور چھوٹے کردار غلامی کی طوالت کا باعث بنتے ہیں۔ یہی ہمارے ساتھ ہوا جو قاتل تھے وہ الحاق کو آزادی کا نام دے کر بطور آلہ کار مسلط ہوئے۔ انگریزوں کے غلاموں نے اپنے آقاؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انہیں شیر کشمیر، رئیس الاحرار، غازی ملت، مجاہد اول، کے خطاب دیے اور یوں بڑے بڑے القاب حقیقی آزادی کے بجائے نظریاتی تخریب کاری اور اقتدار کی سیاست کو آزادی کی جدوجہد کا نام دیتے رہے۔

جس قوم کے باہمی اختلاف اس کے اجتماعی مفادات سے طاقتور ہوں وہ قوم کبھی آزادی حاصل نہیں کر سکتی 1947ء کے بعد آج تک ہمارے اجتماعی مفادات باہمی اختلافات سے کمزور ہے۔ کسی انسان کی سب سے بڑی شناخت اس کی آزادی ہے غلامی کی جوازیت دینے والا خدا کے وجود کا منکر اور کائنات کا سب سے ذلیل انسان ہوتا ہے۔ مفادات کی زنجیر لوہے کی زنجیر سے طاقتور ہوتی ہے، مفادات کے لیے مسلط طبقہ جھوٹ بولتا ہے، حقائق کو نظر انداز کر دیتا ہے، منافقت کی راہ اختیار کرتا ہے اور جس قوم کی رہبری کے دعویدار جھوٹے اور منافق ہوں غلامی اس کا مقدر ہوتی ہے۔

میرے نزدیک آزادی ماں کا اپنے بچوں کی حفاظت کے حوالے سے بے خوفی کا نام ہے۔ یہ جو آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی آزادی کا دعویٰ کیا جاتا ہے حقائق کی روشنی میں اس کے بارے میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آزادی دولت آسائشات، شہرت یا دیگر لوازمات زندگی کا نام نہیں بلکہ کسی قوم کا باہمی معاہدے (آئین) کے تحت اپنی مرضی سے اپنے اختیارات کے استعمال کا نام ہے۔۔ حقیقی آزادی کی جدوجہد کتنی دور ہے اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے لیکن میرا ایمان ہے کہ جب تک ریاست جموں وکشمیر کا آخری وارث زندہ ہے ہماری آزادی کی آواز ختم نہیں ہوگی۔ گرچہ یہ بات قابل تحسین ہے کہ 1947 کی تقسیم کی زد میں آنے والی تمام ریاستیں سوائے ریاست جموں وکشمیر کے اپنے حق آزادی سے دستبردار ہو چکی ہیں۔ تاہم یہ تلخ حقیقت ہے ہم آزادی کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں بحیثیت مجموعی آج تک حقیقی آزادی کی سمت کا تعین نہ کر سکے اور نہ ہی اپنی نئی نسل کو آزادی کیلئے تیار کر سکے۔ مختلف مکتبہ فکر اپنے اپنے نظریات کیساتھ پاکستان، ہندوستان، مسلم امہ، امریکہ اور یورپی برداری سے توقعات یا ان کی مختلف تقریبات میں فوٹو سیشن کو تحریک آزادی کا نام دیتے ہیں۔ پوری مسلم امہ ایک اسرائیل سے کمزور ہے اس لیے کہ اسلامی دنیا کے مذہبی مراکز اور اسلامی طاقت کے

دعویدار خود یورپ اور امریکہ کے رحم وکرم پر ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان ویسے بھی ہماری آزادی کو اپنے ساتھ ادغام کا نام دیتے ہیں۔ یورپی ممالک امریکہ، مسلمان ممالک کے ہندوستان اور پاکستان سے تجارتی مفادات ہم سے مقدم نہیں ہو سکتے۔

بحیثیت ایک آزادی پسند، ایک مسلمان اور مادر وطن کا بیٹا ہونے کے ناتے میرا اس پر یقین ہی نہیں، کامل ایمان ہے کہ ریاست جموں کشمیر میں بسنے والے ہندو، سکھ، بدھ اور دیگر مذاہب کے ماننے والے بھی اس دھرتی کے اتنے ہی وارث ہیں جتنا دعویٰ کسی مسلمان کا ہے۔ منقسم ریاست کے تینوں حصوں میں اکثریت کی بنیاد پر مذہب اسلام کے پیروکار پاکستان اور ہندوستان کے زیر انتظام قائم حکومتوں کا نظام چلا رہے ہیں۔ پاکستان اور ریاست کے اندر پاکستان کے حمایت یافتہ طبقہ کا خیال ہے کہ کشمیر ایک مذہبی مسئلہ ہے۔ ہندوستان کے نزدیک ریاست جموں کشمیر ہندوستان کے سیکولرازم کی علامت ہے، جبکہ میرے نزدیک ریاست جموں کشمیر 84471 مربع میل پر محیط جغرافیائی حدود کے اندر بسنے والے لوگوں کی شناخت اور اپنے ذاتی فیصلے خود کرنے کے حق کا مسئلہ ہے، جس میں ہندو، مسلمان، بدھ وغیرہ سب شامل ہیں۔ اس دھرتی کا ہر مرد، ہر عورت اتنا ہی قابل احترام ہے، جتنا دُنیا کی کسی دوسری قوم کے لوگ۔

مقبول بٹ شہید کی قربانی اگر ہماری آزادی کا اثاثہ ہے تو کامریڈ کرشن دیو سیٹھی جیسی عظیم شخصیات اس دھرتی کے وقار اور عظمت کی وہ علامت ہیں جس طرح ہندوستانیوں کے لیے گاندھی اور پاکستانیوں کے لیے محمد علی جناحؒ۔ کرشن دیو سیٹھی جیسی سینکڑوں معزز شخصیات گزشتہ سات دہائیوں سے مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر اس ریاست کے عام لوگوں کے لیے سچ اور حق کو اپنی زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کتاب کا انتساب اس دھرتی کے عظیم بیٹوں مقبول بٹ شہید، ہردے ناتھ وانچو اور کرشن دیو سیٹھی کے نام کرتا۔ لیکن میری دنیا، میری جنت اس کائنات میں میرا سب سے قیمتی سرمایہ حیات میری ماں ہے۔ کس کی ماں اچھی نہیں ہوتی؟ لیکن میری ماں تو میری ماں ہے۔ اس لیے دھرتی ماں کی آزادی کے حصول، اپنے لوگوں کو سچ بتانے کے لیے یہ کتاب اپنی ماں کے نام کی ہے۔ میری اس کاوش کو آپ تک پہنچانے میں میرے جن کرم فرماوں نے کردار ادا کیا، ان کی محبت، عنایت اور خلوص میرے اور میری قوم کے لیے باعث فخر ہے، میں ان کا شکریہ ادا کر کے ان کے کردار کا قرض نہیں چکا سکتا۔

میری کتاب ''تنازعہ کشمیر حقیقت کے آئینے'' میں حقائق پر مبنی ایک دستاویز ہے۔ میں نے کوشش کی

ہے کہ سچ لکھا جائے، نا مساعد حالات میں اس کاوش کا مقصد اپنی قوم کو وہ سچ بتانا ہے جو انہیں آزادی وقار اور خوشحالی کی منزل کی طرف لے جائے۔

مصنف

حسن ترتیب

باب اوّل

تنازعہ کشمیر کی ابتدا

1947ء کا ہنگامہ خیز سال جغرافیائی تبدیلیوں کا سال تھا۔ انگریز ہندوستان چھوڑ کر جا رہے تھے۔ کانگرس آزاد ہندوستان کو متحد رکھنے کی حکمت عملی اپنائے ہوئے تھی۔ مسلم لیگ انگریزوں کے جانے سے قبل الگ وطن (پاکستان) کے لیے جدوجہد کر رہی تھی، کیونکہ برصغیر کے مسلمانوں کا خیال تھا کہ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد وہ ہندو اکثریت کے غلام بن جائیں گے۔ ہندوستان کی 562 ریاستوں کے حکمران اپنے مستقبل کے حوالے سے فکرمند تھے کہ 3 جون 1947ء کو برطانیہ نے تقسیم ہند کے منصوبے کا باضابطہ اعلان کر دیا۔ برطانیہ کی طرف سے اعلان آزادی کے ساتھ ہی 562 ریاستوں، راجواڑوں، خودمختار و نیم آزاد علاقوں کے حکمرانوں نے اپنی موجود خودمختاری برقرار رکھنے اور بھارت و پاکستان کے ساتھ اپنے مستقبل کو جوڑنے کی حکمت عملی ترتیب دینا شروع کر دی۔

ان حالات میں ریاست جموں کشمیر کی قیادت تین حصوں میں تقسیم تھی۔ مہاراجا ہری سنگھ جو ریاست کا مطلق العنان ہندو حکمران تھا وہ ریاست کو اپنے مفادات کے لیے خودمختار رکھنا چاہتا تھا، کیونکہ اسے لاکھوں

ایسے غلام میسر تھے جن کی محنت، وسائل اس کی آسائش کا سامان تھے۔ ریاست کی 85 فیصد آبادی کی نمائندہ جماعتیں نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس جن کی قیادت بالترتیب شیخ عبداللہ اور غلام عباس کر رہے تھے کی جدوجہد شخصی غلامی سے نجات کے لیے تھی۔ مگر حالات ونظریات نے ان دونوں جماعتوں کو تقسیم کر دیا تھا۔ فکری بنیادوں پر تقسیم کی جو صورتحال تھی، وہ کچھ اس طرح ہے:-

مہاراجا ہری سنگھ: ہندو ڈوگرہ، ریاست جموں کشمیر کا مطلق العنان حکمران، ریاست کی خود مختاری اس کی پہلی ترجیح۔ اگر الحاق مجبوری بن جائے تو پاکستان سے الحاق۔

شیخ عبداللہ: مسلم کانفرنس کا بانی وسابق صدر، نیشنل کانفرنس کا صدر، سکیولر خیالات کا حامی، مہاراجا کی شخصی غلامی سے نجات کا علمبردار، ہندو اور کانگرس کے رہنماؤں کا بہترین دوست، پہلی ترجیح خود مختاری، دوسری ترجیح الحاق ہندوستان۔

چوہدری غلام عباس: مسلم کانفرنس کے صدر، پہلی ترجیح خود مختار کشمیر، دوسری ترجیح الحاق پاکستان۔

مسلم لیگ اور محمد علی جناح: ریاست جموں کشمیر کے پاس الحاق کے علاوہ خود مختاری کا آپشن بھی ہے۔

کانگرس، گاندھی اور نہرو: ریاست جموں کشمیر کے پاس الحاق کے سوا کوئی آپشن نہیں۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے لیے تمام تر وسائل کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ کوشش۔

12 اگست 1947ء کو ریاست جموں کشمیر مطلق العنان ہندو حکمران مہاراجا ہری سنگھ نے لا الہ الا اللہ کے نام پر بننے والے ملک پاکستان سے معاہدہ قائمہ کیا۔ 15 اگست 1947ء کو پاکستان نے اس معاہدے کو قبول کرلیا۔ ریاست کے ڈاک خانوں پر پاکستانی پرچم لہرایا گیا۔ آٹھ دن بعد ریاست جموں وکشمیر کے مسلم کانفرنسی مسلمانوں نے مسلح جنگ شروع کردی پھر 22 اکتوبر کو پاکستان کی طرف سے ریاست جموں وکشمیر پر حملہ ہوا۔ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے۔ مہاراجا امن کی بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ ما بعد 12 اکتوبر 1947ء کو پاکستان سے معاہدہ قائمہ کرنے والا ہندو مہاراجا ہری سنگھ 26 اکتوبر 1947ء کو بھارت سے مدد لینے پر مجبور ہو گیا۔ پاکستانی حملہ کے 5 دن بعد 27 اکتوبر 1947ء کو بھارتی افواج کشمیر میں اترتی ہیں دونوں ممالک کی مداخلت کی وجہ سے لاکھوں لوگ مارے گئے، ہزاروں خواتین کی عصمت دری ہوئی، پھول جیسے بچے اس جنگ کی بھینٹ چڑھے وہ لوگ غازی ملت اور مجاہد اوّل کہلائے، اور حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والی قوم اپنی شناخت اور آزادی کھو بیٹھی، آج 67 سال گزرنے کے باوجود ریاست جموں کشمیر کے لوگ اپنی آزادی اور شناخت سے محروم ہیں۔ کشمیر کے مستقبل کے حوالے سے تمام فیصلے اور دعوے چونکہ مہاراجا ہری سنگھ کے اقدامات کے اردگرد گھومتے ہیں، پاکستان کی محدود رسائی مہاراجا کے معاہدۂ قائمہ کی وجہ سے ہوئی۔ ہندوستان کی جانب سے الحاق کا دعویٰ بھی ہری سنگھ کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے مہاراجا ہری سنگھ کے اقدامات کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ مہاراجا کا حقیقی چہرہ اور سوچ سامنے آسکے۔

مہاراجا ہری سنگھ

مہاراجا ہری سنگھ 30 ستمبر 1895ء کو پیدا ہوا۔ 1915ء میں 20 سال کی عمر میں اسے ریاستی افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ 1925ء میں پرتاب سنگھ کی وفات کے بعد 30 سال کی عمر میں تخت وتاج کا وارث بنا۔ تخت نشینی کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ بحیثیت مہاراجا اس کا مذہب انصاف ہوگا۔ اس نے مذہبی رواداری کا اظہار کرتے ہوئے سری نگر میں مسلمانوں کے ساتھ نماز عید بھی ادا کی۔ مہاراجا ہندوستان کی ریاستوں کی یونین کا صدر تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ریاست جموں وکشمیر آزاد وخود مختار رہے۔ اس بارے میں شیخ عبداللہ ''آتش چنار'' میں لکھتے ہیں، ''مہاراجا کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنی ریاست دونوں نوزائیدہ مملکتوں سے الگ رکھے اور آزاد رہے۔ چنانچہ اس نے بھارت سے الحاق کے مسودہ پر دستخط کرنے سے قبل ماؤنٹ بیٹن کو خط لکھا، جس میں اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ کشمیر کا جغرافیائی محل وقوع اور اس کی آبادی کی ہیئت ترکیبی کے پیش نظر اس کی خواہش آزاد رہنے کی تھی۔''

آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار ابراہیم خان نے 1987ء میں ایک اخباری انٹرویو میں اعتراف کیا کہ ''ایک بات صاف نظر آتی ہے، جب مہاراجا ہری سنگھ ریاست کو آزاد وخود مختار رکھنے کی سیاسی لڑائی لڑ رہا تھا، کشمیری رہنما ریاست کی تقسیم کی بنیاد رکھ رہے تھے۔ مہاراجا ایک تدریجی عمل کے ذریعے پارلیمانی جمہوریت کے مراحل طے کر رہا تھا۔ اس نے کانگرس اور مسلم لیگ کی اعلیٰ قیادت کے سامنے معاہدہ جاریہ کی تجویز رکھی اور اس کے اصول طے کر رہا تھا۔'' (روزنامہ پکار اسلام آباد 6 فروری 1987ء)

ہری سنگھ کا بیٹا ڈاکٹر کرن سنگھ اپنی کتاب میں لکھتا ہے، ''میرے پتا جی کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ انگریزوں کے تابع نہ رہیں بلکہ ایک خود مختار حکمران بن جائیں۔''

جولائی 1946ء میں مہاراجا ہری سنگھ نے اپنے دربار میں خطاب کرتے ہوئے کہا، ''دوسرا اصول جو ہماری پالیسی کا حصہ ہے، یہ کہ ہم اپنے اس معاملے میں آزاد وخود مختار ہیں کہ ہم کیا فیصلہ کرتے ہیں اس بیرونی ہدایت کے بغیر جس کا ہماری ریاست سے کوئی تعلق نہیں۔''

لارڈ برڈوڈ لکھتے ہیں:

''جب دوسری ریاستوں کو الحاق کی ترغیب دی گئی اور بہت سی ریاستوں نے 15 راگست تک الحاق کی دستاویزات پر دستخط کر دیے، مہاراجا کشمیر نے ایسا نہ کیا۔ مہاراجا ریاست کو آزاد وخود مختار رکھنے کے خیال کو عملی جامہ پہنانے کی فکر میں تھا۔'' (لارڈ برڈوڈ ''ٹو نیشن اینڈ کشمیر'' صفحہ نمبر 38)

بھارتی حکمرانوں اور کانگرس کے رہنماؤں نے تقسیم ہند کا اعلان ہونے سے قبل مہاراجا کشمیر کو بھارت سے الحاق کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اس سلسلہ میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق 22 جون 1947ء کو جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور پنڈت کاک (وزیر اعظم کشمیر) کے درمیان ملاقات ہوئی، ماؤنٹ بیٹن نے دلائل سے کاک کو قائل کرنے کی کوشش کی تو پنڈت کاک نے جواب میں کہا، ''ہز ہائی نس مہاراجا کا فیصلہ ہے کہ وہ فی الوقت قطعی فیصلہ پر پہنچنے کی پوزیشن میں نہیں۔ انہیں ابھی دیکھنا ہے کہ پاکستان کے انتظامی ڈھانچے کے خدوخال کیا ہوں گے۔ صورت حال واضح ہونے تک موجودہ گومگو

کیفیت ناگزیر ہے۔ ہز ہائی نس کومختلف عوامل کا گہرا ادراک ہے، تاہم وہ موجودہ صورت حال میں پنڈت نہرو اوران کی دھمکیوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔''

جی ایم میر''کشور کشمیر کی پانچ ہزار سالہ تاریخ'' میں وائسرائے ہاؤس نئی دہلی سے کیمبل جانسن کی رپورٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نہرو اور گاندھی مہاراجا کشمیر کو یک طرفہ اعلان خودمختاری سے روکنے کے لیے خاصے مضطرب ہورہے تھے۔نہرو جو کشمیری النسل برہمن تھے بار بار دباؤ ڈالتے کہ وہ اپنے دوست شیخ عبداللہ کی رہائی ممکن بنانے کے لیے بذات خود کشمیر کا دورہ کریں۔گاندھی کا نکتہ نظر یہ ہے کہ انہیں خود جا کر نہرو کے دورے کی راہ ہموار کرنی چاہیے۔مہاراجا نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ دونوں میں سے کسی کے دورے کا خیر مقدم نہیں کریں گے۔''(23 جون کیمبل جانسن کی رپورٹ)

24 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن اور نہرو کے درمیان دن 11 بجے سے ساڑھے 12 بجے تک ایک تفصیلی ملاقات ہوئی۔اس بارے میں ماؤنٹ بیٹن لکھتے ہیں کہ میں نے پنڈت نہرو کو بتایا کہ مہاراجا ہری سنگھ اوراس کے وزیراعظم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کے فیصلہ کے اعلان تک کانگرس یا مسلم لیگ کے کسی رہنما کو کشمیر میں نہیں جانا چاہیے، کیونکہ کسی فیصلے تک پہنچنے سے پہلے سیاسی اشتعال انگیزی کی صورت میں ان کی مشکلات بڑھ جائیں گی۔

کانگرس کی اعلیٰ قیادت مہاراجا سے الحاق کے معاملات میں ملاقات کے لیے بے تاب تھی۔26 جون 1947ء کو ماؤنٹ بیٹن نے اس سلسلہ میں مہاراجا ہری سنگھ کو خط لکھا جس کے جواب میں مہاراجا ہری سنگھ لکھتا ہے کہ موجودہ حالات میں تمام عوامل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مہاتما گاندھی اپنا مجوزہ دورہ کشمیر منسوخ کریں، تاہم اگر وہ اپنی شخصی وجوہات کی بنا پر ایسا نہ کرسکیں تو پھر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ انہیں یہ دورہ خزاں تک ملتوی کردینا چاہیے۔

26 جون کے بعد 27 جون کو ماؤنٹ بیٹن نے ایک اور خط لکھا جس کے جواب میں مہاراجا ہری سنگھ نے کہا،''کم از کم فی الوقت کشمیر کے دفاعی امور کسی ایک مملکت سے منسلک کرنے کا سوال زیرغور نہیں،اور ہم کسی دستور ساز اسمبلی میں اپنے نمائندے نہیں بھیج رہے۔ان معاملات کا فیصلہ حالات کی واضح شکل وصورت سامنے ہونے پر کیا جائے گا۔''

بالآخر یکم اگست کو مہاتما گاندھی سری نگر کے تین روز کے دورے پر پہنچ گئے۔انہوں نے مہاراجا ہری سنگھ اوراس کی بیوی مہارانی کو الحاق ہندوستان پر آمادہ کرنے کی کوشش کی،مگرناکام رہے۔

ثناءاللہ بٹ اس معاملہ میں لکھتے ہیں،''مہاتما گاندھی سری نگر میں کئی دن ٹھہرے اور واپسی سے قبل انہوں نے گپ کار محل میں مہاراجا سے ڈیڑھ گھنٹہ طویل ملاقات کی۔مہاتما گاندھی محل میں پہنچے تو انہیں دودھ کا گلاس پیش کیا گیا،لیکن انہوں نے یہ کہہ کر دودھ پینے سے انکار کردیا،''جس''راجا'' سے اس کی''پرجا'' ناراض ہو میں اس کے ہاں کچھ نہیں کھانا چاہتا۔''اس موقع پر مہارانی نے اپنی نشست سے کھڑے ہوکر مہاتما گاندھی کو یقین دلایا کہ آپ معاملات سلجھانے کے لیے جو بھی ارشاد فرمائیں گے،اس کی تعمیل ہوگی۔جس پر مہاتما گاندھی

دودھ پینے پر رضامند ہو گئے۔ گاندھی اپنا دورہ مکمل کر کے واپس آ گئے، مہاراجا نے الحاق نہیں کیا اور صرف 9 دن بعد 12 اگست 1947ء کو پاکستان سے معاہدہ جاریہ ہوا۔ جسے پاکستان نے 15 ر اگست 1947ء کو قبول کر لیا۔

گاندھی، نہرو، ماؤنٹ بیٹن، وزیر داخلہ سردار پٹیل، انڈین نیشنل کانگرس کے صدر اچاریہ کرپلانی، پٹیالہ، کپورتھلہ اور فرید کوٹ کے والیان ریاست کی طرف سے تمام تر کوششوں کے باوجود مہاراجا ہری سنگھ کا الحاق ہندوستان کے لیے راضی نہ ہونا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ مہاراجا ہری سنگھ کا جھکاؤ ہندوستان کی طرف نہیں تھا۔

مؤرخ عباس آزاد نے خوبصورت بات اپنی کتاب ''میرا پیام اور ہے کہ انتہائے گزارش'' میں لکھی ہے، ''یہ تاریخ کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آتا ہے، 15 اگست 1947ء کو اس ملک کا بانی بستر مرگ سے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے مہاراجا کشمیر کے ساتھ امن معاہدے پر دستخط کرتا ہے، مہاراجا کشمیر پاکستانی پرچم کو سلامی دیتا ہے، ان کے حکم سے کشمیر کے طول وعرض میں پاکستانی پرچم لہرائے جاتے ہیں، کشمیر کا سارا نظام پاکستان سنبھال لیتا ہے، بانی پاکستان مزید اعتماد کی بحالی کے لیے اپنے منہ بولے بیٹے کے ایچ خورشید کو سری نگر روانہ کرتے ہیں اور یکدم ایک گمنام شخص جو چند روز قبل فلسطین کے اس علاقے میں پایا جاتا ہے جہاں صیہونی ریاست کے قیام کی منصوبہ بندی ہو رہی تھی یہاں وارد ہو جاتا ہے اور ٹھیک ایک ہفتہ کے اندر اندر 23 اگست 1947ء کو اس معاہدے کی دھجیاں اڑا دیتا ہے جس کی وجہ سے نہ صرف لاکھوں مسلمان شہید اور لاکھوں بے گھر ہوئے، بلکہ کئی ماہ تک مہاراجا امن کی بھیک مانگتا رہا۔ معاہدہ کی پاسداری کی اپیلیں کرتا رہا، لیکن اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔ اور آخر کار اسے مجبور ہو کر پاکستان سے منہ موڑ کر پنڈت نہرو کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔ حالانکہ یہ وہ نہرو ہیں جن کو اس (مہاراجا) نے کشمیر میں داخل ہونے کے جرم میں کوہالہ پل پر گرفتار کر کے دلائی کیمپ میں بند کر دیا تھا۔

نامور مؤرخ رئیس احمد جعفری اپنی کتاب صفحہ نمبر 214 پر لکھتے ہیں کہ مہاراجا ہری سنگھ جموں کشمیر کی آزادی و خود مختاری کا خواب دیکھ رہا تھا۔

ڈاکٹر کرن سنگھ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں، ''پتا جی ابھی تک مخمصوں میں مبتلا تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے مشوروں کو بھی انہوں نے زیادہ اہمیت نہ دی۔ انہوں دعوتوں، شکار اور پارٹیوں میں الجھائے رکھا۔ اور کام کی بات کرنے کا وقت آیا تو کنی کترا گئے۔ ماؤنٹ بیٹن جب کشمیر سے گیا تو زیادہ خوش نہ تھا۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ ریاست کی موجودہ حیثیت قائم رکھی جائے۔''

کیا وجہ تھی کہ کانگرس کی اعلیٰ قیادت کی تمام تر کوششوں کے باوجود ریاست جموں کشمیر کا ہندو حکمران بھارت سے الحاق کے لیے تیار نہ ہوا۔ میرا یہ خیال ہے کہ گرچہ ایک تاریخی پس منظر بھی تھا کہ کشمیر کی اڑھائی ہزار سال قبل مسیح کی تاریخ تھی۔ اس ریاست کی اپنی شناخت اور وقار تھا۔ مہاراجا ریاستوں کی ہند یونین کا صدر بھی تھا۔ اور وہ بلندی کے اس معیار پر تھا کہ محمد علی جناح جیسا قد آور شخص اس کا قانونی مشیر تھا۔ دوسرا مہاراجا چونکہ ڈوگرہ راجپوت تھا، اس لیے اسے پنڈت نہرو سے شدید نفرت تھی۔ نہرو مہاراجا کی شخصی حکومت کو چیلنج کرنے والا

شیخ عبداللہ کا قریبی دوست تھا۔ شیخ عبداللہ نے جب کشمیر چھوڑ دو تحریک شروع کی تو مہاراجا ہری سنگھ نے اسے گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ شیخ عبداللہ کی حمایت کے لیے پنڈت جواہر لال نہرو نے جب کوہالہ کے راستے کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ایک کشمیری سپاہی نے نہرو کے گال پر زوردار تھپڑ رسید کیا اور اسے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا اور بعدازاں گرفتار کر لیا۔ جس پر نہرو نے کہا تھا کہ مہاراجا نے یہ تھپڑ مجھے نہیں، اپنی تقدیر کو مارا ہے۔ مہاراجا اور محمد علی جناح کی دوستی تھی۔ اسی لیے محمد علی جناح نے ایک وقت مسلم کانفرنس کو مشورہ دیا کہ وہ مہاراجا کے خلاف مزاحمت میں کمی لائیں۔

ریاست جموں کشمیر کی کو خود مختار رکھنے میں مہاراجا کے مفادات کیا تھے، اسے سمجھنے کے لیے مختصراً ماضی کی تاریخ اور تنازعہ ریاست جموں کشمیر کی موجودہ جغرافیائی وحدت کی بنیاد، ڈوگرہ حکمرانوں کے طرز حکمرانی پر مبنی دور پر نظر ڈالتے ہیں تاکہ حقائق کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے۔

ریاست جموں کشمیر کا ماضی اور جغرافیائی احاطہ

نامور کشمیری مؤرخ پنڈت کلہن کے مطابق کشمیر میں شخصی حکومت کی ابتدا 2450 قبل مسیح سے ہوتی ہے۔ اور اس سے قبل کے 52 حکمرانوں کے ادوار کا تاریخ میں ذکر نہیں ملتا۔ اس حساب سے ریاست جموں کشمیر کی معلوم تاریخ 4466 سال پرانی ہے۔ تاہم موجودہ منقسم ریاست جموں کشمیر نے 1846ء کے معاہدہ امرتسر اور اس معاہدے کے مطابق بعدازاں جو فتوحات کی گئیں، ایک وحدت کی شکل اختیار کی۔

ریاست جموں کشمیر کی ساڑھے چار ہزار سال کی تاریخ کو اگر دیکھا جائے تو یہ کسی بیرونی حکومت کے زیر اثر بہت کم عرصہ کے لیے رہی، اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے لے کر 2016ء تک ریاست جموں کشمیر پر صرف 668 سال قبضہ رہا۔ تفصیل یہ ہے:-

اشوک	27 سال
کنشک	100 سال
ھن	20 سال
بکرماجیت	192 سال
مغل	166 سال
افغان	67 سال
سکھ	27 سال

اور 1947ء سے 2016ء تک ہندوستان اور پاکستان 69 سال۔

ریاست جموں کشمیر کا رقبہ وقت کے ساتھ ساتھ سکڑتا اور پھیلتا رہا، موجودہ منقسم وحدت کی بنیاد ڈوگرہ حکمران گلاب سنگھ نے معاہدہ امرتسر کے ذریعے رکھی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ معاہدہ امرتسر اور اس کے پس منظر کا مختصراً تاریخی جائزہ بیان کیا جائے۔

1586ء میں گلگت کے چک خاندان کے آخری حکمران یعقوب شاہ کو مغل بادشاہ اکبر کے

ہاتھوں شکست ہوئی اور ریاست جموں کو ایک صوبے کی شکل دے دی گئی۔ 166 سال بعد 1752ء میں افغان حکمران احمد شاہ ابدالی نے مغلوں کو شکست دے کر ریاست کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ 67 سال بعد 1819ء میں رنجیت سنگھ (پنجابی حکمران) نے کشمیر کو کابل سے الگ کر کے لاہور کی سلطنت میں شامل کر لیا۔ جموں کا ڈوگرہ راجپوت گلاب سنگھ، رنجیت سنگھ کی حکومت کا جموں میں صوبیدار تھا۔ بعد ازاں وہ اپنی عملداری کو وقت کے ساتھ وسعت دیتا رہا۔ دسمبر 1845ء میں پنجاب کی سکھ سلطنت اور انگریزوں کے درمیان جنگ میں انگریز فاتح رہے۔ گلاب سنگھ نے صلح کی مذاکراتی ٹیم کی قیادت کی۔ انگریزوں نے تاوان میں ڈیڑھ کروڑ روپے کے علاوہ پنجاب کا کچھ علاقہ بھی مانگ لیا۔ سکھوں نے 50 لاکھ روپے نقد ادا کیے۔ بقیہ رقم کے عوض کشمیر، ہزارہ، راوی اور سندھ کے درمیان پہاڑی علاقہ انگریزوں کو دے دیا۔ گلاب سنگھ نے کشمیر، ہزارہ اور گلگت کے عوض 75 لاکھ سکہ نانک شاہی بطور تاوان جنگ ادا کیا اور ان علاقوں کو اپنی عملداری میں لے آیا۔ 16 مارچ 1846ء کو معاہدہ امرتسر کے تحت مہاراجا ہری سنگھ نے ان علاقوں کے حق حکمرانی کو خریدا جس میں لاکھوں لوگ بھی شامل تھے۔ اس معاہدے کو گرچہ کچھ حلقوں کی طرف سے انسانیت کے منہ پر طمانچہ کہا جاتا ہے، یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ اُس دور میں مہاراجاؤں اور نوابوں کا انداز حکمرانی یہی ہوتا تھا، تاہم معاہدہ امرتسر ہی ریاست جموں کشمیر کے موجودہ جغرافیے کی بنیاد ہے۔

معاہدہ امرتسر:

یہ معاہدہ حکومت برطانیہ اور مہاراجا گلاب سنگھ والیِ جموں کے مابین 16 مارچ 1846ء کو امرتسر میں کیا گیا۔ اس کی دفعات درج ذیل تھیں:

دفعہ نمبر 1:

سرکار انگلشیہ مہاراجا گلاب سنگھ اور ان کے مذکر وارثان کو تمام کوہستانی علاقہ جات معہ نواحات اور اس کے تابع علاقہ جو دریائے سندھ کے مشرق کی طرف اور مغرب کی جانب دریائے راوی کے درمیان معہ علاقہ چمبہ ماسوائے لاہول جو کہ ان ممالک کا حصہ نہیں جو برٹش گورنمنٹ کو مطابق دفعہ 4 عہد نامہ لاہور مورخہ 09 مارچ 1846ء ملا ہے، بہ اختیارِ خود مختار مکمل طور پر عطا کرتے ہیں۔

دفعہ نمبر 2:

جو علاقہ دفعہ اول کے مطابق مہاراجا گلاب سنگھ اور اس کے ورثاء کو اس عہد نامہ کے تحت منتقل کیا جاتا ہے، اس کی حدود مشرقی مقرر کرنے کے لیے برٹش گورنمنٹ اور مہاراجا گلاب سنگھ کی طرف سے کمشنر مقرر کیے جائیں گے اور یہ حدود بعد پیمائش اور مساحت ایک علیحدہ دستاویز کے ذریعے تعین کی جائیں گی۔

دفعہ نمبر 3:

دفعات مندرجہ بالا کی منشاء کے تحت جو علاقہ مہاراجا گلاب سنگھ اور ان کے وارثان کو منتقل کیا جا رہا ہے کے عوض مہاراجا موصوف 75 لاکھ روپے (نانک شاہی) سرکار انگلشیہ کو ادا کریں گے۔ ان میں سے پچاس لاکھ روپے اس عہد نامہ کے استحکام کے وقت اور پچیس لاکھ روپے اس سال کے ماہ اکتوبر کی پہلی تاریخ کو یا اس

سے قبل ادا کیا جائے گا۔

دفعہ نمبر 4:

حدود علاقہ جات میں مہاراجا گلاب سنگھ کسی وقت بھی سرکار انگلشیہ کی منظوری کے بغیر تغیر و تبدیلی نہ کر سکیں گے۔

دفعہ نمبر 5:

اگر مہاراجا گلاب سنگھ اور لاہور گورنمنٹ کا کسی ہمسایہ ریاست کے مابین تنازعہ ہو جائے تو مہاراجا موصوف اس تنازعہ کو برٹش گورنمنٹ کے حوالہ کریں گے اور اس کے ثالثی فیصلہ پر پابند رہیں گے۔

دفعہ نمبر 6:

مہاراجا گلاب سنگھ خود اپنے اپنے وارثان کی طرف سے اقرار کرتے ہیں کہ جب انگریزی فوج ان کے مقبوضہ ملک کے ملحقہ علاقے یا کوہستان میں مصروف کار ہوگی تو وہ اپنی ساری فوج سمیت برطانوی فوج کے ساتھ شامل ہوں گے۔

دفعہ نمبر 7:

مہاراجا گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ وہ کبھی کسی انگریز یا کسی یورپین یا امریکن کو برٹش گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر اپنی ملازمت میں نہ رکھیں گے۔

دفعہ نمبر 8:

مہاراجا گلاب سنگھ عہد کرتے ہیں کہ ان علاقہ جات کے متعلق جو ان کو منتقل کر دیے گئے ہیں، عہد نامہ لاہور مورخہ 11 / مارچ 1846ء مابین سرکار انگلشیہ اور لاہور گورنمنٹ کی دفعات 5، 6، 7 کا احترام کریں گے۔

دفعہ نمبر 9:

سرکار انگلشیہ عہد کرتی ہے کہ بیرونی دشمنوں سے حکومت مہاراجا صاحب بہادر پر حملہ کے وقت مہاراجا کی امداد کریں گے۔

دفعہ نمبر 10:

مہاراجا گلاب سنگھ سرکار انگلشیہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں اس احترام کے پیش نظر سرکار انگلشیہ کو ہر سال ایک گھوڑا اچھی نسل، بارہ پشمی بکریاں (6 بکرے اور 6 بکریاں) اور چند جوڑے کشمیری شال بطور نذرانہ دیں گے۔ یہ عہد نامہ مشتمل بر دس صفحات منجانب سرکار انگلشیہ فریڈرک کری صاحب بہادر، میجر ہنری، منٹگمری لارنس نے بحکم رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ صاحب جی سی پی گورنر جنرل اور مہاراجا گلاب سنگھ بہادر نے اصالتاً موثق کیا اور رائٹ آنریبل سر ہنری ہارڈنگ جی سی پی گورنر جنرل کی مہر سے اس کا استحکام عمل میں آیا۔

بمقام امرتسر مورخہ 16 / مارچ 1846ء بمطابق 16 ربیع الاول 1262ھ

دستخط فریڈرک کری (مہر) ہنری ہارڈنگ گورنر جنرل آف انڈیا

13/ مارچ 1884ء کو باتفاق رائے قرار پایا کہ 12 بکریوں کی بجائے مہاراجا دس پونڈ ریشم، چار پونڈ سیاہ اون رنگ خاکستری، چار پونڈ سفید اون مہیا کریں۔ یہ ترمیم مہاراجا رنبیر سنگھ کے عہد میں ہوئی۔ 1862ء میں ایک سند کے ذریعے جو مہاراجا رنبیر سنگھ کو لارڈ کیننگ کی طرف سے دی گئی، حکومت ہند نے اقرار کیا کہ قدرتی وارثوں کی عدم موجودگی میں مہاراجا صاحب اور ان کے جانشین اپنے خاندان کے لیے پسر متبنیٰ اپنے خاندان کی روایات کے مطابق بنا سکتے ہیں، جس کو گورنمنٹ آف انڈیا خوشی کے ساتھ منظور کرے گی۔

معاہدہ امرتسر کے بعد گلاب سنگھ اور اس کا خاندان جموں کشمیر کے لوگوں کا مالک ٹھہرا۔ اس نے جو رقم خرچ کی وہ اہل ریاست جموں کشمیر کا خون نچوڑ کر پوری کی۔ 16 مارچ 1846ء سے 26 اکتوبر 1947ء تک 101 سال 7 ماہ 10 دن ڈوگرہ سلطنت کی حکمرانی کا دور شخصی حکمرانی، ظلم و بربریت اور تعصب کا ایک سیاہ دور تھا۔ گرچہ چند اصلاحات ہوئیں تاہم مجموعی طور پر گلاب سنگھ سے ہری سنگھ تک ڈوگروں کا طرز حکمرانی ریاست جموں کشمیر کے باشندوں کے لیے دکھوں کا باعث رہا۔ گرچہ اس دوران ایک نام نہاد اسمبلی بھی قائم ہوئی جس کے بارے میں ظاہراً تاثر یہی تھا کہ وہ لوگوں کی نمائندہ اسمبلی تھی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ نمائندہ اسمبلی مہاراجا کی مکمل مٹھی میں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب برصغیر تقسیم ہوا، ایک اسلامی مملکت (پاکستان) کے قیام کی جدوجہد کے ساتھ اہل ریاست کی ایک مخصوص تعداد کی جذباتی وابستگی تھی۔ اگست 1947ء کے بعد جو کچھ ہوا اس کو صحیح معنوں میں جاننے کے لیے ڈوگرہ دور حکومت کی مجموعی صورتحال بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ سلوک اور طرز حکمرانی پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

ڈوگرہ دور حکومت (1846ء سے 1947ء تک)

''کشمیر میں گاڑی کھینچنے کے لیے بیلوں اور گھوڑوں کی ایک جوڑی سے آدھ درجن انسان سستے پڑتے ہیں، اس نوعیت کی باربرداری دیکھ کر میری گردن جھک گئی۔''

Aldous Huxlay

''اگر برطانوی قوم کو اس ظلم کا سامنا کرنا پڑتا جسے کشمیریوں نے برداشت کیا تو ہم اپنی مردانگی کھو بیٹھتے۔''

بسکو (Biscoe)

''کشمیر میں زیادہ تر مسلمان اپنے غیر حاضر جاگیرداروں کے لیے کام کرنے والے غلام تھے۔ مسلمان عوام کی غربت دل دہلا دینے والی ہے۔ مسلمان کسان کا حال چیتھڑوں میں ملبوس اور ننگے پاؤں کسی فاقہ زدہ فقیر جیسا ہے۔''

نامور کشمیری ہندو مصنف پریم ناتھ بزاز

انگریز سیاحوں، تاریخ دانوں اور معتدل مزاج انسان دوست ہندو مصنفین نے ڈوگرہ دور کی حقیقی منظر کشی کی ہے۔ گلاب سنگھ اور اس کے بعد کے ڈوگرہ حکمرانوں کی طرف سے انصاف کے دعوے اپنی جگہ، لیکن یہ حقیقت ہے کہ 80 فیصد مسلمانوں کے لیے ملازمتوں میں 2 فیصد کوٹہ تھا۔

جوزف کاربل لکھتے ہیں کہ گلاب سنگھ بڑا ہی سنگ دل اور متعصّب ہندو تھا۔ وہ سونے (Gold)، پولو، ٹینس اور شکار کا شوقین تھا۔ وہ کشمیری مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے 1850ء میں بنارس کے پنڈتوں سے اجازت بھی طلب کر لی تھی۔ گائے ذبح کرنے کی سزا ابتدأ موت رکھی گئی۔ کچھ عرصہ بعد اسے نرم کر کے 10 سال قید میں بدل دیا گیا۔ پریم ناتھ بزاز لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اس نے اپنی نگرانی میں بعض قیدیوں کی چمڑی ادھیڑ کر اس میں بھوسہ بھروایا اور انہیں سڑک پر رکھ دیا۔ پھر اپنے بیٹے رنبیر سنگھ کو بلایا اور کہا، ''دیکھو حکومت اس طرح کی جاتی ہے۔''

پریم ناتھ بزاز صفحہ نمبر 128 ''تاریخِ تحریکِ آزادیٔ کشمیر''

ڈوگرہ دور میں مسلمانوں سے بیگار لی جاتی تھی۔ ہزاروں مسلمان بھوک اور پیاس کی وجہ سے مہاراجا کی فوج اور کارندوں کا وزن اٹھاتے ہوئے زندگی کی بازی ہار گئے، کیونکہ انہیں بیگار کے دوران خوراک نہیں دی جاتی تھی۔ پاؤں میں پولیں (گھاس کے جوتے)، کندھوں پر کمبل، ہاتھوں میں رسی اور ٹوکریاں اٹھائے ہوئے ان بے بس لوگوں سے مشینوں کی طرح کام لیا جاتا۔ آخری ڈوگرہ حکمران ہری سنگھ جو شراب و شباب کا دلدادہ تھا، ایک رات کی عیاشی کے لیے 10 لاکھ روپے خرچ کر دیتا تھا۔ جبکہ تعلیم، صحت اور تعمیرات عامہ میں سے ہر محکمے کا سالانہ بجٹ 50 ہزار روپے تھا۔

ڈوگروں کے 101 سال پر مشتمل عرصہ میں 80 فیصد مسلمانوں سے ایک مرتبہ بھی کسی شخص کو وزیراعظم نامزد نہیں کیا گیا سوائے آخری عرصہ میں جب مجبوری کے تحت شیخ عبداللہ کو وزیراعظم بنایا گیا۔ مہاراجا نے جو اسمبلی تشکیل دی اس کی ترتیب بھی اس طرح رکھی گئی کہ سارے اختیارات اس کے ہاتھ میں تھے۔ مہاراجا نے شاہانہ اخراجات پورے کرنے کے لیے سوائے ہوا کے ہر چیز پر ٹیکس عائد کیا ہوا تھا۔

1935 میں سکالرشپ لینے والے 190 یتیم بچوں میں سے 42 مسلمان تھے (جسٹس صراف ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' صفحہ 322 جلد 1)

مالی سال 32-1931ء کے مطابق سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ کچھ یوں تھا۔

	کل	مسلمان
اساتذہ	220	11
ہیڈ ماسٹر	15	1
ہیڈ ماسٹر مڈل سکول	49	3
کالج کے پروفیسر	33	4
ڈیمانسٹریٹر	8	1
ایکٹنگ سٹاف	14	3
گزیٹڈ آفیسر	27	4

ڈوگرہ دورِ حکومت میں کسانوں سے مالیہ اس قدر وصول کیا جاتا تھا کہ انہیں اپنی زندگی کی سانسیں

برقرار رکھنے کیلئے بہت مشکل کا سامنا تھا۔ مجموعی آمدن کا 80 فیصد تک ڈوگرہ حکمرانوں کے اہلکار لے جاتے تھے ہر چیز پر ٹیکس عائد تھے حتیٰ کہ گھر کے چولہے پر بھی ٹیکس عائد تھا سال بھر میں جو فصل تیار ہوتی اس کا ایک بڑا حصہ ڈوگرہ کے نمبردار، چوکیدار اور دیگر اہلکار لے جاتے۔ ان مظالم کے خلاف جموں، میرپور اور دیگر اضلاع میں عدم ادائیگی مالیہ کی تحریک شروع ہوئی، جسے بری طرح کچل دیا گیا۔ جبر وظلم کے اس دور میں پڑھے لکھے مسلمانوں نے سیاسی تحریک شروع کی اور 1932ء میں مسلم کانفرنس کے نام سے سیاسی جماعت قائم کی۔ شیخ عبداللہ جس کے پہلے صدر اور غلام عباس جنرل سیکرٹری بنے۔ ریاست جموں کشمیر کی مسلم اکثریت نے ڈوگرہ اقلیت سے اپنے حقوق کی جدوجہد کا سفر جاری رکھا ہوا تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لیے الگ وطن (پاکستان) کا مطالبہ کر دیا۔ برطانوی ہند کے مسلمانوں اور مسلم لیگ کی طرف سے پاکستان کے مطالبے نے کشمیر کے مسلمانوں کو نئی قوّت بخشی۔ ریاست کے مسلمان چاہتے تھے کہ برطانوی ہند کے مسلمانوں کے ساتھ انہیں بھی مہاراجا ہری سنگھ کی شخصی غلامی سے نجات مل جائے۔ ان حالات میں پڑھے لکھے کشمیری مسلمان اپنی الگ حیثیت کو بحال رکھتے ہوئے مسلم لیگ سے تعاون کے خواہش مند تھے، جبکہ عام کشمیری مسلمان اس فرق کو نہیں سمجھتا تھا۔ ان کے خیال میں مسلمان، مسلمان ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصے میں ہو۔ اپنے پڑوس میں ایک مسلمان ملک کے قیام کو دیکھتے ہوئے وہ مہاراجا کے مظالم یاد کرتے اور ان کی پاکستان سے جذباتی وابستگی مزید پختہ ہوتی گئی۔
ایسے ماحول میں کشمیری قیادت نے مصلحت سے کام لیا۔ اور ریاست جموں کشمیر کی انفرادی شناخت کو اس طرح بحال نہ رکھ سکے، جس طرح ضرورت تھی۔ گرچہ مسلم کانفرنس کا قیام، مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدلتے وقت چوہدری غلام عباس کی مشروط آمادگی (جس کا ذکر آگے آئے گا) 24 اکتوبر کا اعلامیہ، ان سب میں ریاست کی الگ شناخت نظر آتی ہے، لیکن عوام کے بڑے بڑے اجتماعات، جلسوں میں کشمیری مسلمان قیادت یہ ظاہر کرتی رہی کہ پاکستان کا مطالبہ کرنے والے مسلمانوں اور کشمیر کا مقدمہ ایک جیسا ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ برطانوی ہند کے مسلمان الگ وطن (پاکستان) کا مطالبہ کر رہے تھے۔ جبکہ ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کے پاس الگ ملک تھا، جس کی اپنی نمائندہ اسمبلی تھی، جس کی حدود کا تعین تھا۔ جس کا جھنڈا تھا لیکن وہ صرف شخصی غلامی کا شکار تھے۔ بالالفاظ دیگر کشمیری مسلمان حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے تھے، جبکہ برطانوی ہند کے مسلمان آزادی کے حصول کی جدوجہد کر رہے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ 24 اکتوبر 1947ء کو سردار ابراہیم کی قیادت میں جو حکومت قائم ہوئی اس کا پہلا اعلامیہ تھا کہ ہم اپنے ہمسایہ ممالک ہندوستان اور پاکستان سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ یہ اعلامیہ کشمیر کی جداگانہ حیثیت کا وہ ثبوت ہے جو مسلم کانفرنس کی سوچ تھی۔ جلسوں جلوسوں کے اعلانات کے برعکس مسلم کانفرنس کے ذمہ داران نے اپنی جداگانہ حیثیت کی روشنی میں یہ اعلامیہ ترتیب دیا، جس کی بگڑی ہوئی شکل موجودہ آزاد کشمیر ہے۔

ڈوگروں کے انداز حکمرانی اور انسانیت سوز دور کے ردعمل میں کشمیری مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی اپنے پڑوس میں قائم ہونے والے ملک پاکستان سے جو جذباتی وابستگی تھی، ریاست جموں کشمیر کی مسلمان قیادت

نے اس جذباتی کیفیت کو شخصی غلامی سے نجات کے لیے اپنے حق میں استعمال کیا۔لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ ریاست جموں وکشمیر کے مسلمانوں کی نمائندہ سیاسی جماعتیں خود اس جذباتی کیفیت میں ڈھل گئی اور اختلافات کا شکار ہوکر اپنی شناخت کھوبیٹھیں۔ایک ایسے دور میں جب برصغیر کا جغرافیہ تبدیل ہورہا تھا ریاست کی سیاسی جماعتوں کا جوکردار دیکھنے میں آیا اور جو کانگرس اور نہرو کا موقف تھا وہ برطانوی پارلیمنٹ کے قانون آزادی ہند کے مطابق تھا یا اس کے برعکس،اس کے لیے دیکھتے ہیں برطانوی پارلیمنٹ کا قانون آزادی ہند۔

برطانوی پارلیمنٹ کا قانون آزادی ہند اور ریاست جموں کشمیر

3 جون 1947ء کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے تقسیم ہند کے منصوبے کا باضابطہ اعلان کیا۔18 جولائی کو اسے قانون کی شکل دی گئی۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے کہا کہ حکومت برطانیہ اگلے دو ماہ کے دوران بھارت سے واپس چلی جائے گی۔اس ضمن میں وائسرائے نے جو اعلان کیا،اس کا اُردو ترجمہ محمد علی چراغ نے اپنی کتاب ''تاریخ پاکستان'' میں کچھ اس طرح نقل کیا ہے۔

''ہندوستان کے لیے کوئی آئین ترتیب دینے کے سلسلے میں ہز میجسٹی گورنمنٹ نے کابینہ مشن کے حوالے سے جو کوششیں کی،وہ ناکام رہیں کیونکہ مسلم لیگ کسی مشترکہ حکومت میں شرکت کے لیے تیار نہ تھی۔لہٰذا حکومت برطانیہ کی ایماء پر اس کے اعلان کے مطابق کہ''حکومت برطانیہ جون 1948ء سے پہلے پہلے ہندوستان کے تمام اختیارات ہندوستانیوں کو سونپ کر چلی جائے گی'' اس حوالے سے متعدد صوبوں میں اختیارات کی منتقلی کا کام شروع ہوگیا تھا۔مدراس،بہار،بمبئی،صوبہ جات متحدہ،مرکزی صوبوں آسام،اڑیسہ، بنگال،سندھ،پنجاب وغیرہ میں مسلمانوں کی اکثریت کے حوالے سے لیگ نے بھی بہت کام کیا اور بلوچستان کے بارے میں آئینی کام ہو چکا ہے۔ہز میجسٹی کی خواہش ہے کہ تمام اختیارات ہندوستان کے لوگوں کی خواہش کے مطابق انہیں منتقل کر دیے جائیں۔براعظم کے تمام سیاسی رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا کہ ہندوستان کو تقسیم کر دیا جائے۔اس لیے برطانوی حکومت کا یہ کوئی جبر نہیں ہے کہ وہ کسی متحدہ ہندوستان کا آئین بنائے۔آئین سازی کے معاملات کی ذمہ داری ہندوستانیوں کی اپنی ہے۔حکومت برطانیہ مختلف صوبوں میں قائم وزارتوں کے سلسلے میں بھی مداخلت کرنے کو تیار نہیں۔کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ان صوبوں میں ابھی اسمبلیاں قائم نہیں ہوئی ہیں،وہاں پر بھی باہمی طور فیصلہ کر کے اسمبلیاں قائم کر لی جائیں،اور یہ طے کر لیا جائے کہ انتقال اقتدار کیا جائے گا۔تاہم اس سلسلے میں کسی کے ساتھ جبر یا سختی نہیں ہوگی۔''

وائسرائے کے اعلان نامے کا آگے کا متن کچھ یوں ہے:

''بنگال اور پنجاب کی مجالس قانون ساز یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گی۔یہی دونوں مجالس فیصلہ کریں گی کہ ان صوبوں کو تقسیم کرنا چاہیے یا نہیں۔اسمبلیوں کی دو،دو میں تقسیم کا یہ عمل ایک طرح سے ابتدائی مرحلہ ہوگا۔اس کے بعد جب یہ حتمی طور طے پایا جائے گا کہ مسلمانوں کی اکثریت کے کون کون سے اضلاع ہیں

اور ہندو اکثریت کے کون کون سے علاقے ہیں، دوسرے مرحلے کا آغاز بھی خود بخود ہو جائے گا۔ صوبوں اور علاقوں کی حتمی حد بندی کے لیے ایک باؤنڈری کمیشن بنایا جائے گا۔

صوبۂ سندھ کی مجلس قانون ساز کو یہ اجازت دی جائے گی کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ وہ صوبۂ سندھ کو کس کے ساتھ شامل کرنا چاہتی ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی صورتحال ذرا مختلف ہے۔ صوبۂ بلوچستان کو بھی پورے اختیارات دیے جائیں گے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ بنگال، آسام اور سلہٹ میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان زیادہ کھینچا تانی جاری ہے، اس لیے جب بنگال دو حصوں میں تقسیم ہو جائے گا تو پھر سلہٹ میں استصوابِ رائے کرایا جائے گا، اور آسام میں بہرحال مسلمان اقلیت میں ہیں۔

صوبوں کی اس تقسیم اور مختلف اضلاع کی حد بندی کے ضمن میں جملہ امور اور مسائل کا بھی اہتمام کر لیا جائے اور یہ امر واضح بھی کر دینا چاہیے کہ تقسیم کا یہ عمل صرف برطانوی ہند پر لاگو ہوگا۔ جہاں تک قبائل اور ریاستوں کا تعلق ہے، وہ کسی بھی اسمبلی کے ساتھ الحاق کی مجاز ہوں گی۔

ہندوستان کی دو بڑی جماعتوں نے تقسیم ہند اور انتقال اقتدار کے عمل میں ہز میجسٹی گورنمنٹ کو بہت ہمدردانہ محسوس کیا ہے اور یہاں تک اختیارات دیے ہیں کہ جون 1948ء تک یہ کام ضرور مکمل کر لیا جائے، لیکن کام کی جو رفتار ہے، اس کے تحت انتقال اقتدار اور تقسیم کا عمل جلد از جلد مکمل کر لیا جائے گا۔" (تاریخ پاکستان/محمد علی جواہر/صفحہ نمبر 483)۔

اس حکومتی اعلان کے بعد بنگال اور پنجاب کے مسلم اکثریت والے اضلاع کی نشاندہی 1941ء کے آبادی کے اعداد و شمار کے مطابق کر دی گئی۔ مسلم بنگال میں چٹا کانگ ڈویژن، چٹا کانگ نواکھلی، ٹائی پیرا، ڈھاکہ ڈویژن، باقر گنج، ڈھاکہ، فرید پور، میمن سنگھ، پریزیڈنسی ڈویژن، جسپور، مرشد آباد، راجشاہی ڈویژن، بوگرہ، دیناپور، مالدہ بپنہ، راجشاہی اور رنگپور جبکہ مسلمانوں کے پنجاب میں جن اضلاع کو شامل کیا گیا، ان کے نام یوں ہیں، لاہور ڈویژن، گوجرانوالہ، گورداسپور، لاہور، شیخوپورہ، سیالکوٹ، راولپنڈی ڈویژن، اٹک، گجرات، جہلم، میاں والی، راولپنڈی، شاہ پور، ملتان ڈویژن، ڈیرہ غازی خان، جھنگ، لائل پور، منٹگمری، ملتان اور مظفر گڑھ۔

اسی دوران ایک پریس کانفرنس کے دوران ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اعلان کیا کہ اقتدار کے انتقال کا کام جلد از جلد مکمل ہو رہا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ 15/اگست 1947ء کو اس کا اعلان کر دیا جائے۔ انتقال اقتدار، تقسیم ملک کی یہ سکیم دونوں سیاسی جماعتوں مسلم لیگ اور کانگریس نے منظور کر لی۔ ریڈکلف ایوارڈ میں گرداسپور کا علاقہ بھارت کو دے کر اسے کشمیر تک رسائی دی گئی۔ یہ کام دراصل مہر چند مہاجن نے کیا۔ مہر چند مہاجن 23/دسمبر 1889ء کو ضلع کانگڑہ میں پیدا ہوا۔ 1913ء میں اس نے بطور وکیل پریکٹس شروع کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے وہ گرداسپور چلا گیا۔ چار سال گرداسپور گزارنے کے بعد وہ 1919ء میں لاہور چلا گیا، اور وکالت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ 1938ء میں لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کا صدر بنا، 1943ء تک بار ایسوسی ایشن کا صدر رہا اور بعد ازاں وہ ریاست جموں کشمیر آ گیا اور مہاراجا ہری سنگھ کا

وزیراعظم بنا۔اس نے مہاراجا کو مشورہ دیا کہ وہ بھارت سے الحاق کرے،لیکن مہاراجا نے اس کی بات نہ مانی۔ بھارت نے اسے ریڈکلف ایوارڈ میں اپنا نمائندہ نامزد کیا۔جس کے نتیجہ میں گرداسپور بھارتی پنجاب کے ساتھ جڑ گیا۔ان خدمات کے عوض بعدازاں وہ بھارت کا چیف جسٹس بنا۔

3/جون 1947ء کے تقسیم ہند کے فارمولے کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں برطانوی ہند(وہ صوبے جو براہ راست برطانیہ کے زیر قبضہ تھے) شامل تھا۔ اس فارمولے میں ریاستیں شامل نہیں تھیں۔ ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں جاننے کے لیے کابینہ مشن کی تجاویز کو دیکھتے ہیں۔

ہندوستان کی آئندہ کی آئینی حیثیت کے بارے میں 12/ مارچ 1946ء کو سٹیفرڈ کرپس کی سربراہی میں لیبر پارٹی نے تین افراد پر مشتمل وفد ہندوستان بھیجا۔وفد میں سٹیفرڈ کرپس کے علاوہ پیتھک لارنس اوراے۔ای۔الیگزینڈر شامل تھے۔

12/مئی 1946ء کو کابینہ مشن نے ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں یادداشت پیش کی،جس میں برطانوی مؤقف کی وضاحت کی گئی۔اس میمورنڈم کی چار تجاویز کچھ اس طرح تھیں۔

1۔ برطانیہ کے ہندوستان چھوڑتے ہی قانونی اور تکنیکی لحاظ سے ریاستوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

2۔ نئی قائم ہونے والی حکومتوں یا حکومت سے ریاستوں کا الحاق بھی ممکن ہے۔

3۔ الحاق پر رضامند نہ ہونے کی صورت میں نئی حکومت یا حکومتوں سے خصوصی نوعیت کے روابط استوار کیے جاسکتے ہیں۔

4۔ اس سلسلہ میں سب سے اہم صورت ایک یا ایک سے زیادہ جانشین حکومتوں کا قیام نظر آتا ہے۔

یوں کابینہ مشن کی تجاویز اور قانون آزادی ہند کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ریاستیں تقسیم ہندوستان کا حصہ نہیں۔البتہ ان کے پاس دو آپشن تھے۔(۱)الحاق پاکستان یا ہندوستان اور(۲)خودمختاری۔

ان حالات میں بھارت کی طرف سے ریاست جموں کشمیر کے مہاراجا ہری سنگھ پر شدید دباؤ تھا کہ وہ ریاست کا بھارت سے الحاق کریں۔اس سے قبل مسلم کانفرنس نے 18 جولائی کو خودمختار کشمیر کی قرارداد پیش کی۔ بعدازاں سردار ابراہیم کی سربراہی میں الحاق پاکستان کی فرضی قرارداد 19 جولائی کو سامنے آئی۔

قانون آزادی ہند کا گرچہ ریاستوں پر اطلاق نہیں ہوتا تھا،لیکن 3/جون 1947ء کو اعلان ہوتے ہی ریاستوں،راجواڑوں،خودمختار و نیم خودمختار علاقوں کے سربراہوں،راجاؤں نے ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ اپنا مستقبل جوڑنے کی کوششیں شروع کر دیں۔اس سلسلہ میں ریاستوں کے اندر قائم سیاسی جماعتیں بھی پریشر گروپ کی شکل میں سامنے آ کر کسی ایک ملک سے الحاق کے لیے مختلف تجاویز دینے لگیں۔مسلم کانفرنس کے صدر چوہدری غلام عباس جیل میں تھے۔ چوہدری حمیداللہ خان قائم مقام صدر تھا۔بعض روایات کے مطابق انہوں نے 18/جولائی 1947ء کو خودمختار کشمیر کی قرارداد پیش کی۔18 جولائی کی قرارداد کے دوسرے دن پاکستان نواز دوسرے درجہ کی کانفرنسی قیادت کے کچھ لوگ چائے پر اکٹھے ہوئے اور رسماً سیاست پر گفتگو کی مختلف

آپشن پر بات ہوئی اس موقع پر پاکستان کی طرف جھکاؤ موجود تھا اور اسی کو بعد میں قرارداد الحاق پاکستان کا نام دیا گیا۔ گرچہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قرارداد ایک کاغذی اختراع تھی۔ تاہم 19 / جولائی 1947ء کی قرارداد الحاق پاکستان ایک قابل ذکر قرارداد اس لیے ہے کہ ایک عرصہ تک آزاد کشمیر (پاکستان کے زیر انتظام) کے سیاہ و سفید کی مالک مسلم کانفرنس کا دعویٰ ہے کہ یہ قرارداد منظور کر کے اس نے ریاست جموں و کشمیر کے مسلمانوں کی حقیقی منزل کا تعین کیا۔ یہ قرارداد 19 جولائی کو سری نگر میں سردار ابراہیم (سابق صدر آزاد کشمیر) کی رہائش گاہ آبی گزر میں مسلم کانفرنس کی جنرل کونسل نے منظور کی۔

مسلم کانفرنس کی قرارداد الحاق پاکستان اور مہاراجا ہری سنگھ کا معاہدہ قائمہ:

قرارداد الحاق پاکستان:

الف۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن اس قرارداد کے ذریعے قیام پاکستان پر اپنے اطمینان قلبی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے قائداعظم (محمد علی جناح) کو اپنی مبارک باد پیش کرتا ہے۔

ب۔ برصغیر کی ریاستوں کے عوام کو امید تھی کہ وہ برطانوی ہندوستان کے دوسرے باشندوں کے دوش بدوش قومی آزادی کے مقاصد کو حاصل کریں گے اور تقسیم ہندوستان کے ساتھ جہاں برطانوی ہندوستان کے تمام باشندے آزادی سے ہمکنار ہوئے ہیں وہاں 03 جون کے اس اعلان نے برصغیر کی نیم خودمختار ریاستوں کے ہاتھ مضبوط کیے ہیں اور جب تک یہ مطلق العنان حکمران وقت کے جدید تقاضوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں گے ہندوستانی ریاستوں کے عوام کا مستقبل بھی بالکل تاریک رہے گا ان حالات میں ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے سامنے تین راستے ہیں۔

۱۔ ریاست کا بھارت سے الحاق۔

۲۔ ریاست کا پاکستان سے الحاق۔

۳۔ کشمیر میں ایک آزاد و خودمختار ریاست کا قیام۔

مسلم کانفرنس کا یہ کنونشن بڑے غور و خوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جغرافیائی، اقتصادی، لسانی اور مذہبی اعتبار سے ریاست کا پاکستان کے ساتھ الحاق نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ریاست کی آبادی کا اسی فیصد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے اور پاکستان کے تمام بڑے دریا جن کی گزرگاہ پنجاب ہے کے منبع وادی کشمیر میں ہیں۔ ریاست کی سرحدیں تو پاکستان سے پہلے ہی ملحق ہیں اور ریاست کے عوام بھی پاکستان کے ساتھ مذہبی، ثقافتی اور اقتصادی رشتوں میں مضبوطی سے بندھے ہوئے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست کا الحاق پاکستان سے کیا جائے۔ یہ کنونشن مہاراجا کشمیر سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ کشمیری عوام کو داخلی طور پر خودمختاری دی جائے اور مہاراجا ریاست کے آئینی سربراہ کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے ریاست میں ایک نمائندہ قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کریں اور دفاع، مواصلات اور امور خارجہ کے محکمے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سپرد کر دیے جائیں۔ کنونشن یہ قرار دیتا ہے کہ اگر حکومت کشمیر نے ہمارے یہ مطالبات تسلیم نہ کیے اور مسلم کانفرنس کے اس

مشورے پر کسی داخلی یا خارجی دباؤ کے تحت عمل نہ کیا گیا اور ریاست کا الحاق ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی سے کر دیا گیا تو کشمیری عوام اس فیصلے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی تحریک آزادی پورے جوش وخروش سے جاری رکھیں گے۔

اس قرارداد کے بعد سردار ابراہیم نے حلف نامہ لکھا جس پر متعدد شرکاء نے دستخط کیے۔

''ہم خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر اس قرآن پاک اور تلوار پر حلف اٹھاتے ہیں اگر مہاراجا ہری سنگھ نے 15/اگست تک پاکستان سے الحاق نہ کیا تو ہم ریاست میں تحریک مزاحمت شروع کر دیں گے(بحوالہ ریاست جموں وکشمیر، ایک تاریخی جائزہ صفحہ نمبر 20)

اس قرارداد میں کتنے لوگ شامل ہوئے ان کی حیثیت کیا تھی یہ سوال تاریخ کے طالب علموں کے لیے اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے تاہم بعدازاں ایک حکمت عملی کے تحت یہ ایک جماعت کا فیصلہ بن گیا۔گرچہ یہ ایک جماعت کا فیصلہ تھا، اور اسے یہ فیصلہ کرنے کا حق تھا، لیکن اس قرارداد کی منظوری کے 24 دن بعد مہاراجا ہری سنگھ نے بھارت اور پاکستان کے سامنے معاہدہ قائمہ کی تجویز رکھی جس پر ہندوستان نے خاموشی اختیار کر لی، جبکہ پاکستان نے اسے قبول کر لیا۔ اس قرارداد کی روح کے مطابق پاکستان سے معاہدہ قائمہ کیا گیا۔اس معاہدے کا متن یہ ہے۔

معاهده قائمه:

ریاست کشمیر کے وزیر اعظم کا ٹیلیگرام بنام محکمہ ریاستی تعلقات حکومت پاکستان مورخہ 12/اگست 1947ء،

''حکومت جموں وکشمیر ان تمام امور کے بارے میں پاکستان سے معاہدات قائمہ کرنے کا خیر مقدم کرے گی جو اس وقت رخصت ہونے والی برٹش انڈیا گورنمنٹ سے موجود ہیں۔ ہماری تجویز یہ ہے کہ موجودہ انتظامات اس وقت تک برقرار رکھے جائیں، جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں اور نئے معاہدات کی رسمی تعمیل شروع نہ ہو۔''

سیکرٹری وزارت خارجہ حکومت پاکستان کا تار بنام وزیر اعظم کشمیر مورخہ 15/اگست 1947ء

''بحوالہ آپ کا تار مورخہ 12/اگست حکومت پاکستان جموں وکشمیر سے معاہدہ قائمہ کرنے پر اپنے اتفاق کا اظہار کرتی ہے تاکہ موجودہ انتظامات کو اس وقت تک برقرار رکھا جا سکے، جب تک تفصیلات طے نہ ہو جائیں اور نئے معاہدات کی رسمی تعمیل شروع نہ ہو۔''

15/اگست کو پاکستانی وزارت خارجہ کے تار بنام وزیر اعظم کشمیر میں اس سے اتفاق کر لیا گیا۔ پاکستان کے جھنڈے سری نگر اور جموں میں لہرائے گئے۔ پاکستانی جھنڈے کو مہاراجا نے سلامی پیش کی۔15 اگست 1947 کےنویں روز نیلہ بٹ سے مہاراجہ ہری سنگھ کیخلاف مسلح جدوجہد شروع ہوگئی۔

غلطی کی ابتداء ادغام کی کوشش اور قبائلی حمله

پہلی آزاد حکومت کا قیام:

3 اکتوبر 1947ءکو پیرس ہوٹل راولپنڈی میں مسلم کانفرنس کارکنوں کا اجلاس ہوا۔جس میں ریاست

کی عبوری آزاد حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس موقعہ پر ایک بیان جاری کیا گیا، جس میں کہا گیا:

برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ کشمیر کا مدعی حکمران ان تمام حقوق سے محروم ہو گیا ہے جس کا اسے معاہدہ امرتسر کے مطابق دعویٰ تھا۔ اب ریاست کے لوگوں نے ایک عارضی ری پبلکن حکومت قائم کر لی ہے۔ جس کا صدر مقام مظفرآباد ہے۔ 4 اکتوبر 1947ء کی رات کے ایک بجے کے بعد مہاراجا ہری سنگھ یا اس کی ہدایات کے تحت کوئی شخص اس ریاست پر حکمرانی کا دعویٰ کرے تو اس کو عارضی حکومت کے قوانین کے تحت سزا دی جائے گی۔'' (بشیر احمد قریشی ''قائد کشمیر'' صفحہ نمبر 92)

20 دن بعد 24 اکتوبر 1947ء کو اس کے متبادل ایک اور حکومت قائم کی گئی جس کے بانی صدر سردار ابراہیم تھے۔ سردار ابراہیم کی سربراہی میں نئی کابینہ نے چارج سنبھالا۔ اس موقعہ پر جاری کیے گئے حسب ذیل اعلامیہ میں عوام اور عبوری حکومت کے خیالات اور ارادوں کی واضح عکاسی ہوتی ہے۔

''عبوری آزاد کشمیر حکومت جسے جموں و کشمیر کے عوام نے چند ہفتے قبل قائم کیا ہے۔ اور جس کا مقصد نا قابل برداشت ڈوگرہ تشدد اور ظلم کا خاتمہ کر کے کشمیری عوام جن میں مسلمان ہندو اور سکھ سبھی شامل ہیں، کے لیے حکومت خود اختیاری کا حق حاصل کرنا ہے۔ یہ حکومت استحکام حاصل کرنے کے بعد ریاست کے بقیہ علاقوں کو آزاد کرانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نئی حکومت جموں کشمیر کے عوام کی امنگوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ نئی حکومت جس نے ریاست کا نظم و نسق سنبھالا ہے، فرقہ پرست حکومت نہیں ہے۔ اس کی کابینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ یہ حکومت عوام کی خدمت کرے گی ریاست میں امن و امان قائم کرے گی۔ اور عوام کو یہ موقع فراہم کرے گی کہ وہ اپنی آزادانہ رائے سے ایک عوام دوست مقنّنہ اور ایک عوام دوست حکومت قائم کریں''۔ (پنڈت پریم ناتھ بزاز ''تاریخ تحریک آزادیٔ کشمیر'' صفحہ نمبر 23-622)

دلچسپ اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ سردار ابراہیم کی سربراہی میں جو حکومت تشکیل دی گئی اس سے دو دن قبل 22 اکتوبر 1947ء کو پاکستانی افواج کے کمانڈر ان چیف جنرل گریسی نے گورنر جنرل پاکستان محمد علی جناح کو اطلاع دی کہ 5000 افراد پر مشتمل قبائلی لشکر نے مظفرآباد کے راستے کشمیر پر حملہ کر دیا ہے۔ یہی اطلاع جنرل گریسی نے سپریم کمانڈر افواج پاک و ہند سر کلاڈ آکن لیک کو بھی دی۔ یہاں تاریخ کے طالب علم کے لیے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پہلے قبائلی حملہ کیا گیا اور بعد ازاں اس حملے کو جوازیت اور سیاسی تحفظ دینے کے لیے 24 اکتوبر کی حکومت قائم کی گئی۔

یکم نومبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناح نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دونوں گورنر جنرل یہ اعلان کریں کہ کشمیر میں فریقین 48 گھنٹے کے اندر اندر جنگ بندی کریں اور قبائلیوں کو یہ انتباہ کیا جائے کہ اگر وہ فی الفور جنگ بندی کا حکم نہیں مانیں گے تو دونوں ملکوں کی افواج ان کے خلاف مشترکہ کاروائی کریں گی۔ (''انسائیکلو پیڈیا قائداعظم'' صفحہ نمبر 595)

پاکستان کے نامور مورخ زاہد چوہدری نے اپنی معرکہ آرا تصفیف ''پاکستان کی سیاسی تاریخ کی جلد 3 میں کشمیر پر قبائلی یلغار پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے ایک اقتباس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

قبائلی لشکر نے 22 اکتوبر کو مظفر آباد پر قبضہ کیا تو اس شہر میں تین دن تک ہندوؤں اور سکھوں کا قتل عام ہوتا رہا۔قبائیلوں نے بلاامتیاز غیر مسلموں کو قتل کرنے کے علاوہ انکی بہت سی عورتوں کو اغوا کیا اور انکے گھروں کو لوٹا۔سردار ابراہیم کا خیال یہ ہے کہ اس قتل عام اور لوٹ مار کی ذمہ داری خورشید انور پر ہی عائد ہوتی تھی جو قبائیلوں کے حملے کا انچارج تھا۔لارڈ برڈ وُڈ کا بیان ہے کہ 26 اکتوبر کو بارہ مولا میں قبائیلوں نے جو قتل عام کیا جولوٹ مار مچائی اسکی ذمہ داری بھی خورشید انور پر عائد ہوتی تھی۔لیکن کسی فرد واحد کو اس ساری گھناؤنی کارروائی کا ذمہ دار ٹھہرانا صحیح نہیں۔حقیقت یہ ہے کہ آفریدی اور محسود قبائیلوں نے محض اسلامی جذبے کے تحت کشمیر پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ انکا بڑا مقصد لوٹ مار بھی تھا۔انہوں نے مظفرآباد اور بارہ مولا کے علاوہ میرپور، پونچھ، کوٹلی، جھنگر، نوشہرہ، اوڑی اور بھمبر کے قصبوں اور دیہات میں بھی بے تحاشا قتل و غارت لوٹ مار، آتشزنی اور اغوا کی وارداتیں کی تھیں۔ان قبائیلوں میں نظم وضبط کا نام ونشان نہیں تھا۔یہ بالکل بے مہار اور غیر منظّم تھے۔ان سے حملہ کروانے سے پہلے انکی تنظیم وتربیت کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔(زاہد چوہدری ''پاکستانی کی سیاسی تاریخ'' جلد تین، صفحہ نمبر 69-168)

قبائلی یلغار کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ مہاراجا ہری سنگھ جو گزشتہ چھ ماہ سے نہرو اور اسکی حکومت کے دباؤ کا پامردی سے مقابلہ کر رہا تھا،اسی نہرو سے فوجی امداد کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گیا اور اسطرح 27 اکتوبر 1947ء کو بھارتی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعے سری نگر میں اترنا شروع ہو گئیں، فریڈم ایٹ مڈنائٹ کے اردو ایڈیشن میں سعید سہروردی لکھتے ہیں

27 اکتوبر، دوشنبہ کی صبح سری نگر کے ویران اور سنسان ہوائی اڈے پر گڑگڑاہٹ کے ساتھ 9 ڈی سی۔3(DC-3) ہوئی جہاز اترے اور انہوں نے فرسٹ سکھ رجمنٹ کے 329 سکھوں کو آٹھ ٹن اسلحہ کے ساتھ کشمیر پہنچا دیا۔یہ پہلی قسط تھی اس ایک لاکھ ہندوستانی فوج کی، جو اس حسین سرزمین پر تعینات کی گئی تھی۔مکمل قبضے سے قبل ہی قبائلی یلغار قتل وغارت اور لوٹ مار کے علاوہ عہدوں کی دوڑ کی بھینٹ چڑھ گئی۔

یہ بات قابل غور ہے کہ قبائلی لشکر 26 اکتوبر کو بارہ مولہ پہنچ گئے تھے لیکن وہ 28 اکتوبر تک وہاں رکے رہے اور اس دوران بھارتی افواج ہوائی جہازوں کے ذریعہ سرینگر میں اتر گئیں۔بعد میں جب جنرل طارق نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہیں بتایا گیا کہ قبائلی لشکر کا سپہ سالار میجر خورشید انور جسے حکومت پاکستان نے اس عہدے پر فائز کیا تھا، دو دن بارہ مولہ میں اس لیے رکا رہا کہ سردار ابراہیم خان صدر آزاد کشمیر حکومت آئیں اور میجر خورشید انور کو بتائیں کہ کشمیر کی حکومت میں اسکی کیا پوزیشن ہوگی۔معاہدہ قائمہ یا جاریہ کے بعد جو غیر سنجیدگی دیکھنے میں آئی، اس پر رابرٹ ورسنگ لکھتے ہیں:

''15/اگست 1947ء جموں کشمیر اور پاکستان کے مابین معاہدہ جاریہ پر دستخط ہو گئے تھے، لیکن اکتوبر تک حکومت پاکستان کے کسی ذمہ دار افسر کو حکومت کشمیر سے رابطہ قائم رکھنے کے لیے بھیجنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔اکتوبر کے شروع میں ایک سفارت کار میجر اے ایس بی شاہ سیکرٹری وزارت خارجہ کو سرینگر کی ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا۔یہ واحد پاکستانی نمائندہ تھا جو کشمیر گورنمنٹ سے بات چیت کے لیے

بھیجا گیا''۔(''انڈیا پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ'')

حکومت کشمیر سے سیاسی معاملات پر گفت وشنید کے لیے جو نمائندہ بھیجا گیا، اس بارے میں جسٹس یوسف صراف نے اپنی کتاب ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' کے صفحہ نمبر 803 و 804 میں مہر چند مہاجن کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ (میجر ایس بی شاہ) ایک ہاتھ میں کوڑا اور دوسرے ہاتھ میں الحاق کی دستاویز لے کر سرینگر پہنچا تھا۔ میجر شاہ نے سرینگر سے جاتے وقت یہ دھمکی دی تھی کہ مہاراجا ہری سنگھ کو جلد ہی اپنی حماقت پر پچھتانا پڑے گا۔

ایک ایسے وقت میں جب ریاست کا ہندو حکمران پاکستان سے معاہدہ قائمہ کرتا ہے اور پوری ریاست پاکستان کے ساتھ برابری کی بنیاد پر ایک معاہدے کی شکل میں آ کھڑی ہوتی ہے، مہر چند مہاجن جو ریاست کا وزیر اعظم تھا، اس کا جھکاؤ ہندوستان کی طرف سامنے نظر آ رہا تھا۔ وہ ریڈ کلف ایوارڈ میں ہندوستان کی نمائندگی بھی کر چکا تھا، کے مقابلے میں ایک تیسرے درجے کے سفارت کار کو معاہدہ قائمہ سے دست بردار کر کے الحاق کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش ایک تاریخی حماقت تھی۔

رابرٹ ورسنگ اپنی کتاب ''انڈیا پاکستان اینڈ کشمیر ڈسپیوٹ'' کے صفحہ نمبر 289 پر لکھتے ہیں:

''بنیادی طور پر مسئلہ کشمیر مہاراجا کشمیر یا بھارت کی نہیں بلکہ پاکستانی لیڈروں کی اپنی حماقت کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا۔ وادی کے اندر خفیہ کارروائیوں، سپلائیز کی ترسیل میں رکاوٹ سے مسئلہ کشمیر کھڑا کیا گیا اور بھارت کو مداخلت کا موقع فراہم کیا گیا۔''

لارڈ برڈ ووڈ نے اس وقت کی منظر کشی کچھ اس طرح کی:

''حقائق کی تلاش کرنے والے کسی بھی شخص کو حکومت پاکستان کی طرف سے کشمیر کے ساتھ کسی بھی اعلیٰ سطحی مذاکرات کی کوشش کے فقدان کا سامنا کرنا پڑا۔ درحقیقت حکومت پاکستان مہاراجا کشمیر پر اقتصادی دباؤ بڑھا کر اپنے حق میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی، یہ سوچے بغیر ہی کہ اس قسم کے دباؤ کے اثرات خود اس کے خلاف جا سکتے ہیں۔'' (ٹو نیشنز اینڈ کشمیر صفحہ نمبر 46)

معاہدہ قائمہ کو الحاق اور پھر ادغام میں بدلنے کی جلدی کی وجہ سے پاکستان کے مسلم لیگی لیڈر ایک کے بعد دوسری غلطی کر رہے تھے۔ ریاستوں کے الحاق کے بارے میں مسلم لیگ اور بانی پاکستان کا جو مؤقف تھا، کشمیر کے معاملہ میں بالکل اُسی پر عمل ہوا تھا، کانگریس کا مؤقف تھا کہ کسی بھی ایک ملک کے ساتھ الحاق کا اختیار اس ریاست کے عوام کو ہے (یہ بھی ایک تضاد تھا، کیونکہ پاکستان کے قیام کے سلسلے میں دو قومی نظریہ کی بنیاد عوام تھے نہ کہ حکمران)۔ مسلم لیگ کا مؤقف تھا کہ وہاں کے حکمرانوں کو ہے، مہاراجا ہری سنگھ ریاست جموں کشمیر کا ہندو حکمران تھا۔ پاکستان نے اس سے معاہدہ جاریہ قبول کر لیا تھا۔ مگر اس پر اعتماد نہیں تھا۔ مسلم کانفرنس جو 19 جولائی 1947ء کو پاکستان سے الحاق کی قرارداد منظور کر چکی تھی، اس پر بھی عدم اعتماد کرتے ہوئے شیخ عبداللہ سے مذاکرات کرنے کے لیے رابطے شروع ہو گئے تھے۔

مسلم کانفرنس اور مہاراجا ہری سنگھ پاکستان کے ساتھ کھڑے تھے۔ پاکستان کی طرف سے شیخ

عبداللہ سے رابطوں کو مہاراجا ہری سنگھ اپنے خلاف خیال کرتا تھا، کیونکہ شیخ عبداللہ کشمیر کے اندر مہاراجا ہری سنگھ کی شخصی حکمرانی کے خلاف ایک توانا آواز تھی۔

اسی دوران ایس پی کالج سرینگر کے سابق پرنسپل ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے سرینگر کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر تاثیر اور شیخ عبداللہ دیرینہ دوست تھے۔ ڈاکٹر تاثیر نے شیخ عبداللہ کو پاکستان آکر محمد علی جناح سے ملاقات کے لیے راضی کر لیا۔ اس کی تصدیق شیخ عبداللہ نے اپنی کتاب ''آتش چنار'' میں بھی کی ہے۔ شیخ عبداللہ کے قریبی ساتھی جی ایم صادق پاکستانی حکام سے ملاقات کے لیے لاہور آئے، انہیں اطلاع ملی کہ قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کر دیا۔ یوں جی ایم صادق لاہور سے دہلی چلے گئے۔ (وکٹوریہ شیفلڈ، کشمیران دی کراس فائر، صفحہ نمبر 139)۔

پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض کا کہنا ہے کہ جب قبائلی حملے کی اطلاع لاہور پہنچی تو صاف نظر آنے لگا کہ ہم سب کچھ کھو چکے ہیں۔ مہاراجا کشمیر سے معاہدہ جاریہ کے دو ماہ کے اندر قبائلیوں کا ''جہاد'' شروع ہو گیا تھا، جبکہ پس پردہ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں کشمیر کو ساتھ ملانے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ قبائلی حملے کے ساتھ ہی کشمیر کے پاکستان سے الحاق کا موقع ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ (وکٹوریہ شیفلڈ، کشمیران دی کراس فائر، صفحہ نمبر 139)۔

اگر اس وقت کے حالات کو گہرائی سے دیکھا جائے تو یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مسلم لیگی قیادت شیخ عبداللہ کے سیاسی قد کاٹھ سے خوفزدہ تھی۔ ایک طرف شیخ عبداللہ سے مذاکرات کیے جا رہے تھے، تو دوسری طرف کشمیر حاصل کرنے کے لیے مسلح جدوجہد کی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

جسٹس یوسف صراف اپنی کتاب ''کشمیریز فائٹ فار فریڈم'' کے صفحہ نمبر 800 پر لکھتے ہیں:

''اس موقع پر اہم پاکستانی شخصیات، جن کے شیخ عبداللہ سے ذاتی مراسم تھے، سرینگر گئیں۔ ان میں میاں افتخار الدین، محمد دین تاثیر اور ملک تاج الدین شامل تھے۔ یہ لوگ تین دن سرینگر میں مقیم رہے۔ شیخ عبداللہ سے تفصیلی مذاکرات ہوئے۔ شیخ عبداللہ کے خیالات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ پاکستان سے الحاق کے مخالف نہیں، لیکن ان کے ذہن میں ایسے خدشات موجود تھے کہ الحاق کے بعد پاکستان کی جاگیردارانہ لیڈر شپ کشمیر سے کیا سلوک روا رکھے گی۔ شیخ عبداللہ یہ بھی چاہتے تھے کہ الحاق، دفاع، خارجہ امور، مواصلات اور کرنسی تک رکھا جائے۔

جب ریاست کا مہاراجا، مسلم کانفرنس اور پھر شیخ عبداللہ، سب الحاق کے لیے تیار تھے تو اس کے بعد قبائلی حملہ یہ بتاتا ہے کہ مسلم لیگی قیادت الحاق نہیں، ادغام چاہتی تھی۔ 22 اکتوبر کا قبائلی حملہ اس تنازعہ کی پہلی ٹھوس بنیاد بنا۔

قبائلی حملے کے پیچھے کون تھا؟

قبائلی حملے کے حوالے سے بہت سی قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم فاروق حیدر خان کہتے ہیں کہ ریاست کے مسلم کانفرنسی لیڈروں نے اپنی مدد کے لیے خود قبائلیوں کو کشمیر پر حملہ کی

دعوت دی۔ یہ بات ہندو مسلم تناظر اور ریاست جموں کشمیر کے ماضی کے تناظر میں درست ہوسکتی ہے۔

تاہم ''فریڈم ایٹ مڈ نائٹ'' کے مصنفین نے اپنی کتاب میں نہایت وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ ''جب برطانیہ نے تقسیم ہند کا فیصلہ کیا تو افغانستان کی ظاہر شاہ کی حکومت نے حکومت برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ افغانستان کے جو علاقے انگریزوں نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحدی صوبے میں شامل کیے تھے، وہ واپس کیے جائیں۔ انگریزوں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تو ظاہر شاہ نے ایک مرتبہ پھر لکھا کہ ہندوستان اور افغانستان کے درمیان ڈیورنڈ لائن کی جو سرحد مقرر کی گئی تھی، وہ ہم سے پوچھ کر نہیں بنائی گئی۔ اس لیے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس کا بھی انگریزوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد ظاہر شاہ نے خاموشی سے قبائلی علاقوں میں لشکر بھرتی کرنے شروع کر دیے۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ پشاور سمیت سرحد (کے پی کے) کے مختلف شہروں پر قبضہ کر لیا جائے۔

پاکستان کے ارباب اختیار کو اس منصوبے کی اطلاع ہوئی تو انہیں تشویش لاحق ہوگئی۔ باہمی مشورہ سے فیصلہ کیا گیا کہ قبائلی لشکروں کو سرینگر کا راستہ دکھایا جائے۔ اس مقصد کے لیے علماء کی خدمات حاصل کی گئیں، تاکہ وہ قبائلی علاقوں میں جا کر پٹھانوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔

''فریڈم ایٹ مڈ نائٹ'' کے مترجم سعید سہروردی لکھتے ہیں:

''افغانستان کے حکمران پٹھانوں کو اشتعال دلا رہے تھے کہ وہ پشاور کو لوٹ لیں۔ ایسی صورت میں اگر ان پٹھانوں کو سرینگر پہنچا دیا جائے تو ان کی نظریں پشاور سے ہٹ جائیں گی۔ اور لوٹ مار کی پیاس وہ پشاور کی بجائے سرینگر میں بجھائیں گے۔ وہ یقیناً ایسا ہنگامہ برپا کریں گے کہ مہاراجا کشمیر گھبرا جائے گا، اور پاکستان سے فوجی مداخلت کی درخواست کرے گا۔ اس بہانے سے پاکستان فوراً اپنی فوج سرینگر میں بٹھا دے گا۔ مہاراجا ہری سنگھ مجبور ہو کر پاکستان کے کشمیر کا انضمام منظور کر لے گا۔

تین دن بعد پشاور کی خستہ حال عمارت میں پٹھانوں کی ملاقات میجر خورشید انور سے ہوتی ہے۔ اس نے اسلام کا واسطہ دے کر پٹھانوں کو سمجھایا کہ اگر کشمیر میں فوراً کارروائی نہ کی گئی تو وہاں کا ہندو مہاراجا اپنی ریاست کو ہندوستان سے ملا دے گا۔ جس کی وجہ سے لاکھوں مسلمان ہندوؤں کی مکار حکومت کے پنجے میں آ جائیں گے۔

خورشید انور پاکستان کے ایک سابق سربراہ غلام محمد کا قریبی رشتہ دار تھا۔ دونوں پٹھانوں کے قبیلے ککے زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ حقیقتاً وہ ریلوے بٹالین کا ایک ریزرو افسر تھا۔ جس نے شمالی سرحدی صوبے میں ریفرنڈم کے دوران مسلم لیگ کے نیشنل گارڈ کی کمانڈ کی تھی۔ (بحوالہ ''گم گشتہ قوم'' کے مصنف سردار شوکت حیات، صفحہ نمبر 278)۔

سردار شوکت حیات سابق صدر مسلم لیگ لکھتے ہیں کہ خورشید انور کو محض نیشنل گارڈ کو خوش کرنے کے لیے کشمیر پر حملہ کی کمانڈ غلام محمد اور لیاقت علی خان کی فرمائش پر دی گئی، حالانکہ وہ غیر فوجی شخص تھا۔

سردار شوکت حیات نے اپنی کتاب ''گم گشتہ قوم'' میں ایک اور انکشاف کیا:

''مجھے کشمیر آپریشن کا نگران مقرر کیا گیا۔ میں نے بریگیڈیر شیر خان اور بریگیڈیر اکبر خان کی شمولیت کا مطالبہ کیا۔ علاوہ ازیں ہم نے سابقہ آئی این اے کے جنرل کیانی، کرنل دارا اور تاج خانزادہ کو بھی اس ٹیم میں شامل کیا۔

خورشید انور نے انتہائی سرعت سے ڈیڑھ درجن مختلف قبیلوں سے رابطہ کر کے فوج تیار کر لی، جن میں آفریدی، محسود، یوسف زئی، وزیر، سجان خیل، دوڑ بھٹنی، توری آف، آدم خیل، مہمند، مینگل، کوچی، زوران، شنواری، پاونده، سالار زئی، خلجی اور کنڈی شامل تھے۔ ان کی قیادت 7 اہم قبائلی و مذہبی رہنما، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب لانڈر، پیر صاحب زکوڑی شریف، کپتان میر بادشاہ محسود، نذر مُلا، بادشاہ گل مہمند، پیر وانا تربت کر رہے تھے۔

(بحوالہ ''کشور کشمیر'' جی ایم میر، صفحہ نمبر 255،256)

مسلم لیگ کے اندر سے نہرو کی کشمیر کے حوالے سے سیاسی ضرورت کو کشمیر میں کس نے پروان چڑھایا؟

پاکستان کے سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی کہتے ہیں:

''قائداعظم (محمد علی جناح) اور نہ مجھے کشمیر کو فتح کرنے کے لیے قبائلیوں کی تیاری کا کوئی علم تھا۔ مجھے صرف ایک دن قبل لیاقت علی خان نے اس کی اطلاع دی۔ ساتھ ہی لیاقت علی خان نے یہ کہا کہ قائداعظم کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔''

کے ایچ خورشید کہتے ہیں:

''سرینگر سے میری واپسی ہوئی۔ جب میں جنوری کے مہینے میں لاہور میں لیاقت علی خان سے ملا تو ان سے پوچھا کہ قائداعظم کو اس منصوبے کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا؟ تو انہوں نے زبان سے جواب دینے کی بجائے سر کے ایک خفیف اشارے سے اثبات میں جواب دیا (کچھ نہیں بتایا گیا)۔

قبائلی حملہ جس کی پلاننگ لیاقت علی خان نے کی، اس منصوبہ بندی سے 1947ء میں جموں، مظفرآباد، سرینگر میں لاکھوں لوگ مارے گئے۔ ریاست جموں کشمیر تقسیم ہوگئی۔ اس کی ذمہ داری لیگی قیادت اور اس کی معاون جماعت مسلم کانفرنس پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ قبائلی حملہ کے دو دن بعد 24 اکتوبر کو آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کی حکومت تشکیل دی گئی،

عبداللہ عباس فارمولہ اور پاکستان کی طرف سے مخالفت:

1948ء میں مسلم کانفرنس کے رہنماء چوہدری غلام عباس کو سرینگر سے جموں جیل میں منتقل کیا گیا۔ جنوری، 1948ء میں جب ریاست کا صدر مقام موسم سرما کیلیے جموں منتقل ہو چکا تھا وزیر اعظم کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے جموں جیل میں چوہدری غلام عباس کے ساتھ تین بار ملاقات کی۔ تیسری ملاقات میں دونوں لیڈر ایک فارمولے پر متفق ہو گئے۔ چنانچہ شیخ عبداللہ نے 26 فروری 1948ء کو اپنے نائب بخشی غلام محمد کو، جو کہ داخلہ معاملات کے وزیر تھے۔ اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا کہ وہ چوہدری غلام عباس کو جیل سے رہا کر کے سوچیت

گڑھ کے راستے سے پاکستان بھیجنے کا انتظام کریں۔28 فروری 1948ء کو چوہدری غلام عباس جموں جیل سے رہا کر دیئے گئے اور 3 مارچ کو پاکستان کے اخبارات میں انکی رہائی اور سوچیت گڑھ کے راستے سے پاکستان پہنچنے کی خبر شائع ہوئی۔

غلام عباس کچھ دن سیالکوٹ میں اپنے اہل خاندان کے ساتھ گزار کے لاہور پہنچے اور دو دن وہاں قیام کر کے کراچی روانہ ہو گئے۔اخبار نویس ان سے ان کے مشن کے بارے میں پوچھتے رہے،لیکن وہ ٹالتے رہے اس طرح وقت گزرتا رہا اور ان کی جموں جیل سے رہائی اور پاکستان آنے کا راز راز ہی رہا۔

کئی سال بعد کشمیر کے نامور صحافی روزنامہ آفتاب کے مدیر خواجہ ثناء اللہ بٹ نے ایبٹ آباد جا کر غلام عباس کو اس راز سے پردہ اٹھانے پر آمادہ کیا۔غلام عباس نے ان سے یہ وعدہ لینے کے بعد کہ وہ اس گفتگو کے بارے میں اخبار میں کچھ نہیں دیں گے۔حسب ذیل انکشافات کیے:

میرے اور شیخ صاحب کے درمیان بہت سے معاملات پر بات چیت ہوئی تھی۔ہم دونوں نے اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ کشمیر میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اسے کسی نہ کسی طرح ختم کیا جائے۔(یاد رہے کہ ان دونوں ریاست کے اندر بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ جاری تھی۔)

چنانچہ ہم دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ کشمیر میں ہندوستان اور پاکستان جنگ بند کر دیں اور جموں کشمیر میں 15 اگست 1947ء والی پوزیشن بحال کی جائے۔ریاست میں عبوری دور کیلیے نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کی ایک ملی جلی حکومت نظام سنبھال لے اور دونوں ملکوں کے ساتھ تجارتی تعلقات اور راستوں کی آمدورفت بحال کر دی جائے۔تین برس کے بعد اس مقصد کے لیے رائے شماری کرائی جائے کہ ریاست کے لوگ اسی پوزیشن کو دائمی پوزیشن دینا چاہتے ہیں یا ہندوستان،پاکستان دونوں میں سے کسی کے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔

ان تمام مسائل اور امور کو طے کرنے کے لیے ہندوستان اور پاکستان کے بااختیار لیڈروں اور ہم دونوں یعنی (شیخ عبداللہ اور میں) اور ہمارے رفقاء کی ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔چوہدری غلام عباس نے بتایا کہ میں نے جب یہ سارا معاملہ پاکستان کی اعلیٰ سطح کی قیادت کے سامنے رکھا تو انہوں نے اس بارے میں شبہات ظاہر کرتے ہوئے یہ فارمولہ مسترد کر دیا اور کہا چونکہ کشمیر کے معاملہ ہندوستان اقوام متحدہ میں لے گیا ہے۔اس لیے ہمیں عالمی ادارے کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔میں نے قومی مفاد کے پیش نظر اس مشن کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔(ثناء اللہ بٹ ''کشمیر 1947ء سے 1977 ''صفحہ نمبر 48)

اس طرح کشمیریوں کی اپنی قیادت کا یک بے ضرر قابل عمل فارمولہ پاکستان کے ارباب اقتدار کے عدم تعاون کی وجہ سے بارآور نہ ہوا۔جس کے نتیجہ میں کشمیری قوم کی قسمت غیر یقینی صورت احوال کے اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔

چوہدری غلام عباس نے خواجہ ثناء اللہ بٹ ایڈیٹر آفتاب کے سامنے یہ انکشاف بھی کیا کہ جب اپریل 1953ء کے دوسرے ہفتے میں امریکہ کے نائب صدر ایڈلائی سٹیونسن راولپنڈی آئے تو خود انہوں نے

پاکستانی حکام کے ذریعہ مجھے پیغام بھیجا کہ ان سے ملوں۔ چنانچہ میں ایپٹ آباد سے راولپنڈی گیا جہاں سرکٹ ہاؤس میں مسٹر سٹیونسن سے ملاقات کے دوران اس فارمولے پر بھی بات چیت ہوئی۔ مسٹر سٹیونسن نے مجھے بتایا کہ شیخ عبداللہ نے انہیں اسے فارمولے اور میری رہائی وغیرہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔

ایڈلائی سٹیونسن امریکہ کے نائب صدر تھے اور اگلے صدارتی انتخابات میں صدر کے عہدے کیلیے امیدوار تھے۔ وہ برصغیر کے دورے پر آئے تو نئ دہلی سے سرینگر بھی گئے جہاں انہوں نے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ سے ملاقات کی انکی آمد سے پہلے نئ دہلی میں متعین امریکی سفیر نے بھی سرینگر جا کر حالات کا جائزہ لیا اور شیخ عبداللہ کے علاوہ کچھ دوسرے لوگوں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ (ثناءاللہ بٹ ''کشمیر 1947ء سے 1977'' صفحہ نمبر 48)

9 جون 1949ء کو مہاراجا ہری سنگھ نے اپنے ولی عہد یوراج کرن سنگھ کے حق میں تخت سے دستبرداری کا اعلان کیا۔ اسکی وجہ بظاہر صحت کی خرابی بتائی گئی لیکن حقیقت میں یہ قدم شیخ محمد عبداللہ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے دباؤ کے تحت اٹھایا گیا۔("Kashmir, A Disputed Legacy" صفحہ نمبر 186)

پاکستان کی طرف سے جو کچھ ہو رہا تھا بالکل اسی طرح ہندوستان کی طرف سے یہی سوچ ایک جامع حکمت عملی کے تحت کام کر رہی تھی۔ سردار پٹیل کے خط و کتابت پر مشتمل کتاب کی ایک جلد ''کشمیر پر نئ روشنی'' میں 13 ستمبر سے 27 اکتوبر تک وزیراعظم بھارت جواہر لال نہرو، مہاراجا کشمیر ہری سنگھ، وزیراعظم ریاست جموں کشمیر مہر چند مہاجن، نائب وزیراعظم ریاست جموں کشمیر رام لال بترا، سردار بلدیو سنگھ وزیر دفاع ہندوستان، سردار پٹیل وزیر داخلہ ہندوستان، وی شنکر مرکزی سیکرٹری اور پٹیل کے پرائیویٹ سیکرٹری، نیوگی ذمہ دار برائے مہاجرین و آبادکاری، دوارکا ناتھ کاچرو، نہرو کے دست راست اور شیخ عبداللہ کے مشیر خاص اور ہندوستانی وزیر مواصلات رفیع احمد قدوائی کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی، اُس سے کشمیر کے بارے میں ہندوستانی حکمرانوں کی سیاسی حکمت عملی واضح ہوتی ہے۔ خط و کتابت کی تفصیل یہ ہے۔

13 ستمبر 1947ء، سردار پٹیل بنام بلدیو سنگھ:

سب سے بہتر یہی رہے گا کہ اپنی آرمی کے آفیسر کشمیر سنگھ کٹوچ کو جموں کشمیر کی افواج کا ذمہ دار بنا کر بھیج دیں جیسا کہ کشمیر دربار نے درخواست کی ہے۔

13 ستمبر، بلدیو سنگھ بنام سردار پٹیل:

لیفٹننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کو کشمیر کی ریاستی فورسز کا کمانڈر انچیف بنانے کے بارے میں غور ہو رہا ہے۔ میں آپ کو جلدی ہی اس بارے میں لکھوں گا۔

17 ستمبر 1947ء، سردار پٹیل بنام نیوگی:

کل مجھے کشمیر سرکار کا نمائندہ ملا۔ آپ کشمیر کے لیے ہوائی سروس کا انتظام کریں۔ اس سے سری نگر سے غیر مسلم رفیوجی باہر نکالنے میں مدد ملے گی۔

21 ستمبر، پٹیل بنام مہاراجا ہری سنگھ:

مہر چند مہاجن (اس وقت وہ کشمیر کے وزیراعظم نہیں بنائے گئے تھے) مجھے کل ملے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے انہیں وزیراعظم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مشکل حالات سے نمٹ سکیں گے۔ میں نے انہیں اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا ہے۔

26 ستمبر، ہری سنگھ بنام سردار پٹیل:

21 ستمبر کا خط ملا۔ مجھے اطمینان ہے کہ جسٹس مہاجن کی آپ کے ساتھ تفصیلی بات ہوئی ہے۔ اس وقت ضروری (فوجی) امداد پر مزید تبادلہ خیال سے تسلی بخش حل نکل سکتا ہے۔ رام لال بترا اس بارے میں آپ کو تفصیل سے آگاہ کریں گے۔

28 ستمبر، رام لال بترا بنام سردار پٹیل:

ایک ڈالمیا چارٹر جہاز کی بے انتہا ضرورت ہے۔

27 ستمبر، جواہر لال نہرو بنام سردار پٹیل:

کشمیر میں حالات بہت خطرناک ہیں۔ میری اطلاعات کے مطابق پنجاب اور صوبہ سرحد سے مسلم لیگ کے کارکن کشمیر میں داخل ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کشمیر کے لیے واحد ہمہ موسمی قدرتی راستہ جہلم ویلی روڈ ہے۔ جموں راستے کو بمشکل سرما میں استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب بس یہی ہے کہ ہمیں فضائیہ پر انحصار کرنا پڑے گا۔ اس لیے ہمیں اکتوبر کے اواخر تک عملی اقدامات اٹھانے ہوں گے۔ مجھے یہ نہیں لگتا کہ مہاراجا اور اس کی فورسز پاکستانی اقدامات کا مقابلہ کر سکیں گے۔ عوامی حمایت کی عدم موجودگی میں مہاراجا مزید تنہا پڑ جائے گا۔ اس لیے ہمیں شیخ عبداللہ کی ضرورت ہے جو مہاراجا کی مدد کر سکتا ہے مجھے لگتا ہے کہ ہندوستان کے ساتھ کشمیر کے فوری الحاق کی ضرورت ہے۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھی ابھی بھی جیل میں ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس بارے میں ضروری اقدامات اٹھائیں گے۔ میں ایک بار پھر زور دے کر کہنا چاہتا ہوں کہ وقت بڑا نازک اور قیمتی ہے۔ ہمیں شیخ عبداللہ کے تعاون سے جتنی جلدی ہو سکے کشمیر کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کر دینا چاہیے۔

(29 اکتوبر 1947ء کو شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھی جیل سے رہا کیے جاتے ہیں)

28 ستمبر، سردار پٹیل بنام رام لال بترا:

میں نے وزیر مواصلات رفیع احمد قدوائی کو جہاز کا انتظام کرنے کے لیے کہا ہے۔

2 اکتوبر، وی شنکر بنام شیوسارن لال:

لیفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کی تعیناتی کے بارے میں حکومت کشمیر کی درخواست وزارت دفاع کو بھیج دی گئی ہے۔ حالانکہ یہ ریاستوں کے امور کی وزارت کو دی جانی چاہیے تھی۔ بہرحال امید ہے کہ آپ اس بات کو نظرانداز کر دیں گے۔ اور جلد ہی احکامات صادر کریں گے۔

2 اکتوبر، سردار پٹیل بنام مہاراجا ہری سنگھ:

26 ستمبر کے خط کے لیے شکریہ۔ مہاجن جلد ہی آپ کی خدمت میں (بطور وزیراعظم) حاضر ہوں

گے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے (نیشنل کانفرنس کے حامیوں کو) عام معافی دینے کا اعلان کیا ہے۔ آپ کی ریاست کا مفاد ہمیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔

شیخ عبداللہ کل دہلی آ رہا ہے اور اس کے ساتھ (آپ کی حکومت کے ساتھ تعاون اور مفاہمت کا) تسلی بخش حال تلاش کریں گے فی الحال میں بڑی تیزی کے ساتھ آپ کی ریاست کا ہند یونین کے ساتھ مواصلاتی روابط، ٹیلی فون، ٹیلی گراف، وائرلیس اور سڑکوں کا رابطہ بہتر بنانے کے اقدامات کر رہا ہوں۔ ہم (فوجی) امداد بھیجنے کی فوری ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ اطمینان رکھیں کہ ہم ہر ممکنہ قدم اٹھانے کے لیے پوری طرح تیار ہیں۔

3/اکتوبر، رام لال بترا بنام بلدیو سنگھ:

فوجی ساز و سامان کے حوالے سے ایک انڈنٹ یکم اکتوبر کو بھیجا گیا ہے۔ آج یاد دلا رہا ہوں۔ مہر چند مہاجن نے دہلی میں آپ کے ساتھ جو بات چیت کی ہے اس کے تناظر میں یہ لکھ رہا ہوں کہ آپ انڈین آرمی کو مادھو پور یا کہیں قریب ہی تیار رکھیں تا کہ بوقت ضرورت وہ فوری طور پر ہماری مدد کو آسکیں۔

3/اکتوبر، رفیع احمد قدوائی بنام سردار پٹیل:

مواصلات کے سامان کے ساتھ ریل کے سات ڈبے کلکتہ سے مشرقی پنجاب کے ریلوے ہیڈ تک پہنچ چکے ہیں۔ وہاں سے ریلوے حکام مزید انتظامات کر رہے ہیں۔ ہم نے جموں میں ایک ریڈیو ٹرانسمیٹر پلانٹ نصب کرنے کا فیصلہ (بھی) کیا ہے۔ امرتسر میں (پہلے ہی) ایک پلانٹ موجود ہے۔ اس طرح دہلی سے سرینگر تک پیغام رسانی کا نظام ممکن ہوگا۔

4/اکتوبر، سردار پٹیل بنام رفیع احمد قدوائی:

میں آپ کو کشمیر کے بارے میں دوارکا ناتھ کاچرو، سیکرٹری آل انڈیا سٹیٹس پیوپلز کانفرنس، کا خط بھیج رہا ہوں جو اس نے سرینگر سے تحریر کیا ہے۔

خیال رہے کہ جب شیخ عبداللہ کو 29/ستمبر 1947ء کے روز بادامی باغ بنگلہ سے رہا کیا گیا تو انہیں سیاسی داؤ پیچ سمجھانے کے لیے جواہر لال نہرو نے کاچرو کو دہلی سے سرینگر روانہ کیا تھا۔ دوارکا ناتھ نے شیخ محمد عبداللہ کے ساتھ ملاقاتوں کے بعد جو رائے قائم کی اس کے بارے میں انہوں نے جواہر لال نہرو کو آگاہ کیا۔ دوارکا ناتھ نے جو کامیابی حاصل کی اور اس بارے میں جو کچھ نہرو کو لکھا اس کا خلاصہ یوں ہے:

- ☆ شیخ محمد عبداللہ اور اس کے ساتھی الحاق ہند کے حق میں ہیں۔
- ☆ نیشنل کانفرنس عوامی سطح پر یہ تاثر دے رہی ہے کہ الحاق کے بارے میں پارٹی نے کوئی فیصلہ نہیں لیا ہے۔
- ☆ شیخ محمد عبداللہ (اپنی پارٹی کے) قیدیوں کی رہائی چاہتا ہے تا کہ ورکنگ کمیٹی اور جنرل کونسل کا اجلاس بلا کر فیصلہ عوام کے سامنے رکھا جا سکے۔
- ☆ تقریروں میں نیشنل کانفرنس کے رہنما کہہ رہے ہیں کہ فرقہ وارانہ کشت و خون مذاہب کی تعلیمات

کے خلاف ہے۔ گاندھی جی، نہرو اور کانگریس کو کشمیریوں کا حقیقی دوست جتلایا جا رہا ہے۔ جناح اور مسلم لیگ کو کشمیریوں کا دشمن ظاہر کیا جا رہا ہے۔

☆ نیشنل کانفرنس ہندوستانی وفاق کے اندر عوامی حق خود مختاری چاہتی ہے جس میں مہاراجا کی حیثیت محض آئینی سربراہ کی ہو۔

☆ مہاراجا از خود (الحاق کے بارے میں) کوئی فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

☆ شیخ عبداللہ، بیگم سمیت مہاراجا ہری سنگھ سے ملنے کے لیے بالکل تیار ہے۔

☆ مسلم لیگ کے خلاف لڑنے اور عوام کو اپنے ساتھ چلانے کے لیے شیخ عبداللہ الحاق ہند کے ساتھ ساتھ مہاراجا کی طرف سے (شیخ عبداللہ کو) انتقال اقتدار کے خواہاں بھی ہیں جس کے لیے اس کی خواہش ہے کہ مہاراجا ضروری اقدامات اٹھائے۔

☆ ترقی پسند اقلیتی طبقے (کشمیری پنڈت) بھی شیخ محمد عبداللہ کی حمایت کے لیے تیار ہیں۔

☆ نیشنل کانفرنس کے ساتھ مفاہمت ضروری ہے کیونکہ کشمیر کو حقیقی خطرہ درپیش ہے اور نیشنل کانفرنس کی حمایت کلیدی اہمیت رکھتی ہے۔

☆ میں کل ہی شیخ محمد عبداللہ کے ایک تفصیلی خط کے ساتھ آپ کے پاس آرہا ہوں۔ بعض سخت مجبوریوں کے سبب شیخ عبداللہ چند روز تک نئی دہلی نہیں آسکیں گے۔

7/ اکتوبر، سردار پٹیل بنام بلدیو سنگھ:

مجھے امید ہے کہ کشمیر ہتھیار بھیجنے کا کام جاری ہے۔ ضروری ہوا تو یہ کام فضائیہ سے بھی جاری رکھیں۔ پاکستانی تیاریوں کی رپورٹوں کے پیش نظر ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

8/ اکتوبر، جواہر لال نہرو بنام سردار پٹیل:

☆ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی بیگم کے ہمراہ 6 اکتوبر کے روز مہاراجا سے ملاقات کی۔

☆ ہم پوری طاقت کے ساتھ کشمیر سرکار کی (سیاسی و فوجی) مدد کریں گے۔

☆ میں سمجھتا ہوں کہ کشمیر کے لیے جو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے میں نے وہ کیا۔

12/ اکتوبر، سردار پٹیل بنام رام لال بترا:

آپ مانسہرہ پل کے بارے میں کہتے ہیں (یعنی جنگ میں اسے کیسے اڑایا جائے) میں 19/ اکتوبر کو اپنے آفیسر مادھو پور روانہ کر رہا ہوں جو تار، ٹیلی فون اور سڑک کے رابطوں کا جائزہ لیں گے۔

17/ اکتوبر، رام لال بترا بنام سردار پٹیل:

لیفٹننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ یہاں پہنچ چکے ہیں۔ پونچھ میں ہمارا فوجی آپریشن جاری ہے۔ اس لیے مزید ہتھیاروں کی ضرورت ہے۔ میں نے اس بارے میں وزیر دفاع بلدیو سنگھ کو بھی مطلع کیا ہے۔ باغی پونچھ میں پل اڑا رہے ہیں اس لیے کلکتہ سے بیلی پلوں کا سامان روانہ کریں۔ ہمیں پاکستانی پروپیگنڈا کا توڑ کرنے کے لیے ایک نشریاتی مرکز کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔ پٹرول دالمیا کے دو جہازوں سے روانہ کریں۔ کشن گنگا

پل کا معاملہ بڑا رازدارانہ معاملہ تھا اس لیے میں نے میٹنگ میں اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہمارے آفیسر بھی کل مادھو پور پہنچ رہے ہیں۔

20/اکتوبر، وی شنکر بنام چکروتی:

پٹرول اور سپرٹ ایک کے بجائے دو دو المیا جہازوں سے روانہ کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ روزانہ کتنا بھیجا جارہا ہے اور امرتسر و پٹھانکوٹ میں کشمیر کے لیے کتنا سٹاک کیا جارہا ہے۔

21/اکتوبر، سردار پٹیل بنام مہر چند مہاجن:

میں نے شیخ عبداللہ کے ساتھ تفصیلی گفتگو کی ہے۔ وہ ہماری مدد کرنے کے لیے سخت بے تاب ہیں۔ لیکن اس کا یہ کہنا درست ہے کہ عوام میں اپنی ساکھ بچانے کے لیے وہ ریاست میں ٹراونکور اور میسور طرز کی ذمہ دار حکومت کے قیام کا خواہاں ہے۔ ہمارے لیے اس ریاست میں شر پسند عناصر کا سر کچلنے کے لیے شیخ عبداللہ کا تعاون لازمی ہے جو کہ غالب اکثریتی فرقہ کے ساتھ ہی تعلق رکھتا ہے۔ ایسا کرنا ہمارے مشترکہ مفاد میں ہے۔ آپ اس مسئلہ پر ٹھنڈے دماغ سے غور کریں۔

23/اکتوبر، مہر چند مہاجن بنام سردار پٹیل:

میں نے ریاست میں آئینی صورتحال کے بارے میں آپ کے خیالات کا جائزہ لیا۔ ریاست میں حالات اس وقت کافی خراب ہیں۔ نصف مسلم افواج بغاوت کر چکی ہیں۔

ان ساری تاریخی دستاویزات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح پاکستان کی طرف سے معاہدہ قائمہ کو توڑ کر کشمیر پر قبضے کے لیے پیش رفت ہو رہی تھی، بالکل اسی طرح ہندوستانی حکمران بھی ریاست جموں کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لا رہے تھے۔ ستمبر 1947ء سے قبل انڈین آرمی کے سینئر فوجی آفیسر لیفٹیننٹ کرنل کشمیر سنگھ کٹوچ کو ریاستی فوج کا سربراہ بنایا جا چکا تھا۔ 15/اکتوبر 1947ء کو ریڈ کلف کمیشن کے ممبر مہر چند مہاجن کو وزیراعظم بنا دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ مہاراجا ہری سنگھ سے جو مبینہ الحاق ہندوستان کیا گیا اس سے قبل ہی ہندوستانی فوج سرینگر کے ایئرپورٹ پر اتر چکی تھی۔ بالکل اسی طرح جس طرح پاکستان سے معاہدہ جاریہ کرنے کے بعد پاکستان کی طرف سے قبائلی کشمیر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ ہندوستانی ریاستوں کے طاقتور سیکرٹری وی پی مینن نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے 26 اکتوبر کے روز بعد از دوپہر جموں کے محل میں مہاراجا سے الحاق کی دستاویز پر دستخط لیے اور اسی روز وہ نئی دہلی چلے گئے اور اس معاہدے کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے حوالے کیا۔ اسی دستاویز کو بنیاد بنا کر نئی دہلی میں کابینہ کی دفاعی سب کمیٹی نے کشمیر میں فوجی مداخلت کا فیصلہ کیا۔ یہ دستاویز کاغذی اختراع تھی، حقیقت میں مہاراجا ہری سنگھ 26/اکتوبر کے دن سرینگر میں تھا۔ مہاراجا ہری سنگھ کا بیٹا ڈاکٹر کرن سنگھ جو 1947ء میں 16 سال کا جوان تھا، اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 86 میں لکھتا ہے کہ ان کا گھرانا 27/اکتوبر کو سرینگر سے جموں کے لیے روانہ ہوا۔ جواہر لال نہرو اور مہاراجا ہری سنگھ کے مابین خط و کتابت کی دستاویز میں ایک خط میں جواہر لال نہرو، ہری سنگھ کے نام لکھتے ہیں کہ آج (27/اکتوبر کو) وی پی مینن جموں سے لوٹے اور مجھے آپ کا الحاق نامہ دیا۔ یہ تاریخ بھی 27/اکتوبر کی

ہے۔ دوسرا 26/ اکتوبر کو بعد از دو پہر مہاراجا اگر سرینگر سے جموں کی طرف فرار ہو گیا ہے تو یہ سفر کم از کم 10 گھنٹے کا تھا۔ دشوار گزار راستوں پر محیط 300 کلومیٹر کا سفر اس دور میں دو پہر تک طے نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ اس عرصہ میں نہرو ٹنل بھی تعمیر نہیں ہوا تھا۔ ان تمام تر شہادتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مہاراجا ہری سنگھ سے معاہدہ الحاق ہندوستان کی دستاویزات پر دستخط نہیں ہوئے تھے۔ اس سے قبل ہندوستانی آرمی سرینگر اتر چکی تھی۔ اس سلسلہ میں دوسری اہم بات یہ کہ آج تک بھارت نے مہاراجا سے کیا گیا معاہدہ الحاق ہندوستان کسی بھی عالم فورم میں پیش نہیں کیا۔ حالانکہ بھارتی دعوے میں اس معاہدے کی دستاویزات تاج کی حیثیت رکھتی ہیں۔

★★★

باب دوم

ریاست جموں و کشمیر کے مستقبل کے حوالے سے تمام فریقین کے مؤقف حقائق کے تناظر میں

برطانیہ کا مؤقف

30/فروری 1947ء برطانوی وزیراعظم مارک اٹیلی نے کہا کہ:

''جیسے کابینہ مشن نے وضاحت کر دی تھی کہ تاج برطانیہ وہ اختیارات جو اسے ریاستوں کے بارے میں حاصل ہیں وہ برطانوی ہند کی کسی حکومت کو منتقل نہیں کیے جائیں گے۔'' (جسٹس یوسف صراف جلد دوم صفحہ نمبر 730)

یقیناً یہ اشارہ پاکستان اور بھارت کی طرف تھا۔ اگر اختیارات بالادستی برطانیہ خود بھی نہ رکھے، پاکستان اور ہندوستان کو بھی نہ دے تو اس کا مطلب خود مختاری ہی ہو گا۔

تقسیم ہند کے منصوبے کے ایک دن بعد ماؤنٹ بیٹن نے کہا، ”ریاستوں کی حیثیت آزاد مملکتوں کی تھی، جنہوں نے انگریزوں سے معاہدے کر رکھے تھے۔ اقتدار اعلیٰ کے اختتام پر ریاستیں اپنی آزاد حیثیت حاصل کرلیں گی۔ اور قطعاً آزاد ہوں گی کہ ایک آئین ساز اسمبلی میں شریک ہوں یا کوئی اور بندوبست کرلیں۔

13/جون 1947ء کو پارٹی لیڈر کانفرنس ہوئی۔ اس موقع پر کانگریس کے نہرو اور پولیٹیکل ایجنٹ سر کانراؤ کے درمیان ریاستوں کے مستقبل کے بارے میں تلخی ہوئی۔ نہرو کا مؤقف تھا کہ ریاستوں کے بارے میں تمام معاملات برطانیہ کی بالادستی ختم ہونے کے بعد بھارت سرانجام دے گا۔ پولیٹیکل ایجنٹ سر کانراؤ نے کہا، ”اس طرح کی تقسیم ناممکن ہے۔“ نمائندہ تاج کی پشت پر جو چیز کام کر رہی تھی وہ یہ تھی کہ ریاستیں ہندوستان کے معاملات اور ہندوستان ریاستوں کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرسکے۔

نہرو کا کہنا تھا کہ پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی پالیسی کابینہ پلان اور ماؤنٹ بیٹن پلان کے خلاف ہے۔

سر کانراؤ نے اس الزام کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا۔ اور کہا کہ ”آزاد رہنا بھی ریاستوں کا دستوری حق ہے۔“

محمد علی جناح اور مسلم لیگ کا مؤقف

21/اپریل 1947ء لیاقت علی خان نے نہرو کے بیان کے جواب میں ایک بیان جاری کیا:

”کابینہ مشن اور مختلف اوقات میں واضح اعلانات کی رو سے ریاستوں کو یہ پورا اختیار حاصل ہوگیا ہے کہ وہ نئی مملکتوں سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کردیں۔ جب برطانوی ہند کو آزادی مل جائے گی تو ریاستوں کو یہ آزادی حاصل ہو جائے گی کہ وہ اپنے لیے ایک مکمل آزاد و خود مختار مملکت کے طور پر زندہ رہنے کا فیصلہ کریں۔“

13/جون 1947ء کو پارٹی لیڈر کانفرنس میں نہرو، کانراؤ میں تلخ جملوں کے تبادلوں کے بعد محمد علی جناح اور نہرو کے درمیان بھی نوک جھونک ہوئی۔

نہرو نے کہا ”ریاستیں پاکستان سے الحاق کرسکتی ہیں، مگر کابینہ مشن کی یادداشت میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ ریاستیں خود مختاری کا حق رکھتی ہیں۔“

محمد علی جناح نے اس کے جواب میں کہا، ”ریاستوں کو یہ مکمل حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی قانون ساز اسمبلی میں شامل نہ ہوں، کیونکہ ہندوستان کی ہر ریاست ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے۔“

نہرو نے اتفاق نہیں کیا، مگر محمد علی جناح نے کہا کہ برطانوی ہند ریاستوں کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

17/جون 1947ء کو محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی طرف سے ریاستوں کے بارے میں اعلان کیا جو ”پاکستان ٹائمز“ کی 17/جون کی اشاعت میں ہے:

”محمد علی جناح نے کہا ہے کہ اقتدار اعلیٰ ختم ہوتے ہی ہندوستانی ریاستیں آزاد ہوں گی۔“

محمد علی جناح کے 17 جون کے اعلان کا متن کچھ یوں تھا
کشمیریوں کے لیے یہ سوال پریشان کن ہے کہ آیا کشمیر پاکستان کی آئین ساز اسمبلی کا حصہ ہوگا میں نے اس بات کی وضاحت ایک دفعہ سے زائد بار کی ہے کہ برصغیر کی ریاستیں پاکستان کی قانون ساز اسمبلی میں یا بھارت کی قانون ساز اسمبلی میں شامل ہوسکتی ہیں یا وہ خودمختار رہ سکتی ہیں مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مہاراجہ اور کشمیر کی حکومت اس بات کی طرف پوری توجہ دیں گے اور نہ صرف حکمرانوں کے مفادات کا بلکہ اُس کے عوام کے مفادات کا بھی پورا خیال رکھیں گے۔

30/جون 1947ء کو محمد علی جناح نے ریاستوں کے بارے میں ایک مرتبہ پھر بیان جاری کیا کہ اقتدار کی منتقلی کے ساتھ ہی ریاستوں کو خود بخود آزاد و خودمختار مملکت کی حیثیت حاصل ہوجائے گی۔

مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کی 8/جولائی 1947ء کی قرارداد میں بھی ہندوستانی ریاستوں کے آزاد و خودمختار رہنے کی حمایت کی گئی ہے۔

11/جولائی 1947ء کو محمد علی جناح کا ایک پریس بیان جاری ہوا۔انہوں نے کہا کہ کشمیر کے متعلق مجھ سے پوچھا گیا ہے آیا کشمیری مسلمان پاکستان کے ساتھ الحاق کر رہے ہیں یا نہیں۔میں اس بات کی پہلے ہی سے ایک سے زائد بار وضاحت کر چکا ہوں کہ ریاستیں اس معاملہ میں آزاد ہیں کہ وہ پاکستان سے الحاق کریں یا بھارت سے یا پھر آزاد و خودمختار رہیں۔

بھارتی حکومت کا موقف

آل انڈیا ریڈیو سے 2 نومبر 1947ء کو تقریر کرتے ہوئے بھارت کے وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے اعلان کیا، ''ہم نے اعلان کیا ہے کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ بالآخر کشمیر عوام نے کرنا ہے یہ وعدہ جس سے مہاراجہ کشمیر نے بھی منظور کیا ہے نہ صرف کشمیری عوام سے کیا ہے بلکہ ساری دنیا سے کیا ہے ہم اس وعدے سے منکر نہ ہوں گے نہ ہو سکتے ہیں۔15 جنوری 1948ء کو بھارتی مندوب گوپالاسوامی آئینگر نے سلامتی کونسل میں اپنی تحریری تقریر میں کہا کہ ''ہم نے کشمیریوں کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ وہ کشمیر میں حالات معمول پر آنے کے بعد خود ہی اس بات کا فیصلہ کریں کہ آیا کشمیر بھارت سے اپنے الحاق کو ختم کرئے، پاکستان سے الحاق کرے یا خودمختار ہوکر اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرنے کی کوشش کرئے۔(جے کے ایل ایف کے سرپرست اعلیٰ امان اللہ خان کے بقول اس تقریر کا متن اقوام متحدہ کے افیشل رکارڈ میں موجود ہے)

نیشنل کانفرنس کا مؤقف

18 مئی 1952ء کو شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ سے کشمیر کی مکمل آزادی و خودمختاری کی قرارداد منظور کروانے کی کوشش کی۔

(زاہد چوہدری ''پاکستان کی سیاسی تاریخ''، جلد تین صفحہ نمبر 218)

ریاست جموں کشمیر میں کوئی بھی شخص شیخ عبداللہ کے پائے کا نہیں تھا۔5 دسمبر 1905ء کو پیدا

ہونے والا شیخ عبداللہ 8 ستمبر 1982ء کو زندگی کی سانسیں ہار گیا۔ چھوٹے سے گھر میں پیدا ہونے والا شیخ عبداللہ شہرت کی بلندیوں تک پہنچا ہے۔ اس نے شخصی حکمرانی کو چیلنج کیا۔ مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ بانی صدر بنا۔ پھر اسے نیشنل کانفرنس میں بدلا۔ ریاست جموں کشمیر کا پہلا اور آخری وزیراعظم بنا۔

شیخ عبداللہ کشمیر کی سیاست میں اس طرح تھا جس طرح دریا میں مگرمچھ۔ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں شیخ عبداللہ کا نقطۂ نظر وہی تھا، جو مسلم لیگ، جناح، مسلم کانفرنس اور مہاراجا ہری سنگھ کا تھا۔ 1975ء سے قبل شیخ عبداللہ نے ہمیشہ کشمیر کی خودمختاری کی بات کی۔ پاکستان کے ایک مؤرخ زاہد چوہدری نے شیخ عبداللہ کے بارے میں جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے شیخ عبداللہ کے ہر فیصلے کو ہندوستانی مفاد کے تناظر میں ظاہر کیا۔ چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، لہٰذا زاہد چوہدری جیسا بڑا نام پاکستان کی سیاسی تاریخ جلد تین کے صفحہ نمبر 210 میں اعتراف کرتا ہے کہ:

جواہر لال نہرو نے اپنے دوست شیخ عبداللہ کو 19/ اگست 1953ء کو گرفتار کر کے اس کی جگہ بخشی غلام محمد کو کشمیر کی وزارت عظمیٰ کی گدی پر بٹھا دیا۔ حکومت ہندوستان کی جانب سے اس غیر متوقع اقدام کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ہندوستان کے آئین میں ریاست جموں کشمیر کو جو خاص مقام دے رکھا تھا وہ اسے ختم کر کے ریاست کو آئینی طور پر وہی مقام دینا چاہتی تھی، جو ہندوستان کے دوسرے صوبوں کو حاصل ہے۔ با الفاظ دیگر وہ ریاست جموں کشمیر کو آئینی طور پر ہندوستان کا اٹوٹ انگ قرار دے کر اس علاقے سے متعلقہ بین الاقوامی تنازعے کو ہمیشہ کے لیے اور قطعی طور پر اپنے حق میں حل کرنا چاہتی تھی۔ شیخ عبداللہ کی حکومت ہندوستان کے اس منصوبے کے راستے میں حائل تھی۔ وہ کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تنازعے سے فائدہ اٹھا کر اپنی خصوصی حیثیت برقرار رکھنا چاہتا تھا'' زاہد چوہدری لکھتا ہے کہ نہرو نے اسے ابتدا ہی سے یقین دلایا تھا کہ ہندوستان کے زیر اثر اس کی ریاست کی حیثیت تقریباً ایک آزاد وخودمختار ملک کی ہوگی جو برصغیر کی تقسیم سے قبل مہاراجا ہری سنگھ کو حاصل تھی۔ شیخ عبداللہ اشارتاً کشمیر کی مکمل آزادی وخودمختاری کی باتیں بھی کرتا تھا۔

کشمیر کے غیر ریاستی وزیراعظم مہر چند مہاجن کے بقول شیخ عبداللہ نے مہاراجا کو تجویز پیش کی تھی کہ کشمیر کو سوئیٹرز لینڈ کی طرح ایک آزاد ریاست قرار دیا جائے۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں ہی اس کی آزادی کی ضمانت دیں۔

مہاراجا نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا تاہم مہاجن کے بقول اس نے اس تجویز کی مخالفت کی تھی۔

18/ مئی 1952ء کو شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ سے کشمیر کی مکمل آزادی وخودمختاری کے حق میں قرارداد منظور کروانے کی کوشش کی۔ (زاہد چوہدری پاکستان کی سیاسی تاریخ صفحہ نمبر 218)

جون 1952ء میں شیخ عبداللہ نے دستور ساز اسمبلی کے سیشن میں ایک قرارداد منظور کروائی کہ نیشنل کانفرنس کے پرچم کو کشمیر کا قومی پرچم تصور کیا جائے گا۔

اگست 1952ء میں شیخ عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کی مجلس عاملہ اور جنرل کونسل کے اجلاس 24 اور

26/اگست کوطلب کرنے کا اعلان کیا۔حکومت ہندوستان کو شبہ تھا کہ شیخ عبداللہ اپنی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کر کے ہندوستان کے ساتھ توثیق کرنے کی بجائے کشمیر کی مکمل آزادی کا اعلان کرے گا۔ وزیراعظم نہرو نے اس قسم کی اطلاعات کے پیش نظر پہلے تو شیخ عبداللہ کو دہلی بلانے کی کوشش کی، جس میں کامیاب نہ ہونے پر لیفٹیننٹ جنرل بی۔ایم۔کول کو 10 دن کے لیے سری نگر بھیجا تا کہ وہ حالات کا موقع پر جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے۔

جنرل کول نے شیخ عبداللہ، صدر ریاست کرن سنگھ، بخشی غلام محمد سے ملاقات کر کے یہ رائے مرتب کی کہ شیخ عبداللہ کے عزائم بہت خطرناک ہیں۔اس کے خلاف سخت اقدامات کی ضرورت ہے، جس پر ایکشن لیتے ہوئے صدر ریاست کرن سنگھ نے 9/اگست کو انہیں برطرف کر دیا۔

9/جون 1953ء کو نیشنل کانفرنس کی ایک چوٹی کی کانفرنس نے متفقہ طور پر مندرجہ ذیل فیصلے منظور کیے، اور پنڈت نہرو کو بھیج دیے گئے۔

الف۔پوری ریاست میں رائے شماری

ب۔ساری ریاست کی آزادی

ج۔ساری ریاست کی آزادی مگر خارجی امور اور دفاع بھارت اور پاکستان کے پاس ہو۔

د۔ڈکسن کی تجویز، لیکن استصواب رائے والا علاقہ آزاد ہو۔

بخشی غلام محمد نے اس بات کی پرزور حمایت کی کہ اس تجویز کو سرفہرست رکھا جائے۔اور اسے تنازعے کا باعزت اور قابل عمل حل سمجھا جائے۔لیکن مولانا مسعودی کا خیال تھا کہ تجویزوں کی یہی ترتیب صحیح ہے، اور یہی برقرار رکھی جائے......مگر ان تجاویز پر اتفاق نہ ہوسکا۔

جموں میں ''پرجا پریشد'' کی نومبر 1952ء میں ایجی ٹیشن نے شیخ محمد عبداللہ کے بے چینی میں اشتعال کی کیفیت پیدا کر دی۔چنانچہ نئی دہلی نے فی الفور کشمیری لیڈروں کو یقین دلایا کہ حکومت ہند کشمیری عوام پر کوئی فیصلہ نہیں ٹھونسے گی۔وزیراعظم نہرو نے پرجا پریشد کی ایجی ٹیشن کو مذموم قرار دیا۔مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مراسلے میں شیخ محمد عبداللہ کو بتایا:

''ہندوستان اس امر کا اعلان کرنے کے لیے تیار ہے کہ کشمیر کا خاص درجہ مستقل قرار دیا جائے گا۔ اور حکومت ہند غیر مشروط طور پر اس کی پابندی کرے گی۔''

لیکن شیخ عبداللہ کو ان یقین دہانیوں سے کوئی تسلی نہ ہوئی۔انہوں نے 16/جولائی 1953ء کو مولانا ابوالکلام آزاد کے مراسلے کا جواب یوں دیا:

''کاش اس قسم کا اعلان موزوں وقت پر کیا گیا ہوتا، تو اس نے لاریب ہمارے ہاتھ مضبوط بنائے ہوتے، اور عوام کی اکثریت نے بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی تائید کی ہوتی۔اب اس مرحلے پر آپ کے اعلان کے ذریعے وہ خدشات مٹائے نہیں جاسکیں گے، جو کشمیری عوام کے ذہنوں میں پیدا ہوگئے ہیں۔''

25/جولائی 1953ء کو حکمران نیشنل کانفرنس کی ایک ریلی سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ

نے اعلان کیا:

''گزشتہ سال کے فرقہ وارانہ واقعات سے ہمارے تعلقات کی بنیاد متزلزل ہوگئی ہے۔اس کے لیے ہم ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ہندوستان میں ہم پر ادغام کے لیے جبر کر رہے ہیں۔''

اپنی رہائی کے بعد ایک روز جامع مسجد سرینگر میں ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کہا:

''رہائی کے بعد ہندوستان کے وزیروں، لیڈروں اور یہاں کے مخالف دوستوں کے اعتراضات میں دھمکی اور تلخ نوائی کے سوا اور کوئی بات نظر نہیں آئی۔صرف یہ کہا جارہا ہے کہ ہند سے کشمیر کے الحاق بارے میں سب کچھ شیخ محمد عبداللہ نے ہی کیا تھا۔اسی نے اسمبلی بنوائی اور دہلی کا معاہدہ کیا۔9/اگست 1953ء تک میں نے جو اقدامات کیے مجھے ان سے انکار نہیں۔لیکن یہ سب باتیں رائے شماری کے تابع تھیں۔کسی بھی اقدام کا مقصد یہ نہ تھا کہ رائے شماری نہیں ہوگی۔الحاق کو عارضی تسلیم کرلیا گیا تھا اور رائے شماری کی شرط پر تمام اقدامات ہوئے تھے۔جب بھی کوئی بات ہوتی تھی، اسی شرط کو مقدم سمجھا جاتا تھا۔''

مارچ 1965ء میں شیخ عبداللہ نے چینی وزیراعظم چواین لائی سے ملاقات کی۔اس ملاقات سے چند دن قبل شیخ عبداللہ نے کہا تھا کہ:

''ان تمام برسوں کے دوران ہم نے اپنے حقوق کے لیے بے کار قربانیاں پیش نہیں کیں اور اب ہم بھارت کی طاقت کے خوف کی وجہ سے ان سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں۔''

مارچ 1965ء میں شیخ عبداللہ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ان کے پروگرام میں مشرق وسطیٰ کے تمام مسلم ممالک کے علاوہ برطانیہ اور فرانس کا دورہ بھی شامل تھا۔شیخ عبداللہ نے (سعودی بادشاہ) شاہ فیصل سے ملاقات کر کے حق خود ارادیت کی حمایت حاصل کی۔مصر کے صدر جمال عبدالناصر، الجزائر کے صدر احمد بن بیلا سے ملاقات کے دوران شیخ عبداللہ نے مسئلہ کشمیر کو کشمیری قوم کے حق خود ارادیت کے طور پر پیش کیا۔یہاں پر ان کی ملاقات چواین لائی سے ہوئی، جنہوں نے کشمیریوں کے حق خود ارادیت کی حمایت کی، چین کے وزیراعظم سے عبداللہ کی ملاقات پر بھارتی حکومت کا سخت ردعمل سامنے آیا۔لندن میں بھارتی سفارتخانے نے ان سے وضاحت طلب کی۔30/اپریل تک انہیں واپس بھارت آنے کی ہدایت کی گئی اور ساتھ دھمکی دی گئی کہ اگر وہ واپس نہ آئے تو ان کا پاسپورٹ منسوخ کر دیا جائے گا۔7/مئی 1965ء کو وہ بھارت واپس پہنچے اور ایئرپورٹ پر ہی انہیں گرفتار کرلیا گیا۔ان کا کشمیر میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔حق خود ارادیت کے حوالے سے آواز اٹھانے پر 7/مئی 1965ء سے 3/جنوری 1968ء تک شیخ عبداللہ پھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے۔1968ء کے موسم بہار میں منصوری باغ میں جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے ایک مرتبہ پھر اسی لہجے میں بات کی جو بھارت کو ناپسند تھا۔شیخ نے کہا کہ حق خود ارادیت قوموں کا بنیادی حق ہے، آزادی دی نہیں جاتی، بلکہ چھینی جاتی ہے۔نامساعد حالات میں نوجوانوں کا حوصلہ پست نہیں ہونا چاہیے دسمبر 1970ء میں بھارت نے مقبوضہ کشمیر کی اسمبلی برخاست کردی۔اسمبلی کی برخاستی کے بعد بھارتی حکومت نے

وسط مدتی انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔ انتخابات سے قبل شیخ عبداللہ کی کشمیر میں داخلے پر پابندی لگا کر 11/ دسمبر 1971ء کو انتقال کرنے والے جی ایم صادق کی جگہ وزیر اعلیٰ بننے والے سید میر قاسم کو وزیر اعلیٰ بنایا گیا۔ ان حالات میں شیخ عبداللہ مایوسی کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ رہی سہی کسر جولائی 1972ء کے شملہ معاہدے نے پوری کردی۔ جب ذوالفقار علی بھٹو نے عملی طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ بھارت کا کشمیر پر قبضہ جائز ہے۔ سیز فائر لائن کو ''لائن آف کنٹرول'' میں بدلنے کے بعد عبداللہ کے پاس بھارت سے مفاہمت کے علاوہ جدوجہد کا راستہ تھا۔ عبداللہ نے جدوجہد کے بجائے مفاہمت کا راستہ اختیار کیا۔

اندرا گاندھی نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ کو مذاکرات کی پیشکش کی۔ اندرا کی طرف سے پارتھا سارتھی اور عبداللہ کی طرف سے افضل بیگ نے مذاکرات کیے۔ 13/نومبر 1974ء کو اندرا، عبداللہ معاہدہ ہوگیا۔ اندرا عبداللہ معاہدے کے بعد پاکستان حکمرانوں نے اسے غدار قرار دے دیا۔ شیخ عبداللہ کی وفات پر ایک ہندوستانی دانشور نے کہا کہ وہ ایک ہندوستانی کی موت مرے۔ ان کی وفات پر پاکستان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

شیخ عبداللہ سیکولر نیم کشمیر خودمختار کے حامی تھے۔ انہوں نے بہت زیادہ قربانیاں دیں۔ تقسیم برصغیر کے بعد وہ 18/اگست 1953ء کو گرفتار ہوئے اور 9/فروری 1958ء کو رہائی نصیب ہوئی۔ 29/اپریل 1958ء سے 8/اپریل 1964ء تک وہ پھر گرفتار رہے۔ 7/مئی 1965ء سے 3/جنوری 1968ء تک وہ عالمی حمایت حاصل کرنے کے جرم میں پس زنداں رہے۔ ایک غلطی جس کی وجہ سے وہ ہیرو سے زیرو ہوگئے کہ انہوں نے طویل جدوجہد کے بعد ایک سمجھوتہ کرکے ساری قربانی ضائع کردی۔

مسلم کانفرنس کا کشمیر کے بارے میں مؤقف

یہ عارضی حکومت اپنی دونوں ہمسایہ مملکتوں یعنی ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ اپنی حقیقی دوستی اور خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کرتی ہے اور امید رکھتی ہے کہ دونوں مملکتیں جموں کشمیر کے عوام الناس کے ساتھ اپنی سیاسی آزادی کے پیدائشی حق کے حصول کی جدوجہد میں ہمدردانہ سلوک کریں گی۔ نیز عارضی حکومت جموں وکشمیر کے وجود کو ایک سیاسی وحدت کی حقیقت میں برقرار رکھنا چاہتی ہے۔

(سردار ابراہیم کی زیر قیادت 24/اکتوبر 1947ء کو بننے والی حکومت کا اعلامیہ)

24/اکتوبر کی اس حکومت نے پہلا اعلامیہ جاری کیا۔ اس میں الحاق پاکستان کا ذکر تک موجود نہیں۔ یقیناً یہ مسلم کانفرنس کی وہی سوچ تھی، جس کے بارے میں چوہدری غلام عباس نے جون 1939ء میں کہا تھا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کو ریاست کے مفادات میں مداخلت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

سردار ابراہیم نے اپنی کابینہ میں درج ذیل وزیر مقرر کیے:

کرنل علی احمد شاہ، وزیر دفاع سید نذیر حسین شاہ، وزیر خزانہ خواجہ غلام دین وانی، وزیر قانون و داخلہ چوہدری عبداللہ خان وزیر مال، خواجہ ثناء اللہ ترقیات ومنصوبہ بندی اور میر واعظ یوسف شاہ وزیر تعلیم۔

وزیر دفاع ہمیشہ کسی ملک کا ہوتا ہے۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے کرنل علی احمد شاہ کو وزیر دفاع مقرر

کرنا جموں وکشمیر کا ایک خودمختار ملک ہونے کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

یکم دسمبر 1947ء کو وزیر دفاع نے جموں وکشمیر کی فوج تشکیل دی۔ میجر جنرل ایم زیڈ کیانی کو فوج کا سربراہ اور بریگیڈیر حبیب الرحمن کو چیف آف آرمی سٹاف بنا کر مظفرآباد میں فوج کا جنرل ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔ یہ فوج خالصتاً کشمیریوں پر مشتمل تھی۔ سردار عبدالقیوم کے دور حکومت میں اس فوج کو پاکستانی فوج میں ضم کیا گیا۔ مسلم کانفرنس ریاستی مسلمانوں کے حقوق کے حصول کے لیے اکتوبر 1932ء میں قائم ہوئی۔ شیخ عبداللہ اس کے پہلے صدر اور چوہدری غلام عباس اس کے پہلے سیکرٹری جنرل تھے۔ 11 جون 1939ء کو یہ جماعت آل جموں کشمیر نیشنل کانفرنس میں بدل گئی۔ اس موقع پر اس جماعت کے بانی سیکرٹری جنرل چوہدری غلام عباس نے 5 شرائط پیش کیں جن میں سے تیسری شرط یہ تھی کہ نیشنل کانفرنس کو کانگرس اور مسلم لیگ کے اثر اور نظریات سے الگ رکھا جائے گا۔ 10 مئی 1947ء کو مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمیداللہ نے اپنے ایک اخباری بیان میں مہاراجا ہری سنگھ سے اپیل کی کہ وہ بلا تاخیر ریاست کی مکمل آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دے۔ غلام عباس چونکہ جیل میں تھے، 28 مئی 1947ء کو چوہدری حمیداللہ خان نے جموں میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا، ''ہم سب کے لیے بہتر یہی ہے کہ ہم مسلم لیگ اور کانگرس دونوں سے الگ تھلگ رہیں۔ ہم ہندوستان اور پاکستان دونوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم دونوں کے ساتھ سیاسی اور معاشی تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم ان دونوں میں سے کسی کو اپنے اوپر اثر انداز نہیں ہونے دیں گے۔''

24 اکتوبر کا اعلامیہ اور اس سے قبل مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر چوہدری حمیداللہ خان کا نکتہ نظر یقیناً مسلم کانفرنس کے نظریہ خودمختار کشمیر کی سوچ کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن اہم ترین دستاویز قرارداد آزاد کشمیر ہے۔ 27 جولائی 1946ء کو میر واعظ منزل سری نگر میں چوہدری غلام عباس کی زیر صدارت آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کا ایک خصوصی کنونشن منعقد ہوا، جس میں ریاست بھر سے 300 سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ اسی کنونشن میں قرارداد آزاد کشمیر منظور ہوئی۔

قرارداد آزاد کشمیر کا مکمل متن

ہرگاہ کہ ہندوستان کے نئے آئین کا ڈھانچہ مرتب کرنے کا ڈول ڈالا جا رہا ہے اور برطانوی ہند کے صوبہ جات اور ہندوستانی ریاستوں کو ایک محدود اختیار والی یونین میں منسلک کرنے کے لیے جس آئین ساز اسمبلی کو تشکیل دیا جا رہا ہے اس میں ایک کروڑ ریاستی باشندوں کو شبہ ہے کہ انہیں مطلق العنان ریاستی شہزادگان کے رحم و کرم پر چھوڑ ا گیا ہے۔ مجلس عاملہ کی رائے میں آئین ساز اسمبلی ریاستی عوام کو بھی اسی طرح اپنے نمائندے خود منتخب کرنے کا حق دیا جائے جیسا کہ برطانوی ہند کے عوام کو حاصل ہے، بالخصوص جہاں تک ریاست جموں وکشمیر کا تعلق ہے، مسلم کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ ہندوستان کی آئین ساز اسمبلی میں ریاست کشمیر کی طرف سے جو نمائندے بھیجے جائیں وہ لازمی طور پر کشمیر اسمبلی کے منتخب ممبران کی طرف سے انتخاب کردہ ہونے چاہئیں۔ اور ان کا تناسب و طریق انتخاب اسی طرح ہونا چاہیے جیسا کہ برطانوی ہند کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ مجلس عاملہ یہ بھی مطالبہ کرتی ہے کہ مستقبل قریب میں جب ریاستوں کا ہندوستانی گروپوں میں شامل ہونا مقصود ہوتا

کسی بھی گروپ (پاکستان یا ہندوستان) کا دوش بہ دوش چلنا ممکن نہیں اور مجوزہ آئین ساز اسمبلی جو ہندوستان کے مختلف اجزاء کے لیے آئین مرتب کرے گی اس کا انحصار آزاد اور جمہوری اصولوں پر ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ریاست جموں و کشمیر جو آبادی اور وسعت کے لحاظ سے صوبہ سرحد سے بڑی اور سندھ کے برابر ہے کا آئین بھی ان ہی اصولوں پر مرتب ہونا چاہیے۔ بناء بریں ضروری ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کے مطلق العنان اور غیر ذمہ دارانہ نظام حکومت کو فی الفور ختم کر دیا جائے اور عوام کو اپنی پسند کا آئین حکومت بنانے کا پورا پورا اختیار دیا جائے جو اپنے مخصوص حالات کے مطابق آزاد کشمیر کے لیے جس طرز کا آئین حکومت چاہیں مرتب کریں۔ اس کام کو سرانجام دینے کی خاطر جموں و کشمیر کے لیے ایک آئین ساز اسمبلی کا قیام ازبس ضروری ہے۔ مجلس عاملہ مہاراجا کشمیر سے مطالبہ کرتی ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لیے موجودہ وقت فرسودہ اسمبلی کو توڑ کر اس کی جگہ فی الفور مطلوبہ اسمبلی کا قیام عمل میں لایا جائے، جو وسیع حق رائے کے ساتھ تمام تر رائے دہندگان پر مشتمل ہو اور جس میں ہر قوم اور فرقہ کو تناسب آبادی کے لحاظ سے جداگانہ حق نیابت کے ذریعے حق نمائندگی حاصل ہو اور اسی اسمبلی کو ریاست جموں و کشمیر کے لیے اپنی مرضی کا آئین حکومت بنانے کا اختیار سونپا جائے۔ مجلس عاملہ کو توقع ہے کہ مہاراجا کشمیر کے بدلے ہوئے حالات، سارے ہندوستان کے مفاد اور اہل ریاست کشمیر کی بہتری کے پیش نظر عوام کو اپنی تقدیر کا خود فیصلہ کرنے کے جائز حق کو تسلیم کرلیں گے۔ مجلس عاملہ واضح طور پر اعلان کرتی ہے کہ اگر مندرجہ بالا مطالبات کے برعکس حکومت کشمیر نے کوئی اور راہ اختیار کی تو مسلم کانفرنس اس کو قبول نہیں کرے گی بلکہ ریاست کے مسلم عوام مسلم کانفرنس کی قیادت میں پوری طاقت کے ساتھ آزاد کشمیر کے لیے جدوجہد کریں گے۔

باب سوم

تنازعہ کشمیر اقوام متحدہ میں

ریاست جموں کشمیر کے مہاراجا ہری سنگھ کے خلاف ایک ایسے وقت میں شخصی حکمرانی کیخلاف تحریک مزاحمت کو مسلم کانفرنس نے بغاوت میں بدل دیا جب ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا اور پاکستان میں مسلم لیگ کے کچھ سیاستدان اور بھارت کی ٹاپ لیڈر شپ بشمول گاندھی، نہرو کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ ملانا چاہتے تھے۔ ان حالات میں 22/ اکتوبر کو مظفر آباد میں قبائلی حملہ ہوا۔ 5 دن بعد بھارت کی فوج سرینگر میں اتری، ریاست کی خودمختاری کے خواہش مند مہاراجا ہری سنگھ کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ مسلم کانفرنسی لیڈر شپ نے مہاراجا کو موقع فراہم کر دیا اور وہ اپنے ہم مذہب ملک بھارت سے مدد کا طلبگار رہا۔ بھارت نے طے شدہ منصوبے کے تحت ریاست جموں وکشمیر میں اپنی فوجیں اتار کر کچھ حصے پر قبضہ کر لیا۔ یوں 27 اکتوبر کے 65 دن بعد یکم جنوری 1948ء کو ہندوستان نے سلامتی کونسل میں درخواست دے دی۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بھارت کی درخواست کا متن:

1۔ اقوام متحدہ کے چارٹر میں شامل دفعہ 35 کے تحت اس ادارے کے کسی بھی ممبر کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ایسا کوئی بھی معاملہ ادارے کے روبرو پیش کرے، جس کی وجہ سے دو ممبران کے درمیان نزاع کی حالت پیدا ہو گئی ہو اور امن عامہ کو برقرار رکھنا مشکل ہو رہا ہو اور کچھ اسی طرح کی صورت حال اس وقت بھارت اور پاکستان کے درمیان پیدا ہو رہی ہے، کیونکہ پاکستان کے شمال مغربی علاقہ جات سے تعلق رکھنے والے قبائل کی ایک بڑی تعداد پاکستان کی امداد اور حمایت کے بل بوتے پر، ریاست جموں وکشمیر میں داخل ہو چکی ہے اور ریاست، جس کا الحاق بھارت کے ساتھ ہو چکا ہے، کو ہڑپ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ معاہدۂ الحاق کی رو سے بھارت اس بات پر مجبور ہے کہ وہ ان حملہ آوروں کے خلاف فوجی کارروائی کرے، اس وقت ان حملہ آوروں، ان کو ملنے والی پاکستانی امداد اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اس یادداشت میں تفصیل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ بھارت اس عالمی ادارے سے اپیل کرتا ہے کہ وہ پاکستان کو اس کی تشویش کے بارے میں آگاہ کرے تا کہ ان ساری سرگرمیوں کا خاتمہ ہو سکے، جنہیں بھارت اپنے خلاف ایک حملہ تصور کرتا ہے اور اگر پاکستان اس میں ناکام رہتا ہے تو بھارت اس بات کے لیے مجبور ہو جائے گا کہ وہ پاکستانی قبضہ والے علاقہ جات میں داخل ہو کر ان عناصر کے خلاف فوجی کارروائی کر کے ان سرگرمیوں کا خاتمہ کرے۔ اس لیے یہ مسئلہ انتہائی نازک، حساس اور فوری اہمیت کا حامل ہے اور اقوام متحدہ سے گزارش ہے کہ اس طرف فوری توجہ دی جائے تا کہ ایک عالمی معاہدے کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے......''

بھارت کی جانب سے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں پیش کیے گئے اس شکایت نامہ میں ان تمام باتوں کی تفصیل درج ہے، جو اس حملے کی وجہ سے درپیش تھیں اور بھارت اور پاکستان تقسیم کے فوراً بعد پہلی جنگ

بھی لڑ چکے تھے اور حالات اس قدر خراب ہو چکے تھے کہ دونوں مما لک کے درمیان مزید کشیدگی کو روکنے اور اس کی اصل وجہ 'مسئلہ کشمیر' کو حل کرنے کے لیے اس بین الاقوامی ادارے کی مداخلت کا سہارا لینا پڑا، جیسا کہ بھارتی نمائندے نے اپنی حکومت کے حکم کے مطابق یواین او کی سلامتی کونسل میں اپنے شکایت نامے میں کہا تھا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 35 کے تحت اگر دو ممبر مما لک کی درمیان کسی مسئلہ پر اس قدر حالت نزاع پیدا ہو جائے کہ معاملہ کشیدگی اور امن عامہ کے خطرے تک پہنچ جائے تو ایک ممبر ملک کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ادارے سے مداخلت کی اپیل کرے اور بین الاقوامی برادری کو اس بارے میں مطلع کرے، اس لیے بھارت نے اس مسئلہ کو اس عالمی فورم میں پیش کر کے مداخلت طلب کی......

شکایت نامے کی دوسری شق میں کہا گیا ہے:

2۔ حکومت ہند کو ستمبر 1947ء کے وسط سے یہ اطلاعات ملنا شروع ہو گئی تھیں کہ ریاست جموں و کشمیر کے صوبہ جموں کے مغربی حصوں میں پاکستانی مسلح حملہ آوروں کی دراندازی شروع ہو گئی ہے، جموں کی سرحدیں مغربی پنجاب کے ساتھ ملتی ہیں، جو کہ پاکستان کا حصہ ہے، ان حملہ آوروں نے اپنی سرگرمیوں کے دوران کافی مالی اور جانی نقصان کیا ہے اور ایک بڑے حصے پر اپنا ناجائز قبضہ بھی جما لیا ہے، 24 اکتوبر کو بھارت کو پاکستان کے صوبۂ سرحد کی جانب سے وادیٔ کشمیر میں ایک بڑے حملے کی اطلاع ملی، جس میں تقریباً دو ہزار کے قریب پوری طرح مسلح حملہ آوروں نے حصہ لے کر ریاست میں دراندازی کی، انہوں نے مظفرآباد قصبے میں بہت سے لوگوں کو ہلاک کر کے اس علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد جہلم ویلی شاہراہ سے ہوتے ہوئے پیش قدمی کی اور وادیٔ کشمیر میں داخل ہو گئے، جو کہ ریاست کی موسم گرما کی راجدھانی بھی ہے۔ اس دوران حملہ آوروں نے راستے میں پڑنے والے قصبہ جات اور دیہات میں تباہی مچائی، دیہات اور قصبوں میں آتشزنی کی، قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور ان کو اپنے قبضے میں لے لیا، سرینگر سے تقریباً پچاس میل (آج کل ایک سو کلومیٹر) دور قصبۂ اوڑی کو بھی کچھ دیر تک اپنے قبضے میں رکھا، اس دوران حملہ آوروں نے مہورہ کے پاور ہاؤس کو بھی جلا ڈالا، جو کہ وادیٔ کشمیر کو برقی رو فراہم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔

3۔ 26/ اکتوبر 1947ء کو یہ صورت حال تھی کہ ان حملہ آوروں کو ریاست کی فورسز اور عوام نے بارہ مولہ قصبہ میں کافی دیر تک پیش قدمی کرنے سے روکے رکھا تھا لیکن بارہ مولہ سے سرینگر تک حملہ آوروں کے راستے میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں تھی، اس لیے اس بات کا شدید خطرہ لاحق تھا کہ یہ حملہ آور فوری طور پر سرینگر شہر پہنچ سکتے ہیں اور وہاں (ہندو اور مسلمانوں کا قتلِ عام کر کے) بڑے پیمانے پر تباہی مچا سکتے ہیں، ریاست کی محدود سی افواج مختلف علاقوں میں منتشر حالت میں تھیں اور زیادہ تر کو جموں کی مغربی سرحد پر تعینات کیا گیا تھا، یہ دستے چونکہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے، اس لیے ان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ حملہ آوروں کے خلاف کوئی دفاعی یا جارحانہ کارروائی شروع کر سکیں، ڈر اور خوف کی وجہ سے زیادہ تر سرکاری عہدہ دار وہاں سے فرار ہو چکے تھے اور سول انتظامیہ تقریباً مفلوج ہو کر رہ گئی تھی۔ اس دوران اگر کوئی رکاوٹ حملہ آوروں اور سرینگر کے درمیان باقی تھی تو وہ صرف اور صرف وہاں کے (غیر مسلح) عوام کے تمام طبقوں کا حوصلہ اور جوانمردی تھی،

جنہوں نے انہیں روکے رکھا۔ یہ ایک ایسا موقع تھا جب سرینگر میں ہندو اور سکھ طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی موجود تھی، جو تقسیم ہند کے بعد پاکستانی علاقوں سے (ڈر کی وجہ سے) ہجرت کر کے وہاں پناہ لے چکے تھے، اس لیے اس بات کا قوی امکان تھا کہ اگر حملہ آور سرینگر پہنچ گئے تو سب سے پہلے انہی رفیوجیز کا قتلِ عام کریں گے۔

4۔ ریاست جموں وکشمیر میں حملے کے فوراً بعد بھارت کی طرف سے ریاست کے الحاق کی پیشکش اور اس کے بدلے ان حملہ آوروں کے خلاف فوجی کمک کی مانگ پر جلدی غور کرنا پڑا (یہ بات الگ طریقے سے تفصیلاً واضح کی جائے گی کہ یہ ریاست بھی 15 راگست 1947ء تک تاج برطانیہ کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے جڑی ہوئی تھی اور اس نے اس کے خارجہ معاملات کے ساتھ ساتھ اس کے دفاع کا بھی ذمہ لے رکھا تھا اور اس کا حکمران ایک خودمختار فرمانروا تھا اور تاج برطانیہ سے آزادی کے بعد بھارت کی دیگر ریاستوں کی طرح اس ریاست کو بھی یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے اور بھارت یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کرے)۔

5۔ حالات وواقعات تیزی سے ابتر ہوتے چلے گئے اور قتل وغارت گری کی وجہ سے پوری وادئ کشمیر ایک قبرستان میں بدلنے لگی، جس کی وجہ سے ریاست کے مہاراجا شری مہاراج ہری سنگھ جی نے 26 راکتوبر کو بھارتی حکومت سے انتہائی عجلت میں فوجی امداد کی اپیل کی، انہوں نے یہ بھی اپیل کی کہ ریاست جموں وکشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق تسلیم کیا جائے، مہاراجا ریاست کے ساتھ ساتھ اسی قسم کی ایک اور درخواست بھارت کو ریاست کی مقبول ترین جماعت نیشنل کانفرنس، جس کی سربراہی شیخ محمد عبداللہ کر رہے ہیں، کی جانب سے بھی انہی حالات میں موصول ہوئی۔ اس طرح سے نہ صرف حکومت ریاست (مہاراجا) بلکہ عوامی سطح پر بھی (نیشنل کانفرنس) کی طرف سے حکومت ہند کو ریاست میں اپنی افواج بھیجنے اور ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کرنے کی درخواست موصول ہوئی اور ریاست میں حملہ آوروں کی وجہ سے جو ڈر اور خوف کا ماحول قائم ہو گیا تھا، اس کا تقاضا تھا کہ بھارت اس حوالہ سے کوئی مزید تاخیر نہ کرے، اس لیے دونوں درخواستوں پر انتہائی جلدی میں فیصلہ لینا پڑا۔ اس لیے یہ اب بھارت کی ترجیحات میں شامل تھا کہ اس ریاست کا دفاع کیا جائے، لیکن ساتھ ہی ساتھ بھارت ریاست کی اس غیر یقینی صورتحال کا ناجائز فائدہ بھی نہیں اٹھانا چاہتا تھا، اس لیے یہ بات واضح کی گئی کہ ایک مرتبہ جب ریاست میں معمول کی صورت حال بحال ہو جائے گی تو وہاں کے لوگوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا (رائے شماری کے ذریعے) موقع دیا جائے گا، اور اس دوران وہاں کے عوام اس بات کے مجاز ومختار ہوں گے کہ وہ بین الاقوامی برادری کے زیر نگرانی آزادانہ طریقے سے اپنے مستقبل کا رائے شماری یا ریفرنڈم کے ذریعے فیصلہ کریں۔

7۔ حکومت ہند نے ریاست کی درخواست پر اس کے دفاع کی ذمہ داری مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر اپنے سر لی ہے:

(ا) بھارت اپنے قریبی پڑوسی (جموں وکشمیر) میں غیر ملکی دباؤ اور دھونس کے بل پر اس ریاست میں

حالات کو بدلنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

(۲) ریاست کے بھارت کے ساتھ قانونی طور پر ہوئے الحاق نے بھی بھارت کو اس بات کا پابند کر دیا تھا کہ وہ اس ریاست کے عوام اور حکومت کی ان مشکل حالات میں مدد کرے۔

8۔ حکومت ہند کی مداخلت سے فوری طور پر شہر سرینگر کو حملہ آوروں کے ہاتھوں میں جانے اور یہاں قتل و غارت کا بازار گرم ہونے سے بچ گیا، حملہ آوروں کو واپس بارہمولہ کے راستے اوڑی سے پیچھے دھکیل دیا گیا اور انہیں وہاں بھارتی فورسز نے روکے رکھا ہے، اس وقت بھی اس علاقے میں تقریباً 19000 مسلح اور آمادہ بر جنگ گوریلے موجود ہیں، جو بھارتی افواج کی مزاحمت کا سامنا کر رہے ہیں، جب سے ریاست پر حملوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے، پاکستانی پنجاب کی جانب سے بھی بھارت کو کافی دباؤ کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اگرچہ اس وقت صحیح اعداد و شمار فراہم کرنا ممکن نہیں ہے تاہم اندازے سے کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت علاقے میں مزید 15000 کے قریب مزاحمت کار سرگرم اور موجود ہیں، ریاستی فوج کے دستے کئی مقامات پر محصور ہو کر رہ گئے ہیں، حملہ آوروں نے ان علاقوں میں خواتین کے ساتھ دست درازیوں، عام لوگوں کا قتلِ عام، جائیدادوں اور تعمیرات کو جلانے کا سلسلہ، اغوا کاری، لوٹ مار اور دہشت کا ماحول قائم کر رکھا ہے۔ اس علاقے سے مالِ غنیمت اکٹھا کر کے صوبۂ سرحد پہنچایا جا رہا ہے تاکہ ریاست میں اپنے قبضے کو مزید تقویت دینے کے لیے ہتھیار خریدے جائیں اور مزید نفری فراہم کی جا سکے۔ یہ بھی اطلاعات ملی ہیں کہ حملوں میں حصہ لینے والوں کے علاوہ مغربی پاکستان میں مزید ایک لاکھ رضا کاروں (قبائلیوں) کو جمع کر کے ان کو پاکستانی فوجیوں کی طرف سے جنگی تربیت دی جا رہی ہے تا کہ انہیں بھی آنے والے دنوں میں اس جنگ میں دھکیلا جا سکے۔ انہیں پاکستانی علاقے میں تیار کیا جا رہا ہے، ان کی تربیت کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے اخراجات بھی پاکستانی حکومت (خاص طور پر فوج کی طرف سے) برداشت کیے جا رہے ہیں، انہیں ہتھیار اور رسل و رسائل کی سہولیات فراہم کر کے ریاست جموں وکشمیر کی سرحدوں تک پہنچایا جا رہا ہے اور اس جنگ میں شامل کیا جا رہا ہے اور اس سارے عمل میں پاکستانی افواج اور سول انتظامیہ کے افسران اور عہدیداران حصہ لے رہے ہیں......

9۔ جیسا کہ پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ حملہ آور، جو کہ وادی میں ماہِ اکتوبر میں داخل ہوئے تھے، میں سے زیادہ تر قبائلی علاقوں سے آئے اور کشمیر کی سرحد کے نزدیک پاکستان کے شمال مشرقی صوبہ میں جمع ہوئے، انہوں نے پاکستانی علاقہ پار کیا اور اپنے حملے کا آغاز جنوب مغربی سرحد سے کیا، جو کہ پاکستان میں پڑتی ہے، اتنا ہی نہیں، پاکستانیوں نے بھی ان حملوں میں حصہ لیا، ان حملہ آوروں کو دی جانے والی پاکستانی حمایت اور اعانت ابھی تک جاری ہے جبکہ حال ہی میں ریاست کی مغربی اور جنوب مغربی سرحدوں کے راستے ان لوگوں نے اپنے حملوں میں مزید تیزی لائی ہے اور ان حملوں میں بھی یہی قبائل اور پاکستانی شہری حصہ لے رہے ہیں۔ یہ حملہ آور جدید ہتھیاروں سے لیس ہیں، ان کے پاس مارٹر گن اور درمیانے درجے کی مشین گن جیسے ہتھیار بھی ہیں، یہ لوگ باضابطہ فوجیوں کی طرح جنگی لباس پہنتے ہیں، حالیہ ایام میں ان کی طرف سے کیے گئے حملے باضابطہ، تربیت یافتہ، ماہر اور پیشہ ور فوجیوں کی عکاسی کرتے ہیں اور ان حملوں میں جدید فوجی حکمت عملی کا بھی استعمال کیا گیا ہے، ان

کے پاس انتہائی جدید وائرلیس سیٹ ہیں اور انہوں نے mark V نام کی زیر زمین بارودی سرنگوں کا بھی استعمال کیا ہے، اپنی آمد و رفت کے لیے وہ لوگ موٹر گاڑیوں کا استعمال کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انہیں پاک افواج کی جانب سے تربیت دی جاتی ہے، ان کی غذائی اور دیگر ضروریات بھی پاکستان ہی پوری کر رہا ہے۔

10۔ ان حقائق سے مندرجہ ذیل باتوں سے پردہ اٹھ جاتا ہے کہ:

(ا) پاکستان ان حملہ آوروں کو اپنی سرزمین میں کشمیر کے خلاف سرگرمیاں جاری رکھنے کی اجازت دے رہا ہے۔

(ب) پاکستان انہیں اپنی سرزمین کو بھارتی علاقے کے خلاف ''بیس کیمپ'' کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دے رہا ہے۔

(ج) پاکستانی شہری بھی ان کا نہ صرف ساتھ دے رہے ہیں، بلکہ وہ ان حملوں میں بھی حصہ لے رہے ہیں۔

(د) وہ اپنے مصارف، بشمول موٹر گاڑیاں، پٹرول، راشن اور دیگر ضروریات پاکستان سے حاصل کرتے ہیں اور......

(ہ) پاکستانی فوجی افسران انہیں تربیت دیتے ہیں، ان کو ہتھیار فراہم کرتے ہیں اور عملی طور پر ان کی ہر قسم کی مدد بھی کرتے ہیں۔

11۔ بھارت رواں مذاکرے میں یہ بات واضح کرنا چاہتا ہے کہ حالات و واقعات اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ پاکستان ان تخریب کاروں کی وہ امداد و اعانت بند کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا، جو انہیں پاکستانی حکومت کے علاوہ فوج اور سول حکام نیز پاکستانی شہریوں کی جانب سے مل رہی ہے، یہ برتاؤ نہ صرف غیر فطری ہے بلکہ بھارت کے خلاف ایک کھلی جنگی جارحیت کے مترادف بھی ہے، جس کا کہ ریاست جموں و کشمیر اب ایک باضابطہ حصہ ہے۔

12۔ بھارتی حکومت نے اس حوالے سے انتھک کوششیں کی تھیں کہ دونوں ممالک کے درمیانی اس حوالے سے کوئی راستۂ صلح جوئی نکل سکے لیکن ہر موڑ پر کی گئی ہر کوشش بے کار ثابت ہوئی، اس کی وجہ سے بھارت کے سامنے ایک انتہائی پیچیدہ صورتحال پیدا ہو گئی ہے اور ہمارے لیے ان حملہ آوروں کو اپنے ہی علاقے سے باہر نکالنا اور یہاں امن بحال کرنا کافی دشوار ہوتا جا رہا ہے، پاکستان کی جانب سے ان جنگجوؤں کی مدد کر کے ہمارے ملک کے ایک حصے کی سلامتی کے ساتھ کھلواڑ کیا جا رہا ہے، حملہ آور ابھی تک ریاست جموں و کشمیر کی سرزمین پر موجود ہیں اور ریاست کے عوام کو ایک انتہائی سخت اور ظالمانہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ بھارت کی سرحدوں کے ساتھ لگنے والے پاکستانی علاقوں میں ان بے لگام جنگ بازوں کی موجودگی پورے بھارت کے لیے ایک مستقل خطرہ بنی ہوئی ہے، موجودہ کارروائیوں کے لامحدود تسلسل کی وجہ سے ریاستی عوام کے غم و غصے میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے، جو کہ ایک قدرتی عمل ہے، نہ صرف یہ بلکہ یہ سلسلہ بھارتی معیشت پر بھی ایک بہت

بڑا بوجھ ثابت ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کے درمیان امن کا قیام بھی محال ہوتا جا رہا ہے، ان حالات میں بھارت کے سامنے اس کے علاوہ کوئی بھی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنے اس علاقے کے تحفظ کے لیے مزید فوجی کارروائیاں جاری رکھے تاکہ ان حملہ آوروں کو باہر نکلنے پر مجبور کیا جا سکے۔

13۔ پاکستانی علاقے میں ہونے والی ان مسلسل کارروائیوں کا خاتمہ کرنے کے لیے بھارت کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ وہ اپنے فوجی دستوں کو پاکستانی علاقے میں بھیج کر وہاں موجود تخریب کاروں کا خاتمہ کرے اور ان کے ڈھانچے کو مسمار کر دے۔ صرف یہی ایک راستہ ہے جس کی مدد سے ان حملہ آوروں کو اپنے ذرائع، پاکستانی امداد اور حمایت سے محروم کیا جا سکتا ہے اور ان کا تعاقب کر کے اس علاقے کو پاک کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی واضح رہے کہ بین الاقوامی قانون کے تحت یہ بھارت کا حق بنتا ہے کہ وہ اپنے مسلح دستوں کو بھیج کر ان حملہ آوروں کا خاتمہ کرے، جو پاکستانی امداد سے بھارت کے خلاف اپنی کھلی جارحیت جاری رکھے ہوئے ہیں، لیکن بھارت سمجھتا ہے کہ اس طرح کی کوششوں سے پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک باضابطہ جنگ چھڑ جائے گی، جس سے اس پورے خطے کا امن وسلامتی درہم برہم ہو سکتی ہے، لیکن بھارت چاہتا ہے کہ یہ سارا معاملہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور ضابطہ اخلاق کے مطابق حل ہو، اس لیے ہماری خواہش ہے کہ ہم اقوام متحدہ کے چارٹر کی دفعہ 35 کے تحت اس عالمی ادارے کو اپنی تشویش سے آگاہ کریں علاوہ ازیں ہم خود کو اس بات کے لیے بھی حق بجانب سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو بتا دیا جائے کہ:

(۱) وہ اپنے شہریوں، حکومتی اداروں اور افواج کو اس سارے معاملے سے دور رکھے۔

(۲) وہ اپنے ان شہریوں کو بھی واپس بلائے جو اس کام میں کسی طرح کی حمایت یا عملی اعانت کرتے ہیں۔

(۳) وہ ان حملہ آوروں کو مندرجہ ذیل چیزیں بند کرے:

(ا) اپنی وہ سرزمین، جسے کہ وہ کشمیر کے خلاف میدان جنگ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

(ب) فوجی اور دیگر مختلف اقسام کی کمک وغیرہ۔

(ج) امداد وحمایت کی ایسی تمام اقسام، جن کی وجہ سے حملہ آوروں کے لیے اس جارحیت کو زیادہ دیر تک قائم اور جاری رکھنے میں مدد ملے۔

14۔ حکومت ہند چاہے گی کہ اس کی شکایت کا فوری نوٹس لیا جائے اور پاکستان کے خلاف ایسے اقدامات بھی فوری طور پر اٹھائے جائیں جو حالات کو مزید بگڑنے سے بچانے میں معاون ثابت ہو سکیں، بھارت یہ بھی باور کرانا چاہتا ہے کہ جس قوت اور رفتار سے حالیہ ایام میں ان حملہ آوروں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھی ہوئی ہیں، ان کے پیش نظر بھارت کو اپنے دفاع میں اقدامات کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر صورت حال یہی رہی تو بھارت اس حق کا استعمال کرنے میں بھی آزاد ہوگا۔ ساتھ ہی ایک ایسی فوجی کارروائی کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جس کا حالات تقاضا کرتے ہوں۔

15۔ حکومت ہند کو اس بات پر سخت افسوس ہے کہ اس ساری صورتحال کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان رشتوں میں سخت کڑواہٹ اور تناؤ پیدا ہوا، پاکستان نہ صرف بھارت کا ایک ہمسایہ ہے بلکہ ابھی حال ہی میں تقسیم کے نتیجہ میں بھارت سے ہی الگ ہونے والا ایک ایسا ملک ہے، جس کے ساتھ ہماری متعدد اقدار مشترک ہیں، بھارت صرف یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے اس قریب ترین ہمسایہ کے ساتھ صرف اور صرف امن وامان اور دوستانہ شرائط پر ہی زندہ رہے، امن میں ہی دونوں مما لک کا فائدہ مضمر ہے اور ساری دنیا کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ اس خطے میں امن وامان کا دور دورہ رہے، حکومت ہند اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل سے صرف یہی امید رکھتی ہے کہ کونسل کی فوری اور مؤثر مداخلت سے امن قائم ہو جائے۔

16۔ مندرجہ بالا عبارت کو بذریعہ تار حکومت پاکستان تک بھی پہنچایا جار ہا ہے۔

اس درخواست کی روشنی میں بھارت نے مطالبہ کیا:

حکومت پاکستان کو ہدایت کی جائے کہ:

(الف) وہ اپنے فوجی اور سول عملے کو ریاست جموں وکشمیر پر حملے میں حصہ لینے یا مدد کرنے سے باز رکھے۔

(ب) اپنے شہریوں کو ریاست کی لڑائی میں حصہ لینے سے روکے۔

(ج) حملہ آوروں کی کسی قسم کی مدد واعانت نہ کرے۔

ہندوستان کی اس درخواست پر 15/جنوری 1948ء سے سلامتی کونسل میں بحث کا آغاز ہوا۔ ہندوستان کے نمائندے کا مؤقف تھا کہ کہ ریاست جموں وکشمیر کے مہاراجا ہری سنگھ نے ہندوستان سے الحاق اپنی مرضی سے کیا ہے۔ پاکستان نے قبائلی بھیج کر جو قتل و غارت کی ہے وہ بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ اس موقع پر شیخ عبداللہ کی تقریر، سرینگر حکومت اور تنازعۂ کشمیر پر بھارتی مؤقف کو سمجھنے میں آسانی فراہم کرتی ہے۔

شیخ عبداللہ کی سیکیورٹی کونسل میں تقریر:

''میں نے اس اجلاس کے دوران پاکستانی ڈیلی گیشن کے ممبران، بھارتی ممبران اور اپنے ہمراہ آئے ڈیلی گیشن کے ممبران کے بیانات کو انتہائی غور اور نہایت صبر کے ساتھ سنا اور ان پر غور بھی کیا، میں نے کونسل کے اس ایوان میں ہور ہے سارے مباحثے کو بھی غور سے سنا......اور یہ سب سننے اور اس پر سوچنے کے بعد مجھے کچھ تذبذب بھی ہوا، کیونکہ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ آخر جھگڑا کس بات پر اور اختلاف کس نکتے پر ہے اور کیوں ہے؟ اور جیسا کہ پاکستانی مندوب نے ساری بات اس نکتے پر ختم کی ہے کہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ریاست کے مہاراجا کا وجود خطرے میں پڑ رہا ہے، میں اس بات کو نہیں مانتا کیونکہ یہ ہمارا بنیادی نکتہ ہے ہی نہیں۔ سکیورٹی کونسل کے رو برو اس وقت ریاست کی انتظامیہ میں پائی جانے والی خرابیاں نہیں ہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ریاست نے قانونی اور آئینی طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کیا ہے، ریاست کی دوسری طرف سے قبائلی حملہ آور میری مملکت میں داخل ہو گئے ہیں، پاکستانی حکومت نے ان کی پہلے بھی مدد کی ہے اور اب بھی کر رہا ہے، جس کی وجہ سے بھارت اور پاکستان کے درمیان ٹکراؤ کے سامان پیدا ہو رہے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ

پاکستانی نمائندے کی طرف سے بیان کیا گیا ہے کہ ان کا ملک نہ تو ریاست میں قبائلیوں کی اعانت کر رہا ہے اور نہ ہی ان کی افواج وہاں سرگرم عمل ہیں۔ اس طرح سے اس وقت جو پاکستان کشمیر کی آزادی کا چیمپیئن بنا بیٹھا ہے، اسی کے موجودہ گورنر جنرل (محمد علی جناح) نے میری ''کشمیر چھوڑ و تحریک 1946ء'' کے وقت میرا مذاق اڑاتے ہوئے کہا تھا کہ یہ محض چند سر پھرے لوگوں کی تحریک ہے اور اس کا ریاست کے مسلمانوں کے ساتھ کچھ بھی لینا دینا نہیں ہے۔ مسلم کانفرنس نے میری تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی وفاداریاں مہاراجا کو تفویض کر دیں (یعنی الیکشن میں حصہ لیا) اور آج یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ شیخ محمد عبداللہ نے بھارت کے ساتھ ہاتھ ملا لیے ہیں، الحاق کر لیا ہے، لیکن کوئی یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ میرے اس اقدام کا ریاست کے عوام نے کس طرح سے خیر مقدم کیا ہے اور وہ اس سے کس قدر خوش ہیں، ایسا کس لیے ہوا، شاید صرف اس لیے کہ ہم نے اس بات کو کبھی بھی تسلیم نہیں کیا کہ ریاست کے ہندو اور مسلمان دو الگ الگ اقوام ہیں۔ ہم دو قومی نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کرتے، نہ ہم فرقہ وارانہ منافرت میں یقین رکھتے ہیں اور نہ ہی فرقہ پرستی وغیرہ ہمارا عقیدہ ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ (دنیاوی) سیاست میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے، جب ہم نے ''کشمیر چھوڑ و تحریک'' کا آغاز کیا تو اس میں صرف مسلمانوں نے ہی حصہ نہیں لیا بلکہ ہمارے کارکنان میں ہندو اور سکھ کامریڈ بھی شامل تھے، جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ قربانیاں دیں اور مصائب برداشت کیے، عوام کے سیلاب اور بگڑتی ہوئی صورتحال سے خوفزدہ ہو کر مہاراجا نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو رہا کیا...... اور ہماری رہائی کے وقت ایسے حالات بن چکے تھے کہ ہمیں سوچنا پڑا کہ آیا کشمیر کو بھارت کے ساتھ الحاق کرنا چاہیے، پاکستان کے ساتھ خود کو جوڑنا چاہیے یا پھر ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے الگ رہنا چاہیے، لیکن حالات ایسے تھے کہ ہم اس نازک اور اہم فیصلے کے بارے میں سوچ ہی نہیں سکتے تھے، کیونکہ ہم پہلے (مہاراجا کی غلامی سے) آزاد ہونا چاہتے تھے، اس لیے ہم نے یہ نعرہ دیا ''الحاق سے قبل آزادی'' میں نے سرینگر میں کچھ پاکستانی دوستوں کو بھی یہ بات اچھی طرح سمجھائی تھی، اتنا ہی نہیں، میں نے اپنے کچھ خاص ساتھیوں کو پاکستان بھیج کر وہاں کے وزیراعظم لیاقت علی خان اور مغربی پنجاب کے کچھ بڑے عہدیداروں سے بھی گزارش کی تھی کہ وہ ہمیں اس اہم مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کے لیے کچھ مہلت دیں، میں نے اپنی گزارش میں پاکستان سے کہا تھا کہ وہ پہلے ہمیں ایک غلامی سے نکلنے میں مدد کرے اور اپنے مستقبل کے حوالے سے کوئی فیصلہ لینے کا موقع دے، نہ کہ وہ ہم پر اپنی یکطرفہ رائے ٹھونسے اور ہمیں جلد بازی میں کوئی غلط فیصلہ لینے پر مجبور کرے اور ایک ایسے موقع پر جب کہ مذاکرات کا یہ سلسلہ جاری تھا، ایک صبح مجھے خبر ملی کہ پاکستان نے کشمیر صوبے کے مظفر آباد قصبے پر باضابطہ حملہ کر دیا ہے، یہ حملہ آور ہماری سرزمین میں داخل ہو گئے اور وہاں بلا لحاظ مذہب و ملت قتل عام شروع کر دیا اور ہمارے علاقہ جات پر قبضہ کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری جائیدادوں کو بھی نقصان پہنچایا...... اس ساری صورتحال کے تناظر میں ہمیں یہی لگا کہ پاکستان نہ تو ڈوگروں کے خلاف ہماری مدد کرے گا اور نہ ہی ہمیں سوچنے کا موقع دے گا، بلکہ اس کا ارادہ تو کچھ اور ہی ہے، مدد کرنا تو درکنار تھا، الٹا ہمیں مظفر آباد، سرینگر اور دیگر قصبہ جات میں اپنے رشتہ داروں کی سلامتی کی فکر دامن گیر کر دی گئی، اور اس تناظر میں ہمیں اپنا مال و جان اور وطن بچانے کے لیے کسی دوسرے (ہندوستان) سے مدد لینا

پڑی۔

پاکستانی قبائل کے حملے کے باعث ریاست میں جو حالات پیدا ہو گئے تھے، ان کی وجہ سے ریاست کے مہاراجا اور عبوری حکومت، دونوں نے بھارت سے درخواست کی کہ وہ ریاست کو بچانے کے لیے اپنی فوجی امداد روانہ کرے اور اس کے عوض ریاست کا بھارت کے ساتھ الحاق قبول کرے، یہ ایسے حالات تھے کہ جب بھارت موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آسانی سے کہہ سکتا تھا: ''ٹھیک ہے، ہمیں یہ الحاق قبول ہے اور ہم آپ کو فوجی کمک دینے کے لیے بھی تیار ہیں۔'' بھارتی وزیراعظم کو یہ بات کہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی ''بھارت اس وقت کشمیر کی اتھل پتھل اور غیر یقینیت کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا، اس لیے ہم اس الحاق کو اس وقت تو قبول کرتے ہیں لیکن ایک بار جب ریاست سے سارے حملہ آور، لٹیرے اور قاتل وغیرہ باہر نکل جائیں گے، اس وقت ایک پر امن ماحول میں ریاستی عوام کو اس الحاق کی توسیع کا موقع دیا جائے گا اور اگر وہ چاہیں تو بھارت کے ساتھ رہیں یا پھر اپنی منشاء کے مطابق اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں۔'' حالانکہ کشمیریوں نے یہ نہیں کہا تھا بلکہ یہ پیشکش خود بھارتی وزیراعظم نے اپنی طرف سے کی تھی۔ یہی وہ پیشکش تھی جو کشمیریوں کی طرف سے پاکستان کی حکومت سے کی گئی تھی کہ ہمیں ایک غلامی سے باہر نکل جانے دیجئے تا کہ ہم سکون سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہمیں اپنے مستقبل کا کیا فیصلہ کرنا ہے، لیکن پاکستان کا یہ گمان تھا کہ وہ صرف ایک ہفتے میں کشمیر پر قبضہ کر لے گا اس لیے اس نے ہماری یہ پیشکش ٹھکرا دی اور اپنے حملہ آور اندر بھیج کر سارا ماحول بدل دیا۔

بہر حال ہم لوگ اس ایوان میں مسئلہ کشمیر کے بارے میں بحث وتمحیص کرنے آئے ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ ہم یہاں ''شہزادے کے بغیر گاؤں'' والا ڈرامہ کھیل رہے ہیں، سکیورٹی کونسل کو اس مسئلہ کو الجھانا نہیں چاہیے، اس وقت ہمارے سامنے سوال یہ نہیں کہ ہمیں اندرونی آزادی چاہیے یا نہیں، سوال یہ نہیں ہے کہ مہاراجا ایک خود مختار حکمران ہے یا نہیں، یہ بھی سوال نہیں کہ اس نے اس ریاست کو کس طرح حاصل کیا تھا، یہ بھی سوال نہیں کہ آیا ریاست نے قانونی طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کیا ہے یا غیر قانونی طور پر، جیسا کہ پاکستان نے سوال اٹھایا ہے، یہ سارے نکتے اس وقت موضوع بحث ہیں ہی نہیں، اگر ہوتے تو ہم ان پر گفت وشنید کر رہے ہوتے، ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ کشمیر نے قانونی طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کیا ہے اور پاکستان کو اس حوالے سے اعتراض یا سوال اٹھانے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، یہ سارے مسائل اس وقت موضوع بحث نہیں ہیں، اس لیے ان پر بات کر کے ہمیں اس ایوان کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، پاکستان جو دعویٰ کر رہا ہے اور بھارت نے جو شکایت کشمیر کے حوالے سے اس عالمی ادارے کے سامنے لائی ہے، اس کا جائزہ لینے اور سچ اور جھوٹ کا پتا لگانے کے لیے سکیورٹی کونسل کو ایک کمیشن پاکستان بھیجنا چاہیے تا کہ وہ جائے واردات پر جا کر از خود پتا لگا سکے۔ اس کے بعد یہ ہمارا کام اور ذمہ داری ہوگی کہ ہم یہ ثابت کریں کہ جو الزامات ہم نے عائد کیے ہیں، وہ لفظ بہ لفظ درست اور صحیح ہیں، یہ آخری اور واحد مدد ہے، جو ہم اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے چاہتے ہیں، اور کچھ نہیں......''

شیخ محمد عبداللہ کی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ تقریر پاکستانی قبائل کے حملے، ریاست کے

بھارت کے ساتھ الحاق اور بھارت کی جانب سے اقوام متحدہ میں پاکستان کی خلاف دائر کی گئی شکایت کے بعد عالمی ادارے میں کافی اہمیت کی حامل تھی۔ شیخ عبداللہ کی طرف سے ہندوستان کی وکالت اپنی جگہ مگر ان کی تقریر سے جو سوال سامنے آتا ہے اس سوال کا ایک ہی جواب تھا کہ پاکستان مذہب کی بنیاد پر کشمیر کو اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا۔ اسی لیے 22 اکتوبر کو قبائلی حملہ کروایا گیا۔ بھارت کی درخواست اور شیخ عبداللہ کی تقریر کے جواب میں پاکستانی مندوب نے جواب میں کہا کہ کشمیر میں خود کشمیری گوریلے برسر پیکار ہیں اور وہاں پاکستان کا کوئی بھی فوجی یا قبائل وغیرہ موجود نہیں، پاکستان یہ سمجھتا تھا کہ چونکہ ریاست ایک مسلم اکثریتی علاقہ ہے اس لیے برطانوی فارمولہ کے تحت اس کا مستقبل پاکستان سے جڑنا چاہیے جبکہ پریشانی یہ تھی کہ ریاست میں کوئی بھی مقامی سیاست دان اس پوزیشن میں نہیں تھا جو شیخ عبداللہ کے سامنے کھڑا ہو کر حالات کی لہر کو پاکستان کے حق میں موڑ سکتا، نیشنل کانفرنس اور شیخ عبداللہ ایک سکے کے دو ایسے رُخ تھے جو اس وقت بھارتی حکمرانوں کے منظورِ نظر تھے۔ پاکستان نے یہ حملہ کر کے ریاست میں اپنے واحد حلیف اور دوست مہاراجا ہری سنگھ کے اعتماد کو بھی بری طرح سے ٹھیس پہنچائی تھی، وہ مہاراجا جو اندر ہی اندر پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے یا کم از کم خود مختار رہ کر پاکستان کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرنا چاہتا تھا اور بھارتی سیکولرازم سے کنارہ اختیار کرنا چاہتا تھا، اب خود اسی بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو کے سامنے عرضی لے کر حاضر ہوا، جسے اس نے کبھی ریاست کی حدود پار کرنے کے الزام میں نہ صرف بے عزت کیا تھا بلکہ حراست میں بھی رکھا تھا، یہ اور کئی دیگر باتوں پر مشتمل صورتحال کو بدلنے میں نہ تو کوئی صدی لگی اور نہ ہی زمانہ بلکہ یہ سب محض چند ہفتوں کے اندر اندر ہوا اور اس کا اثر اس قدر زیادہ تھا کہ آج 67 سال گزر جانے کے باوجود بھی پورے برصغیر میں اس کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔

پاکستان کے نمائندے ظفر اللہ خان کا جواب تھا، ہندوستان کا کشمیر میں فوج اتارنے کا مقصد پاکستان کو تباہ کرنا ہے۔

پاکستانی نمائندے ظفر اللہ خان نے مسٹر جناح کی جانب سے ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات کے دوران پیش کردہ تجاویز کے مطابق مطالبہ کیا:

1۔ سلامتی کونسل ایک کمیشن قائم کرے جو کشمیر میں جنگ بندی کا انتظام کرے۔
2۔ کشمیر میں غیر جانبدار انتظامیہ قائم کی جائے۔
3۔ کشمیر سے ساری فوجیں خواہ وہ ہندوستان سے آئی ہوں یا پاکستان سے نکل جائیں۔
4۔ کشمیری عوام کی مرضی معلوم کرنے کے لیے آزادانہ و منصفانہ استصواب رائے کروایا جائے۔

اقوام متحدہ میں دونوں ممالک (پاکستان اور ہندوستان) کا دعویٰ تھا کہ ریاست کے لوگ ان کے ساتھ ہیں۔ پاکستانی ایجنسیوں اور فوج کے بعض افراد نے سردار ابراہیم کی قیادت میں بننے والی 24 اکتوبر کی حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ اس لیے سلامتی کونسل میں پاکستان کا ظاہراً مؤقف تھا کہ عالمی برادری سردار ابراہیم کی حکومت کو تسلیم کرے، جسے ہندوستان تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ ہندوستان کا مؤقف تھا کہ مہاراجا

نے الحاق کیا ہے۔اس کے بعد وہاں کے عوام کو اقتدار منتقل کیا گیا ہے، جس کے نگران اعلیٰ شیخ عبداللہ ہیں، لہٰذا شیخ عبداللہ کی زیرِنگرانی بننے والی حکومت کو عالمی برادری تسلیم کرے۔

عملی طور پر دونوں ممالک ریاست جموں و کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ اپنے اپنے مفادات کا کھیل اپنے ہاتھ میں رکھ کر کھیلنے کی سوچ کے ساتھ ساتھ دونوں ممالک کشمیریوں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ کشمیری ان کے ساتھ ہیں اور ان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں۔ دونوں ممالک کی یہ سوچ غلط بھی نہ تھی۔مسلم کانفرنس کے دوسرے درجے کے سیاستدان کی سربراہی میں 19ر جولائی 1947ء کو الحاق پاکستان کی قرارداد منظور ہوئی تھی، اور اب انقلابی حکومت بھی اسی کی زیرِقیادت قائم ہوئی تھی، جبکہ دوسری طرف اقوام متحدہ میں شیخ عبداللہ بھارت کی زبان بول رہے تھے۔

27ر اکتوبر کو مہاراجا ہری سنگھ کے الحاق کے بعد بھارتی فوجیں کشمیر میں اتری تھیں اور اس کے بعد شیخ عبداللہ نے بحیثیت نگران اعلیٰ جو حلف اٹھایا اس میں مہاراجا اور اس کی نسلوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا گیا تھا۔

یوں کشمیر پر دو دعویدار آمنے سامنے تھے۔ جبکہ ریاست کے اصل وارث، مہاراجا ہری سنگھ اور اس کا وفادار شیخ عبداللہ اور مسلم کانفرنس آپس میں گتھم گتھا تھے۔ دونوں کشمیر کی وحدت کی بات ضرور کرتے تھے، لیکن ایسی وحدت چاہتے تھے جہاں ان کا اقتدار ہو۔ان حالات میں اقوام متحدہ ان دونوں (پاکستان اور بھارت) کی مدد سے مسئلہ کشمیر حل کرنا چاہتی تھی۔لہٰذا دونوں ممالک کے دعوؤں کو دیکھتے ہوئے اقوام متحدہ نے جس زاویے پر کام شروع کیا وہ یہ تھا کہ جس کے ساتھ ریاست کے لوگ ہیں، ریاست اس کی۔ بدنصیبی یہ کہ کشمیری لیڈرشپ کے باہمی اختلافات نے حالات کو اس نہج پر پہنچا دیا تھا کہ عالمی برادری کے سامنے وہ اپنی حقیقی آزادی کا مقدمہ نہ رکھ سکے۔

17ر جنوری 1948ء کو سلامتی کونسل نے قرارداد نمبر 229 منظور کی، جس میں پاکستان اور بھارت کو کشمیر میں صورتحال بہتر کرنے کے لیے کہا گیا۔

20ر جنوری 1948ء کو تین رکنی کمیشن تشکیل دے دیا گیا۔ کمیشن کے تین اراکین میں سے ایک، ایک پاکستان اور ہندوستان کا تجویز کردہ اور ایک دونوں کی مشترکہ رائے سے تعینات کرنے کا فارمولا دیا گیا۔ یہ کمیشن کام نہ کر سکا۔اسی سوچ کے تحت اپریل 1948ء میں پاکستان نے بھی باقاعدہ اپنی فوجیں کشمیر میں داخل کر دیں۔

سکیورٹی کونسل نے 21ر اپریل 1948ء کو ایک اور قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد میں الحاق کے بارے میں رائے شماری کرانے کے عمل کو منظور کیا گیا۔اسی قرارداد میں پاکستان کو تمام فوج، مجاہدین اور وہ لوگ جو جنگ کی نیت سے کشمیر میں داخل ہوئے، نکالنے کا کہا گیا۔

قرارداد 13 اگست 1948ء:

قرارداد جو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان اور پاکستان نے 13 اگست 1948ء کو منظور کی

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان اور پاکستان

ریاست جموں وکشمیر کے متعلق ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں نے جس نقطۂ نظر کا اظہار کیا ہے، اس پر پوری احتیاط کے ساتھ غور وخوض کے بعد، اور یہ رائے رکھتے ہوئے کہ مخالفانہ کارروائیوں اور ان حالات کا فوری خاتمہ ضروری ہے، جن کا جاری رہنا بین الاقوامی امن اور سلامتی کے لیے خطرے کا باعث ہے تا کہ کمیشن ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کو اس صورت حال کو قطعی طور حل کرنے میں مدد دینے کے لیے اپنی کوششوں کو بروئے کار لا سکے۔

ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے سامنے ان تجاویز کو پیش کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔

حصہ اول

التوائے جنگ کا حکم:

(الف) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اس امر پر اتفاق کرتی ہیں کہ ان کی اپنی اپنی ہائی کمان علیحدہ علیحدہ مگر بیک وقت التوائے جنگ کا حکم جاری کر دیں گے۔ جو ریاست جموں وکشمیر میں ان کے کنٹرول میں تمام فورسز پر حاوی ہوگا اور جو ان تجاویز کو دونوں حکومتوں کی طرف سے قبول کر لینے کے بعد جلد سے جلد اور زیادہ سے زیادہ چار دن کے اندر جاری کر دیا جائے گا۔

(ب) ہندوستانی اور پاکستان افواج کی ہائی کمان یہ تسلیم کرتی ہیں کہ وہ ایسے تمام اقدامات سے اجتناب کریں گی جن کی وجہ سے ریاست جموں وکشمیر میں ان کے کنٹرل میں فورسز کی فوجی طاقت میں اضافہ ہو جائے۔ (ان تجاویز کے مطابق ان کی کنٹرول میں فورسز میں وہ تمام منظّم یا غیر منظّم فورسز شامل ہیں، جو اس طرف جنگ اور اور مخالفانہ کارروائیوں میں مصروف ہوں۔)

(ج) ہندوستانی اور پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف فوجوں کی موجودہ تعیناتی میں ایسی تبدیلیاں کرنے کے لیے جو جنگ بندی میں آسانیاں پیدا کریں، فوری طور پا آپس میں صلاح ومشورہ کریں۔

(د) کمیشن اپنی مرضی کے مطابق اور جہاں تک قابل عمل ہوگا، فوجی مبصر مقرر کرے گا، جو کمیشن کے اختیارات کے تحت اور دونوں ہائی کمان کے تعاون سے التوائے جنگ کے حکم کی پابندی کی نگرانی کریں گے۔

(ر) ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے عوام سے یہ اپیل کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ ایسی فضا پیدا کرنے اور اسے بحال رکھنے میں مدد دیں جو مذاکرات کو جاری رکھنے کے لیے سازگار ہو۔

حصہ دوم

جنگ بندی کا معاہدہ:

فوری طور پر جنگ بند کر دینے کے متعلق حصہ اول میں شامل تجاویز کو قبول کر لینے کے ساتھ ہی دونوں حکومتیں حسب ذیل اصولوں کو جنگ بندی کے سمجھوتہ کہ بنیاد کے طور پر تسلیم کرتی ہیں، جس کی تفصیلات ان کے نمائندوں اور کمیشن کے درمیان بات چیت کے ذریعے طے کی جائیں گی۔

(الف)

1۔ چونکہ ریاست جموں و کشمیر میں پاکستانی فوج کی موجودگی اس صورتحال میں نمایاں تبدیلی کے مترادف ہے جو سلامتی کونسل کے سامنے پیش کی تھی اس لیے حکومت پاکستان ریاست سے اپنی فوجوں کو واپس بلانے پر رضامند ہے۔

2۔ حکومت پاکستان اس امر کی پوری کوشش کرے گی کہ ریاست جموں و کشمیر سے قبائلی اور پاکستانی باشندے جو وہاں پر رہائش نہیں رکھتے ہیں اور لڑائی کی خاطر ریاست میں داخل ہوئے ہیں، ریاست سے واپس چلے جائیں۔

3۔ جس علاقہ سے پاکستانی فوج کی واپسی عمل میں آجائے گی اس کا نظم ونسق قطعی فیصلہ تک مقامی حکام کے سپرد اور کمیشن کی نگرانی میں ہوگا۔

(ب)

1۔ جب کمیشن حکومت ہندوستان کو یہ اطلاع دے دے گا کہ قبائلی اور پاکستانی باشندے جن کا ذکر حصہ دوم، الف، 2 میں کیا گیا ہے، ریاست سے واپس چلے گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ صورت حالات ختم ہوگئی ہے جسے حکومت ہندوستان نے سلامتی کونسل کے سامنے ریاست میں اپنی فوجوں کی موجودگی کی وجہ قرار دیا تھا اور یہ کہ ریاست جموں و کشمیر سے پاکستانی فوجوں کی واپسی بھی عمل میں لائی جا رہی ہے، حکومت ہندوستان اپنی افواج کے بیشتر حصہ کا انخلاء ایسے مرحلوں میں، جو کمیشن کے ساتھ طے کر لیے جائیں، شروع کر دینے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہے۔

2۔ ریاست جموں و کشمیر میں صورت حالات کے قطعی فیصلہ کے متعلق شرائط کی منظوری تک حکومت ہندوستان جنگ بندی لائن کی حدود کے اندر اپنی افواج کی اتنی کم سے کم تعداد رکھے گا جو کمیشن کی رضامندی کے مطابق امن و امان بحال رکھنے میں مقامی حکام کی مدد کے لیے ضروری ہوگی۔ کمیشن جہاں مناسب سمجھے گا، مبصر متعین کرے گا۔

(ج)

1۔ دستخط ہو جانے کے جنگ بندی کے سمجھوتہ کا پورا متن یا اس کے اصولوں پر مشتمل ایک اعلامیہ، جیسا کہ دونوں حکومتوں اور کمیشن کے درمیان طے ہو جائے گا، عام اطلاع کے لیے شائع کر دیا جائے گا۔

(حصہ سوم)

حکومت ہندوستان اور حکومت پاکستان اپنی اس خواہش کا اعادہ کرتی ہیں کہ ریاست جموں و کشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی خواہشات کے مطابق متعین کی جائے گی اور اس مقصد کے لیے جنگی سمجھوتہ کو قبول کر لینے کے بعد دونوں حکومتیں کمیشن کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتی ہیں تاکہ ایسی منصفانہ شرائط طے کی جا سکیں جن کے تحت آزادانہ رائے کا اظہار یقینی ہو۔

اس قرارداد کی روشنی میں ریاست جموں کشمیر کی آئندہ حیثیت عوام کی خواہشات کے مطابق تعین کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس پر پاکستان اور ہندوستان دونوں کے دستخط ہیں۔ یہی وہ قرارداد ہے جو ریاست

جموں کشمیر کے لوگوں کو غیر مشروط حق خودارادیت دیتی ہے۔

13/ اگست 1948ء کی قرارداد اور پاکستان:۔

قرارداد کے حصہ سوئم سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ وہاں کے باشندوں کی مرضی کے مطابق طے کیا جائے گا۔ اور اس کے لیے خوشگوار پرامن ماحول کے لیے تعاون کیا جائے گا۔ لیکن اس قرارداد میں پاکستان نے اتفاق کیا ہے کہ وہ ریاست کے اندر جنگ میں مصروف افواج، قبائل اور شہریوں کو واپس بلائے گا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کو اپنے مسلح دستے واپس بلانے پر رضامند کیوں ہونا پڑا۔ جبکہ پاکستان کا مقدمہ تھا کہ ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی اپنی حکومت ہے اور پاکستان ان کی اخلاقی اور سفارتی حمایت جاری رکھے ہوئے ہے۔ اصل میں یہ نیّت کی بات ہے۔ پاکستانی حکمرانوں کی نیّت ظاہر ہوگئی تھی۔ اقوام متحدہ نے پاکستان کو کلی طور پر ایک حملہ آور تسلیم کیا ہے۔ پاکستان نے اپنا جو مقدمہ عالمی برادری کے سامنے رکھا، زمینی حقائق اس کے برعکس تھے۔ 15/ اگست 1947ء کو معاہدہ جاریہ کے بعد پاکستان نے کشمیر پر قبضہ کرنے کے لیے مُسلم سوچ کو آگے بڑھانے اور اُن کی پشت پناہی کے لیے غلط وقت کا انتخاب کیا۔ 23/ اگست کو نیلہ بٹ سے سردار عبدالقیوم یا اس کے بعد دوتھان سے جو مسلح جدوجہد شروع ہوئی، اس کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ تھا۔ ایک غلط وقت پر غلط مہم جوئی نے مہاراجا ہری سنگھ کو اس اقدام پر مجبور کیا جو بھارتی حکمرانوں کی خواہش تھی۔ یہ غلطی بھارت کے لیے بہت سُودمند ثابت ہوئی۔ ریاست جموں کشمیر سے الحاق کے لیے بھارت کی لیڈرشپ مہاراجا ہری سنگھ سے مذاکرات کرتی ہے۔ نہرو حتیٰ کہ خود گاندھی بھی مہاراجا ہری سنگھ کو الحاق ہندوستان پر راضی کرنے کے لیے سرینگر آتے ہیں، مگر مہاراجا ہری سنگھ 12/ اگست 1947 کو پاکستان کو معاہدہ جاریہ کی درخواست کرتا ہے، جسے 15/ اگست کو پاکستان قبول کر لیتا ہے۔ ایک مطلق العنان ہندو حکمران جو ریاست کے سیاہ و سفید کا مالک تھا، پوری ریاست کو پاکستان کے ساتھ شامل کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ہری سنگھ سے تعلقات کو بہتر بنانے کی بجائے مسلح جدوجہد کی حمایت غلط حکمت عملی تھی۔ ریاست کے اندر مسلح گروپوں کی حمایت نے مہاراجا ہری سنگھ کو اپنی سوچ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ مہاراجا نے 23/ اگست سے لے کر 21/ اکتوبر تک انتظار کیا۔ 22/ اکتوبر کو قبائلی حملہ کے بعد جب مظفرآباد کو خون میں نہلا دیا گیا، قبائلی حملہ آوروں نے غیر مسلموں سمیت مسلمانوں کو بھی قتل کرنا شروع کیا تو مہاراجا بھارت سے الحاق پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مہاراجا اپنی مرضی کے ساتھ پاکستان کے ساتھ شامل ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ ایک شکست خوردہ حکمران کی حیثیت سے الحاق نہ کرے۔

13/ اگست 1948ء کی قرارداد میں اقوام عالم نے پاکستان کو حملہ آور قرار دیتے ہوئے اسے اپنی افواج، قبائلی حملہ آور اور شہریوں کو واپس بلانے کا پابند بنایا۔

پاکستان اپنا مقدمہ پیش کرنے اور اسے ثابت کرنے میں ناکام رہا۔ پاکستان یہ بھی ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا کہ بھارتی افواج کی کشمیر میں موجودگی غیر قانونی اور غیر اخلاقی ہے۔

پاکستان نواز مصنفین اس کے حق میں جو بھی دلیل دیں، 13/ اگست 1948ء کی قرارداد جس پر پاکستان کے دستخط ہیں، یہ ثابت کرتی ہے کہ پاکستان حملہ آور تھا۔

اس قرارداد میں بھارت سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنی فوج کا کم از کم حصہ رکھے گا جو مجموعی تعداد کا 49 فیصد بنتا ہے۔ بھارت نے اس پر عمل کیا نہ پاکستان نے۔ آنے والے وقتوں میں دونوں ممالک کے حکمرانوں کی نیتیں بدل گئیں۔

پاکستان کے حکمران پہلے مہاراجا ہری سنگھ سے معاہدہ جاریہ کرتے ہیں، بعدازاں اسے ختم کرتے ہیں۔ مہاراجا اپنی مرضی کے ساتھ پاکستان کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے آیا، اس کی بنیادی وجہ محمد علی جناح (بانی پاکستان) اور مہاراجا ہری سنگھ کے تعلقات تھے۔ برصغیر کی 562 ریاستوں کا سربراہ مہاراجا ہری سنگھ تھا اور محمد علی جناح اس کے قانونی مشیر۔ دوسری وجہ، مہاراجا راجپوت ڈوگرہ تھا، وہ پنڈتوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ نہرو اور مہاراجا ہری سنگھ کے کبھی بھی مثالی تعلقات نہیں رہے۔ لیکن جب مہاراجا کو فتح کر کے ایک شکست خوردہ حکمران کی حیثیت سے پاکستان نے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی تو مہاراجا ہری سنگھ کو کڑوا گھونٹ پینا پڑا۔ بھارت کے ساتھ جانے سے قبل اس نے ریاست جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کو برقرار رکھا اور جو معاہدہ الحاق ہندوستان تیار ہوا یا بھارتی حکمرانوں نے تیار کیا، اس کے متن سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہری سنگھ نے ریاست کا ادغام نہیں کیا، بلکہ الحاق کیا ہے۔ بھارتی آئین کی دفعہ 370 بھی اس امر کی مظہر ہے۔

اقوام متحدہ میں بھارت کا مقدمہ کیوں مضبوط تھا؟ بھارت حملہ آور کیوں نہ ثابت ہو سکا۔ اس کی بنیادی وجہ بھارت کی طرف سے پیش کردہ مہاراجا ہری سنگھ کا وہ معاہدہ ہے، جو اس نے بھارت سے کیا۔ اور جس کی وکالت شیخ عبداللہ نے کی، جس کا ذکر پیچھے آ چکا ہے۔

پاکستان اور ہندوستان کی طرف سے جو بھی دعوے سامنے آئے، ہری سنگھ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس نے پاکستان سے الحاق کیا۔ ہندوستان بے بس ہو گیا۔ پاکستان کے حکمرانوں نے مہاراجا کے خلاف ریاست کے اندر موجود کچھ قوتوں کی حمایت کی۔ ہندوستان کی طرف سے نام نہاد الحاق کی بنیاد پر پاکستان حملہ آور ثابت ہو گیا۔ جذباتی باتیں اپنی جگہ، تاہم اس ابتدائی دور میں تمام تر امور اور مراحل کا تعین مہاراجا ہری سنگھ کے اقدامات کی روشنی میں ہوا ہے۔

معاہدہ جنگ بندی:

1948ء کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے انڈیا پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے متحارب فریقین سے بات چیت کے بعد محاذ کشمیر پر جنگ بند کر دینے کی تجویز پیش کی، چنانچہ طے پایا کہ ہندوستان اور پاکستان فی الفور جنگ بند کر دیں گے اور جنگ بندی کی نگرانی کے لیے سیز فائر لائن پر اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین تعینات کیے جائیں گے۔ اس کے بعد دونوں طرف سے حالات معمول پر لانے کے لیے فوجوں کی تعداد کم کی جائے گی اور جب حالات معمول پر آ جائیں گے تو اقوام متحدہ کی نگرانی میں رائے شماری کے ذریعے کشمیری عوام سے پوچھا جائے گا کہ وہ ہندوستان سے الحاق کرنا چاہتے ہیں یا پاکستان سے یا کشمیر کو آزاد اور خودمختار رکھنا چاہتے ہیں۔

UNCIP کا یہ فارمولا ہندوستان اور پاکستان نے تسلیم کر لیا چنانچہ 31 دسمبر 1948ء کو رات کے بارہ بجے محاذِ کشمیر پر جنگ بند کر دی گئی اور یکم جنوری 1949ء کو جنگ بندی معاہدے پر فریقین نے دستخط

کیے۔ چنانچہ 05/جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ کی سکیورٹی کونسل نے دونوں ملکوں کے درمیان سمجھوتے کے لیے ایک قرارداد پیش کی، جس کی رو سے جنگ بندی کی نگرانی کے لیے اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کشمیر آنا شروع ہو گئے۔

قرارداد 05 جنوری 1949ء:

اقوام متحدہ کا کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان

حکومت ہندوستان اور پاکستان کی طرف سے ان کے خطوط مورخہ 23/دسمبر اور 25/دسمبر 1948ء کے ذریعے حسب ذیل اصولوں کو جنہیں کمیشن کی قرارداد 13 اگست 1948ء میں اضافہ کی حیثیت حاصل ہے، تسلیم کرنے کے بعد:

1۔ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ریاست جموں وکشمیر کے الحاق کا فیصلہ غیر جانبدار اور منصفانہ رائے شماری کے جمہوری طریقہ کے مطابق کیا جائے گا۔

2۔ رائے شماری کا انعقاد اس وقت ہو گا جب کمیشن نے یہ معلوم کر لیا کہ التوائے جنگ اور جنگ بندی کے انتظامات جن کا ذکر کمیشن کی قرارداد مورخہ 13/اگست 1948ء کے حصہ اول اور دوئم میں کیا گیا ہے پر عمل ہو گیا ہے اور رائے شماری کے لیے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔

3۔ (الف) اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کمیشن کی رضامندی سے ناظم رائے شماری کو نامزد کریں گے جو ایک اعلیٰ بین الاقوامی شخصیت ہو گی اور جسے عام اعتماد حاصل ہو گا۔ اسے ریاست جموں وکشمیر کی حکومت رسمی طور پر اس کے عہدہ پر مقرر کرے گی۔

(ب) ناظم رائے شماری ریاست جموں وکشمیر سے وہ اختیارات حاصل کرے گا جو وہ رائے شماری کے انتظام واہتمام اور اس کے غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انعقاد کے لیے ضروری تصور کرے گا۔

(ج) ناظم رائے شماری کو اختیار حاصل ہو گا کہ مبصرین کی مدد کے لیے جس قدر سٹاف کی ضرورت ہو اسے مقرر کر سکے۔

4۔ (الف) کمیشن کی قرارداد مورخہ 13/اگست کے حصہ اول اور دوئم پر عملدرآمد کے بعد اور جب کمیشن کو یہ اطمینان ہو جائے کہ ریاست میں پرامن حالات بحال ہو گئے ہیں تو کمیشن اور ناظم رائے شماری حکومت ہندوستان کے مشورہ سے ہندوستان اور ریاست کی مسلح افواج کو ہٹانے کا آخری فیصلہ کریں گے اور یہ فیصلہ ریاست کے تحفظ اور رائے شماری کی آزادی کو پیش نظر رکھ کر کیا جائے گا۔

(ب) جہاں تک اس علاقہ کا تعلق ہے، جس کا ذکر قرارداد مورخہ 13 اگست کے حصہ دوئم، الف میں کیا گیا ہے ناظم رائے شماری اور کمیشن اس علاقہ میں مسلح افواج کے متعلق آخری فیصلہ مقامی حکام کے مشورہ سے کریں گے۔

5۔ ریاست کے اندر تمام سول اور فوجی حکام اور تمام بڑے بڑے سیاسی عناصر کو رائے شماری کی تیاری اور انعقاد میں ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔

6۔ (الف) ریاست کے تمام باشندوں کو جو بدامنی کی وجہ سے ریاست سے چلے گئے تھے واپس آجانے کی دعوت دی جائے گی اور انہیں واپس آ کر شہریوں کی حیثیت سے تمام حقوق کے استعمال کا حق حاصل ہوگا۔ ان کی واپسی میں مدد دینے کے لیے وہ کمیشن مقرر کیے جائیں گے، جن میں سے ایک ہندوستان کے نمائندوں پر اور دوسرا پاکستان کے نمائندوں پر مشتمل ہوگا۔ یہ کمیشن ناظم رائے شماری کی ہدایات کے مطابق کام کریں گے۔ ہندوستان اور پاکستان کی حکومتیں اور ریاست جموں وکشمیر کے اندر تمام حکام اس دفعہ کو عملی جامہ پہنانے میں ناظم رائے شماری کے ساتھ تعاون کریں گے۔

(ب) تمام ایسے افراد جو ریاست کے شہریوں کے علاوہ کسی دوسرے مقصد سے ریاست میں داخل ہوئے ہیں، انہیں ریاست سے واپس جانا ہوگا۔

7۔ ریاست جموں وکشمیر کے اندر تمام حکام یہ ذمہ داری قبول کرتے ہیں کہ ناظم رائے شماری کے تعاون سے وہ اس امر کے پابند ہوں گے کہ:-

(الف) رائے شماری کے دوران ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا نہیں جائے گا نہ ان پر دباؤ ڈالا جائے گا۔ اور نہ ہی انہیں رشوت دی جائے گی۔

(ب) ریاست بھر میں جائز سیاسی سرگرمی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جائے گی۔ ریاست کے باشندے بلا لحاظ علاقہ، ذات یا جماعت اپنے خیالات کے اظہار اور ریاست پریس، تقریر اور اجتماع اور سفر کی آزادی ہوگی، جس میں ریاست میں قانونی طور پر داخل ہونے اور باہر جانے کی آزادی بھی شامل ہے۔

(ج) تمام سیاسی قیدی رہا کر دیے جائیں گے۔

(د) ریاست کے تمام حصوں میں اقلیتوں کی پوری حفاظت کی جائے گی۔

(ہ) کسی کو عتاب کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

8۔ ناظم رائے شماری کو اگر بعض مسائل میں امداد کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ کمیشن سے رجوع کرے گا اور کمیشن اگر مناسب سمجھے گا تو وہ اپنی طرف سے ناظم رائے شماری کو ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا اختیار دے گا جو اسے سونپی گئی ہیں۔

9۔ رائے شماری کے مکمل ہو جانے پر ناظم رائے شماری اس کے نتیجہ سے کمیشن اور ریاست جموں وکشمیر مطلع کرے گا۔ اس کے بعد کمیشن سلامتی کونسل کے سامنے یہ تصدیق کرے گا کہ رائے شماری منصفانہ اور آزادانہ ہوئی ہے یا نہیں۔

10۔ جنگ بندی کے سمجھوتہ پر دستخط کے بعد کمیشن کی قرارداد مورخہ 13/ اگست 1948ء کے حصہ سوئم میں تفویض کردہ صلاح ومشورہ کے مطابق متذکرہ بالا تجاویز کی مزید وضاحت کر لی جائے گی۔ ناظم رائے شماری کو اس بات چیت میں برابر شریک رکھا جائے گا۔

کمیشن حکومت ہندوستان اور پاکستان سے سفارش کرتا ہے کہ کمیشن کی 13/اگست 1948ء کی قرارداد کے مطابق جو سمجھوتہ ہو چکا ہے، اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے وہ یکم جنوری 1949ء کی رات کو آدھی رات سے ایک منٹ پہلے جنگ بند کر دینے کا حکم جاری کرنے کی فوری کارروائی کریں۔

کمیشن فیصلہ کرتا ہے کہ 13/اگست 1948ء کی قرارداد اور متذکرہ بالا اصولوں میں اسے جو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے وہ مستقبل قریب میں برصغیر میں واپس چلا جائے۔

05/جنوری 1949ء کی قرارداد تنازعۂ کشمیر کا بھیانک موڑ تھا۔ جب ریاست جموں کشمیر کے لوگوں سے حقیقی حق خودارادیت چھین کر انہیں مشروط حق خودارادیت میں دھکیل دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عالمی برادری، امت مسلمہ، پاکستان اور ہندوستان اور ان کے زیر انتظام ریاست کے منقسم حصوں میں قائم حکومتیں (لوکل اتھارٹیز) حق خودارادیت کی تعریف الحاق ہندوستان یا الحاق پاکستان کر رہی ہیں۔ یہ وہی قرارداد ہے جس میں مسئلہ تو ہمارا ہے، مگر ہم فریق نہیں۔

ریاست جموں کشمیر بنیادی فریق ہونے کے باوجود تنازعہ کشمیر میں فریق کیوں نہیں؟

بلحاظ رقبہ اور آبادی 100 سے زائد سے ممالک سے بڑی مملکت ریاست جموں وکشمیر کے مسئلہ کے حل نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس ریاست کے باشندے بحیثیت قوم اس میں فریق نہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ سوال ہماری قومی آزادی کا ہے اور ہم اس کے فریق نہیں۔ اس کے لیے ہمیں اُن حالات کو دیکھنا

ہوگا، جب یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش ہوا۔

بھارت یکم جنوری 1948ء کوسلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر لے کر گیا۔ اس لحاظ سے بھارت کی حیثیت مدعی کی ہوگئی، کیونکہ بھارت کی درخواست تھی کہ مہاراجا کشمیر نے بھارت سے الحاق کیا ہے، اس لیے کشمیر اس کا حصہ ہے۔ پاکستان نے کشمیر کے ایک حصے پر قبضہ کر رکھا ہے، اس لیے اس کی دادرسی کی جائے۔ اس طرح پاکستان مدعا علیہ ٹھہرا۔

جھگڑا مدعی اور مدعا علیہ کا ہوا۔ اصل فریق کی اس معاملے یا جگہ تک رسائی نہ ہوتو کوئی بھی پنچایت، جرگہ معروضی حالات کے مطابق فیصلہ یا کوئی کردار ادا کرتا ہے۔ یہی کچھ کشمیر کے معاملے میں ہوا مسئلہ ایک قوم کا تھا لیکن اسے تقسیم برصغیر کے تناظر میں دیکھا گیا کشمیری قیادت ہندوستان اور پاکستان کی نمائندگی کرتی رہی اپنا مقدمہ پیش نہ کرسکی۔ یہ سب کیسے ہوا آیئے دیکھتے ہیں۔

سلامتی کونسل کے 229 ویں اجلاس میں 17/جنوری 1948ء کو بلجیم کی طرف سے پیش کی گئی قرارداد نمبر S/651 منظور ہوئی، جس میں کہا گیا کہ:

''حکومت بھارت اور حکومت پاکستان کے نمائندوں کے بیانات سنے گئے۔ صورت حال کی سنگینی کا احساس کیا گیا۔ سلامتی کونسل کے صدر کے فریقین (بھارت اور پاکستان) کے نام تار اوران کے جوابات پرغور کیا گیا۔ فریقین سے یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ وہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی پابندی کریں گے۔''

بلجیم کی طرف سے پیش کی گئی قرارداد نمبر 229 ہی پہلی وجہ بنی جب عالمی برادری نے ایک قوم کے تنازعہ کو دو فریقین کی درمیان تنازعہ سمجھا۔ چونکہ ریاست جموں کشمیر کا کوئی نمائندہ اپنی قوم کی نمائندگی کے لیے اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر موجود نہیں تھا، اس لیے ایک قوم کی آزادی کا مسئلہ دو قوموں کے درمیان تنازعہ بن گیا اور جس قوم کی آزادی کا سوال تھا وہ قوم پس منظر میں چلی گئی۔ اگر اس وقت آزاد کشمیر کی حکومت کا کوئی نمائندہ اپنے وطن کی نمائندگی کرتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

20/جنوری 1948ء کوسلامتی کونسل نے قرارداد نمبر S/654 میں اس مسئلہ کوحل کرنے میں مدد دینے کے لیے ایک سہ رکنی کمیشن کا قیام عمل میں لایا، جس کا نام کمیشن برائے بھارت و پاکستان (UNCIP) رکھا گیا۔ اس کمیشن کے تین ممبران میں سے ایک بھارت، دوسرا پاکستان اور تیسرا متذکرہ دوممبران کوخود نامزد کرنا تھا۔ اگر اس وقت کمیشن برائے مسئلہ کشمیر مقرر ہو جاتا تو حق خود ارادیت کو الحاق سے مشروط نہ کیا جاتا تو آج ہم آزاد ہوتے، اگر آزاد نہ بھی ہوتے تو اپنا مقدمہ خود لڑ رہے ہوتے۔ ہندوستان اور پاکستان ہمیں بھیڑ بکریاں سمجھ کر ہمارے فیصلے نہ کرتے۔

دراصل پاکستانی حکمرانوں کی بدنیتی کا جواب بھارت نے انتہائی حکمت عملی سے دیا۔ سب کچھ پاکستان اور کشمیریوں کے حق میں تھا کہ پاکستان کے حکمرانوں کے غلط عمل سے منظر بدل گیا۔

1۔ ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی نیم خودمختاری پاکستان سے مہاراجا ہری سنگھ کے معاہدہ جاریہ میں موجود تھی۔

2۔ ہری سنگھ ہندو ہونے کے باوجود پاکستان کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے کھڑا ہو گیا تھا۔ ویسے بھی مہاراجا کی شخصی حکمرانی کے خلاف جدوجہد جاری تھی۔ دو سال، 5 سال، 10 سال بعد بالآخر عوامی حکومت کو قائم ہو جانا تھا، جس کے پاکستان سے اچھے تعلقات ہوتے۔

اگر مہاراجا ہری سنگھ کا چہرہ پسند نہیں تھا، یا ہندو ہونے کی وجہ سے اس سے نفرت تھی تو سردار ابراہیم کی سربراہی میں بننے والی حکومت کے ذریعے مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کر دیا جاتا۔ لیکن بداعتمادی کا یہ عالم تھا سردار ابراہیم کو اقوام متحدہ میں کشمیریوں کی نمائندگی نہیں کرنے دی گئی۔

20/جنوری 1948ء کی قرارداد میں جب اچانک مسئلہ کشمیر کی ہیئت تبدیل کر کے اس کا نام اقوام متحدہ کا کمیشن برائے بھارت و پاکستان رکھا گیا تو بھارتی نمائندے نے اس پر احتجاج کیا۔ شاید اس احتجاج کی وجہ یہ تھی کہ بھارت اس معاملہ میں پاکستان کو فریق کے بجائے جارح کے طور پر تسلیم کروانا چاہتا تھا۔

روسی نمائندے نے بھی کونسل کے صدر کے اس اختیار کو چیلنج کیا کہ کونسل کے ایجنڈے پر موجود ایک مسئلہ پر کونسل میں بحث کیے بغیر ہی تبدیلی کر دی گئی۔ (ہاؤما سکوسیز کشمیر، ہیمن رے، صفحہ نمبر 10)

ہفت روز نیو ٹائمز میں سوویت یونین کا ایک تبصرہ نگار اپنے تبصرے میں لکھتا ہے

''کشمیر کے عوام کا اب دو دشمنوں سے مقابلہ ہے، ایک وہ مداخلت کار جنھوں نے ریاست کے ایک حصے پر قبضہ کر رکھا ہے اور دوسرے بھارتی رجعت پسند۔'' سوویت یونین کے تبصرہ نگار کا یہ تبصرہ اور اقوام متحدہ میں روسی نمائندے کا مسئلہ کشمیر کی ہیئت تبدیل کرنے پر احتجاج ثابت کرتا ہے کہ کمیشن برائے ہندو پاک کی تشکیل نے ریاست کے لوگوں کو بنیادی فریق ہونے کے باوجود مسئلہ سے لاتعلق کر دیا

بھارت اور پاکستان کی کشمیر پالیسی، مذاکرات اور معاہدے

بھارت اور پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کر کے وجود میں آئے تھے۔ اپنے اپنے مذاہب کے حوالے سے یہ دُنیا کے سب سے بڑے مما لک تھے۔ بھارت ہندو مذہب کا دُنیا کا سب سے بڑا ملک اور پاکستان مذہب اسلام کے حوالے سے سب سے بڑا ملک تھا۔ ہندوستان میں پاکستان کے قیام کا جنون مُسلم اکثریتی علاقوں سے زیادہ اُن حصوں میں تھا، جہاں مُسلمان ہندوؤں کے مقابلے میں اقلیت میں تھے۔ مسلم لیگ نے 1940ء کی قرارداد لاہور کے باوجود جسے ہندو پریس نے قرارداد پاکستان کا نام دیا تھا کیبنٹ مشن کا پلان منظور کر لیا تھا جس میں کنفیڈریشن کی تجویز تھی مگر کانگریس نے یہ تجویز مسترد کر دی، جس پر محمد علی جناح کو یقین ہو گیا کہ کانگریس مسلمانوں کے مفاد کو کسی صورت میں قبول کرنے کو تیار نہیں، لیکن اس سے کچھ عرصہ قبل لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان اختلافات ختم کرا کر انہیں غیر اعلانیہ اکٹھا کیا گیا یونینسٹ پارٹی وڈیروں جاگیرداروں اور سرداروں پر مشتمل تھی جو انگریزوں کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے تھے۔ جبکہ عام مسلمانوں کی نظریہ قیام پاکستان سے وابستگی اور اُس کے لیے جدوجہد میں خلوص تھا۔ پاکستان کے قیام میں

مذہبی جماعتوں نے مخالفت کی۔ اس کی وجہ محمد علی جناح کا سیکولر انداز تھا۔ مذہبی رہنماؤں کا خیال تھا کہ اگر سیکولر پاکستان ہی بنانا ہے تو ہندوستان میں رہنے میں کیا قباحت ہے۔

قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ اپنی جمہوری اساس قائم رکھنے میں ناکام رہی۔ وہ پاکستان کی مختلف یونٹوں کی ہمدردیاں حاصل نہ کر سکی۔ وڈیروں، جاگیرداروں، نوابوں کے اپنے مفادات تھے۔ ان میں سے ایک بڑی تعداد کو پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ (کیونکہ انہوں نے بڑی خوبصورتی سے معصوم لوگوں کو استعمال کر کے اپنے لیے جنت حاصل کر لی تھی جو متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے جانے کے بعد ممکن نہیں تھا، اور آج تک یہ ملک ان چند خاندانوں کے لیے جنت ہے)۔ نومولود پاکستان کے سیاسی رہنماؤں، سول اور فوجی، بیوروکریسی کے افراد کا تعلیمی پس منظر اور تربیت مغرب سے تھی، یہی وجہ ہے کہ آج تک پاکستان میں وہی نظام ہے۔ انگریزوں سے ورثے میں ملے ہوئے نظام کو تبدیل کرنے کے لیے جو وقت درکار تھا، وہ مسائل کے انبار اور کچھ سیاستدانوں اور بیوروکریٹس کے رویے کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا، نیا نظام کیا ہو، اس کو چھیڑنا پینڈورا باکس کھولنے کے مترادف تھا۔ اسلامی نظام کی بات کی جاتی تو کون سا؟ سیکولر...... کس لیے؟ پاکستان کا مطلب کیا ...... لا الہ الا اللہ کو مذہبی عناصر استعمال کرنے کے لیے آگے آ جاتے۔ اس لیے اس نظام کو نہ چھیڑنے میں ہی عافیت سمجھی گئی۔

قیام پاکستان کے سولہ دن بعد یکم ستمبر کو وزیر خزانہ غلام محمد نے امریکی ناظم الامور سے ملاقات کر کے مالی مدد کی درخواست کی اور 17 اکتوبر کو 2 ارب ڈالر کی باضابطہ درخواست دے دی گئی۔ (شجاع پاشا، پاکستان کی خارجہ پالیسی، صفحہ نمبر 52)۔ اگر چہ یہ درخواست منظور نہیں ہوئی، لیکن آنے والے وقت میں قرضہ لینے کی روایت پاکستانی کلچر کا حصہ بن گئی۔ مانگے کی شراب اور وہ بھی ہیرے جڑے برتن میں پاکستانی حکمرانوں کا مزاج رہا۔ (اس لیے کہ جاگیردار، وڈیرے شروع سے انگریز کے مراعات یافتہ تھے)۔ جس اسلام کے نام پر پاکستان بنا تھا، وہ اب نظر نہیں آ رہا تھا۔ چند مُلاؤں کے پیٹ سے نکلنے والا اسلام پاکستان کو تقسیم کر رہا تھا۔ مسلم لیگ کے جاگیردار، نواب، سرداروں کے رویے کی وجہ سے حالت یہ ہوگئی کہ اپنے قیام کے 2 سال بعد مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ نے 309 نشستوں میں سے صرف 4 نشستیں حاصل کیں۔ وزیر اعلیٰ اور ان کی کابینہ میں شامل تمام وزراء شکست کھا گئے۔ (شجاع پاشا، پاکستان کی خارجہ پالیسی، صفحہ نمبر 74)۔

بھارتیوں کے اپنے خواب تھے، اور وہ اپنی قدیم تاریخ کی روشنی میں بڑی طاقت بننے کے خواہش مند تھے اور ہیں۔ پاکستان اس کے راستے میں رکاوٹ بن چکا تھا۔ بھارت کی تاریخ اس کے موجودہ حجم سے بھی بڑی تھی۔ بھارت پر مسلط 5 فیصد برہمنوں کی اپنی ذہنیت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ مہا بھارت کی تشکیل تو کریں لیکن اس کے ساتھوں ساتھ ان پر شمال مغرب کا خوف بھی تھا۔ 4 ہزار سال قبل آریائی، ترک، مغل، یونانی، ایرانی، عرب اور پٹھانوں نے بھارت میں داخل ہونے کے لیے شمال مغرب کا راستہ اختیار کیا۔ اب پاکستان بھی اس کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ خوف، الجھاؤ اور ماضی کی عظمت کے خبط نے بھارتی حکمرانوں میں جارحیت پیدا کر دی۔ اپنی تاریخ سے خوف زدہ بھارت اپنے پڑوسیوں کے ساتھ غیر ذمہ دارانہ سلوک کرنے کی پالیسی پر

عمل پیرا رہا۔ برطانوی پارلیمنٹ کے پاس کردہ قانون آزادی ہند میں ہندوستان کی ریاستوں کو خودمختاری کا حق ملا تھا، نہرو نے اس کی شدید مخالفت کی۔ بعدازاں جونا گڑھ حیدرآباد پر قبضہ کر لیا، کشمیر کے معاملے پر کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کیا، چین سے جنگ کی، پاکستان دولخت کیا، ریاست کشمیر پر قبضہ کر لیا، سری لنکا کے خلاف مسلح گروپوں کی معاونت کی، سیاچن پر قبضہ کیا، نیپال کو عملاً کالونی کی شکل میں بدل دیا، بنگلہ دیش سے تعلقات کشیدہ ہیں، بھوٹان بھی بھارتی حکمرانوں کے رویے کی وجہ سے پریشان ہے۔ پاکستان کے بھی اپنے خواب ہیں۔ یہاں کے مذہبی عناصر اور فوج نے اسلامی نشاۃ ثانیہ کے خواب دیکھنے شروع کر دیے۔ امت مسلمہ کی قیادت کے خواب نے پاکستان کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا۔ ظاہراً سوجھ بوجھ کے حامل لیڈر دہلی کے لال قلعے پر جھنڈا لہرانے کی بات کرتے ہیں۔ افغانستان سمیت دنیا کے درجنوں ممالک میں مسلم مسلح تحریکوں کی پشت پناہی پاکستانی مذہبی عناصر، سعودی مذہبی رہنماؤں اور قذافی کی معاونت سے کرتے رہے، جس میں پاکستان کی فوج اپنے فنڈز پورے کرنے کے لیے مڈل مین کا کردار ادا کرتی رہی۔ دونوں ممالک کے میزائلوں، ٹینکوں اور دیگر اسلحہ کے نام ماضی کے اپنی اپنی تاریخ کے حکمرانوں اور جنگی جرنیلوں کے نام پر ہیں، جیسے ''غوری''، ''غزنوی''، ''پرتھوی''، ''اگنی'' وغیرہ

یہی وجہ ہے کہ کشمیر کے معاملہ میں دونوں ممالک کی سوچ غاصبانہ رہی۔ اگر جامع لفظوں میں بات کی جائے کہ پاکستان اور بھارت کی کشمیر پالیسی کیا ہے تو اس کا سیدھا جواب یہی ہوگا کہ دونوں ممالک کی کشمیر پالیسی یہ ہے کہ کشمیریوں کو آزادی نہ دی جائے۔

کشمیر کے حوالے سے تقسیم برصغیر سے قبل بانی پاکستان محمد علی جناح کی سوچ کشمیر کی آزادی کے حوالے سے مثبت تھی۔ بانی پاکستان نے کشمیریوں کی خودمختاری کا حق تسلیم کر لیا تھا، مگر بھارت مسلسل کشمیر کو ساتھ ملانے کی کوششوں میں مصروف رہا مہاراجا نے پاکستان سے معاہدہ جاریہ کیا اس کے باوجود۔ 22/اکتوبر کو قبائلی حملے کے ردعمل میں 27/اکتوبر کو بھارتی فوج سرینگر اتری۔ یکم جنوری 1948ء کو پہلی قرارداد منظور ہوئی۔

اس سلسلہ میں یکم نومبر 1948ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات ہوئے۔ یہ مذاکرات بانی پاکستان محمد علی جناح اور ماؤنٹ بیٹن کے درمیان یکم نومبر کو لاہور میں ہوئے۔ ساڑھے تین گھنٹے کے طویل مذاکرات بے نتیجہ ختم ہوئے۔ محمد علی جناح نے تین نکاتی فارمولا پیش کیا: (۱) جنگ بندی، (۲) بیرونی افواج کی واپسی اور (۳) رائے شماری۔

31/دسمبر 1948ء اور یکم جنوری 1949ء کی درمیانی شب جنگ بندی پر عمل شروع ہو گیا 05 جنوری 1949 کو دوسری قرارداد منظور ہوئی۔ اس کے بعد حد متارکہ کی نشاندہی کے لیے کام شروع ہوا، جو 27/جولائی 1949ء تک جاری رہا، جس کے نتیجہ میں تقریباً 800 میل لمبی سیز فائر لائن سے ریاست جموں کشمیر تقسیم ہو گئی۔

ڈکسن پلان

12 اپریل 1950ء کوسلامتی کونسل نے سر اوون ڈکسن کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔ 28 مئی 1950ء اوون ڈکسن نے اپنا کام شروع کیا۔ اوون ڈکسن فارمولا کے تحت جو تجاویز دی گئیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں:

1۔ بھارتی مسلح افواج اور ریاستی مسلح دستوں، آزاد کشمیر فورسز اور ناردرن اسکاؤٹس کو ایک ساتھ غیر مسلح کیا جائے۔

2۔ حد متارکہ ختم کر کے ساری ریاست میں ایک ہی حکومت قائم کی جائے۔

یا

1۔ عباس عبداللہ مخلوط حکومت قائم کی جائے۔

2۔ غیر جماعتی بنیادوں پر عدلیہ کے اعلیٰ عہدیداروں پر مشتمل مخلوط حکومت قائم کی جائے جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں میں مساوی وزارتیں تقسیم کی جائیں۔

3۔ استصواب رائے کے مقصد کے لیے اقوام متحدہ کے نمائندوں پر ایک باڈی حکومت کے ضروری فرائض سرانجام دے۔

1953ء تک مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں زیر بحث رہا۔ جون 1953ء میں لندن میں دولت مشترکہ کانفرنس ہوئی، جس پر پاکستان اور بھارت کے حکمرانوں نے مذاکرات جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ 25 تا 27 جولائی 1953ء کو بھارتی وزیراعظم کراچی آئے اور دیگر معاملات کے علاوہ مسئلہ کشمیر پر گفتگو ہوئی۔ 8 اگست 1953ء کو بھارت نے شیخ عبداللہ کو برطرف کر دیا، جس کے ردعمل میں پاکستان کے وزیراعظم محمد علی بوگرہ نے فوری ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ 17 تا 20 اگست چار روزہ مذاکرات کے بعد جو اعلامیہ جاری ہوا، وہ کچھ یوں تھا:

''تمام مسائل کو پرامن ذرائع سے حل کیا جائے گا۔ مسئلہ کشمیر پر تفصیل سے بات چیت ہوگی۔ مسئلہ کشمیر کو عوامی خواہشات کے مطابق حل کیا جائے گا۔ عوامی خواہشات کو جانچنے کا آزادانہ طریقہ رائے شماری ہے۔ رائے شماری کا فیصلہ چند سال قبل کیا گیا تھا مگر طریقہ کار پر اختلاف ہو گیا۔ اب بنیادی امور پر اتفاق کے بعد رائے شماری کر دی جائے گی۔''

اس اعلامیے میں اقوام متحدہ کو نظر انداز کر دیا گیا، اس موقع پر نہرو نے جغرافیائی اور مذہبی بنیادوں پر حلقہ بندی کر کے استصواب رائے کروانے کی پیشکش کی۔ پاکستان نے سرکاری سطح پر یہ تجویز مسترد کر دی مگر وزیراعظم پاکستان نے نجی سطح پر اس پر غور کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جنوری 1949ء کی دوسری قرارداد کے بعد پاکستان اور بھارت کشمیریوں کو آزادی دینے کی بجائے اس کے حصول کے لیے کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ اور اس کے بعد مذاکرات اور معاہدے اسی سوچ کے تحت ہوئے۔

3 ستمبر کو نہرو نے اس کا کھل کر اظہار کر دیا۔ اپنے ایک خط میں انہوں نے وزیراعظم پاکستان کو لکھا:

''بھارت میں ہم نے عالمی امور کے بارے میں ایک ٹھوس اور واضح رویہ اختیار کیا ہے۔ ہم نے ان

تنازعات میں خود کو ملوث کرنے یا کسی بڑی طاقت یا کسی بلاک سے اپنے ملک کو وابستہ کرنے سے مسلسل انکار کیا ہے۔ اگر کشمیر کو بڑی طاقتوں کے درمیان تنازعہ کا اکھاڑہ بنایا گیا تو نہ صرف بھارت اور پاکستان بلکہ خود کشمیر کے باشندے بھی ثانوی کردار ادا کریں گے۔''

پاکستان جو اپنی فوج کو مضبوط کرنا چاہتا تھا، اس سلسلہ میں اس نے امریکہ سے معاہدے کی بات چیت کی تھی۔ اس کو مسئلہ کشمیر سے جوڑتے ہوئے نہرو نے 9 دسمبر 1953ء کو جو خط لکھا اس میں کہا گیا:

''پاکستان میں بڑے پیمانے پر فوج کی توسیع کی جا رہی ہے، جو یقیناً بھارت میں ردعمل کا باعث بنے گی۔ ہمارے درمیان زیر غور مسائل خصوصاً مسئلہ کشمیر پر اثر پڑے گا۔''

پاکستان نے جواب میں امریکہ سے ہونے والے کسی بھی معاہدے کی تردید کی، تاہم محتاط سفارتی زبان میں بھارت کو یہ باور کروانے کی کوشش کی کہ امریکہ سے فوجی ساز وسامان کے حصول کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں۔

اس دوران بھارت نے رائے شماری پر جو مذاکرات کیے، ان کے پیچھے دو مقاصد تھے۔ ایک شیخ عبداللہ کی اگست میں ہونے والی برطرفی کے بعد عوامی تحریک کو روکا جائے، دوسرا پاکستان اس حوالے سے اقوام متحدہ میں نہ جا سکے۔ ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ پاکستان کشمیر میں اپنی پوزیشن مضبوط کر رہا تھا، کیونکہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق پاکستان کو کشمیر سے مکمل فوج نکالنا تھی۔

1954ء میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے حالات اس قدر صاف ہونے لگے تھے کہ بھارت نے پاکستانی وزیراعظم محمد علی بوگرہ کو بھارت آنے کی دعوت دی اور کشمیر کے حوالے سے مذاکرات کے دوران یہ طے پایا کہ اپریل 1954ء میں دونوں ملک مشترکہ طور پر ریاست کے لیے ایک ''رائے شماری منتظم'' (Plebsite Administrator) مقرر کریں گے، جو ریاست کے عوام کی رائے جان کر دونوں ملکوں کو اپنی رپورٹ پیش کرے گا، تاکہ اس کے بعد آگے کا لائحہ عمل تشکیل دیا جائے۔

''1956ء تک بھارت ریاست جموں وکشمیر کے پورے علاقے بشمول 'آزاد کشمیر' کو ایک متنازعہ خطہ قرار دیتا رہا اور اس کے مستقبل کا تعین کرنے کے لیے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو عملانے پر زور دیتا رہا لیکن اسی سال کے اخیر تک بھارتی سٹینڈ میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی اور بھارت نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کو زائد المعیاد قرار دیتے ہوئے یہ نکتۂ نظر اپنایا کہ یہ ریاست بھارت کا ایک ناقابل تنسیخ حصہ ہے، جبکہ 17 نومبر 1956ء کو ریاستی قانون ساز اسمبلی نے بھی اپنے آئین میں ایک نئی دفعہ (دفعہ 3) کو شامل کر کے اس بات کو تسلیم کیا کہ ''ریاست جموں وکشمیر بھارت کا ناقابل تنسیخ حصہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔'' (پرویز دیوان/کشمیر/صفحہ نمبر 103)، اسی آئین کی دفعہ 4 میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ''ریاست جموں وکشمیر کا مطلب وہ سبھی خطے اور علاقہ جات ہیں، جو کہ 15 اگست 1947ء کے دن ریاست کے حکمران (مہاراجا) کے زیر قبضہ تھے، یعنی جموں، کشمیر، لداخ، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے شمالی علاقہ جات پر مشتمل ایک وسیع وعریض سرزمین کے بارے میں اسمبلی نے تسلیم کیا کہ یہ علاقہ بھارت کا ''اٹوٹ انگ'' بنا رہے گا۔ نام نہاد قانون ساز اسمبلی کی طرف

سے ان قوانین کو منظوری دینے کے بعد بھارت کا کشمیر کے بارے میں مؤقف تبدیل ہوگیا اور اس دن کے بعد اس نے اس ریاست کو بھارت کا ''اٹوٹ انگ'' کہنا شروع کر دیا، اب بھارت کے مطابق بھارت کا جھگڑا پاکستان کے ساتھ صرف اُس کے زیر قبضہ علاقہ جات تک ہی محدود رہ گیا تھا اور اس سے پہلے جو بھارت پاکستان کو ایک حملہ آور قرار دیتا تھا، اب اس کو محض اپنے چند علاقوں پر قابض قرار دینے لگا۔ یہی وہ مقصد اور منزل تھی، جو بھارتی وزیراعظم جواہر لال نہرو ریاست میں اپنی مرضی کی حکومتیں قائم کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے دہلی ایگریمنٹ کی مخالفت کرنے والے اپنے اوّلین دوست شیخ محمد عبداللہ کو تب تک جیل میں رکھا، جب تک کہ انہوں نے کانگریس حکومت کے ذریعے یہ مقصد حاصل نہ کر لیا۔

20/اکتوبر 1962ء کو نہرو نے لداخ میں موجود چینی فوجوں کو زبردستی نکالنے کے لیے اپنی فوج کو حکم دے دیا۔ چین نے اسے اعلان جنگ تصور کیا اور بھارت پر حملہ کر دیا۔ بھارت کو شکست ہوئی۔ چین نے آسام کے بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ چین کی فتح سے مغربی طاقتیں بھارت کی پشت پر آ گئیں۔ وہ چین کو اپنے لیے خطرہ تصور کرتی تھیں۔ انہوں نے بھارت کو اسلحہ دینا شروع کیا، جس پر پاکستان نے احتجاج کیا اور کہا کہ اسلحہ ہمارے خلاف استعمال ہوگا۔

9 سال بعد پاکستان وہ لفظ استعمال کر رہا ہے، جو بھارت نے 54-1953ء میں امریکی امداد ملنے پر پاکستان کے بارے میں استعمال کیے۔ اس صورتحال کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کشمیر کے نام پر بھارت اور پاکستان کے حکمران عالمی برادری سے اسلحہ لے کر خود کو مضبوط کر رہے تھے۔ سرمایہ داروں کی اسلحہ کی صنعت کا کاروبار عروج پر تھا۔ اس لیے مسئلہ کشمیر کا باقی رہنا ضروری تھا۔ بھارت نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اب مسئلہ کشمیر کو بھارت، چین سرحدی تنازعے سے جوڑ دیا۔

15/دسمبر 1962ء کو نہرو نے لندن کے انڈیپنڈنٹ ٹیلی ویژن کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ جب تک چین کے ساتھ سرحدی تنازعہ طے نہیں ہوتا اس وقت تک کشمیر کے بارے میں پاکستان کے ساتھ صحیح معنوں میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ چین کے ساتھ لڑائی میں وادئ کشمیر ہمارے لیے زبردست اہمیت رکھتی ہے۔

دوسری طرف ایوب خان نے راولپنڈی میں کہا کہ:

''تنازعہ کشمیر کا اصل حل استصواب رائے ہی ہے۔ لیکن اگر دوسرے فریق کے پاس کوئی بہتر حل موجود ہے تو پاکستان اس پر بھی غور کرنے کو تیار ہوگا۔''

27/دسمبر تا 30 دسمبر 1962ء کو وزارت خارجہ کی سطح پر مذاکرات کا پہلا دور ہوتا ہے۔ مذاکرات سے قبل بھارتی وفد کے سربراہ نے کہا کہ کشمیر بھارت کا لازمی حصہ بن چکا ہے۔ ہمیں حقیقت پسندانہ اقدام اٹھانے کے لیے خیرسگالی کی فضا پیدا کرنا ہوگی۔

بات چیت بغیر نتیجہ کے ختم ہوئی۔ پاکستان کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو نے مسئلہ کشمیر حل نہ کرنے پر علاقہ کے امن کے لیے خطرہ قرار دیا۔ تاہم مناسب وقت پر معاملات طے کرنے کی بات کی گئی۔ یہ مناسب وقت دونوں ممالک کے مفادات تھے۔

جنوری 1963ء میں نئی دہلی میں مذاکرات کا ایک اور دور ہوا۔ بھارت نے تقسیم کشمیر کے لیے بات کی۔ پاکستان نے اس پر بھی رضامندی ظاہر کر دی۔

26 / جنوری 1963ء کو ایوب خان نے امریکی صدر کنیڈی کو ایک خط لکھا "ہمارا اصرار نہیں ہے کہ وادیٔ کشمیر کے مسئلے کو فوراً حل کیا جائے، اس مسئلے کو آئندہ کبھی حل کرنے کے لیے چھوڑا جا سکتا ہے۔"

8 تا 11 / فروری مذاکرات کے تیسرے دور میں ذرائع ابلاغ کے مطابق بھارت نے پاکستان کو پیشکش کی کہ آپ کو آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کا کچھ حصہ، وادیٔ کشمیر کے کچھ مغربی اور جنوبی علاقے دینے کے لیے تیار ہیں۔ مگر پاکستان کا مطالبہ تھا کہ بھارت وادیٔ چناب، وادیٔ کشمیر اور جموں کے کچھ علاقے پاکستان کو دے۔ بھٹو کا کہنا تھا کہ دونوں ممالک کا مؤقف ناقابل مصالحت ہے۔ سورن سنگھ کا کہنا تھا، دونوں ممالک کے درمیان اختلافات زیادہ ہیں، لہٰذا کسی بھی حل پر پہنچنا مشکل ہے۔

12 تا 14 مارچ مذاکرات کا چوتھا دور ناکام رہا۔ اس دوران موضوع گفتگو پاک، چین سرحدی معاہدہ تھا۔ بھٹو، سورن سنگھ مذاکرات کے پانچویں دور میں جو 22 تا 25 اپریل 1963ء کو ہوئے، پاکستان نے پاک چین دوستی ایک طرف رکھتے ہوئے بھارت کو پیشکش کی کہ اگر بھارت آزاد کشمیر، وادیٔ کشمیر اور چناب پر پاکستان کا حق تسلیم کر لے تو پاکستان عارضی طور پر بھارت کو وادی سے لداخ تک کا راستہ فراہم کر سکتا ہے تاکہ وہ چین سے نمٹ سکے۔ بھارت نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

مذاکرات کا چھٹا دور 15 تا 16 مئی 1963ء کو ہوا، اس میں پاکستان نے تجویز دی کہ بھارت 6 ماہ کے لیے وادی سے فوج نکال لے۔ اس عارضی مدت میں بین الاقوامی فوج تعینات کی جائے گی۔ چھ ماہ بعد وادی کے لوگوں سے پوچھا جائے گا کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ بھارت نے یہ تجویز بھی مسترد کر دی۔

اس تجویز کی روشنی میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پاکستان جموں کے ہندو بیلٹ اور لداخ سے عملاً دستبرداری کے لیے تیار تھا۔ تاہم اس موقع پر مذاکرات کو ناکامی سے بچانے کے لیے بھارتی وفد نے ایک تجویز دی کہ دونوں ممالک اعلان کریں کہ تنازعات کو طاقت کے بجائے پرامن سیاسی طریقے سے طے کیا جائے گا۔ اور موجودہ صورت کو تبدیل کرنے کے لیے قوت کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا۔

1965ء کی جنگ کے بعد 10 / جنوری 1966ء کو تاشقند معاہدے میں مسئلہ کشمیر کو آنے والے وقتوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اس معاہدے میں لفظ جموں کشمیر ایک دفعہ لکھا گیا۔

اعلان تاشقند (10 / **جنوری** 1966ء):

وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے تاشقند میں ملاقات کی۔ بھارت اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی موجودہ صورتحال پر بحث کرنے کے بعد وہ ان ممالک کے درمیان نارمل اور پرامن تعلقات کی بحالی اور ان کے عوام کے درمیان افہام و تفہیم اور دوستانہ تعلقات کی ترقی کے مضبوط عزم کا اعلان کرتے ہیں۔ ان (سربراہوں) کا خیال ہے کہ ان مقاصد کا حصول بھارت اور پاکستان کے سات کروڑ عوام کی فلاح و بہبود کے

لیے بنیادی اہمیت رکھتا ہے:-

۱۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس بات پر اتفاق کا اظہار کرتے ہیں کہ دونوں فریق اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت پاکستان اور بھارت کے درمیان بہترین دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ وہ (اقوام متحدہ کے چارٹر کے تحت) اپنے اس وعدے کا اعادہ کرتے ہیں کہ وہ قوت کا استعمال نہیں کریں گے اور اپنے تنازعات پرامن ذرائع سے حل کریں گے۔ ان کا خیال ہے کہ اس علاقے میں اور بالخصوص برصغیر پاک و ہند میں امن کے مفادات میں کھچاؤ باقی رہے گا۔ اس پس منظر میں جموں کشمیر پر بات چیت کی گئی اور دونوں فریقوں نے اپنا اپنا موقف پیش کیا۔

۲۔ بھارت کے وزیراعظم اور صدر پاکستان اس پر متفق ہیں کہ دونوں ممالک کے مسلح دستے 25/فروری 1966ء سے پہلے اپنی ان پوزیشنوں پر واپس بلا لیے جائیں جہاں وہ 25/اگست 1965ء سے پہلے تعینات تھے۔ اور یہ کہ دونوں فریق جنگ بندی لائن پر سیز فائر کی شرائط کی پابندی کریں۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بھارت اور پاکستان کے باہمی تعلقات کی بنیاد یہ اصول ہونا چاہیے کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔

۳۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈے کی حوصلہ شکنی کریں گے اور ایسے پروپیگنڈے کی حوصلہ افزائی کریں گے جو دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات میں مدومعاون ہو۔

۵۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ بھارتی ہائی کمشنر برائے پاکستان اور پاکستانی ہائی کمشنر برائے بھارت اپنے اپنے عہدوں پر واپس چلے جائیں گے اور دونوں ممالک کے سفارتی مشن حسب معمول اپنا اپنا کام بحال کردیں گے۔ سفارتی تعلقات میں دونوں حکومتیں وی آنا کنونشن 1961ء کی پابندی کریں گی۔

۶۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے بھارت اور پاکستان کے درماین اقتصادی اور تجارتی تعلقات، مواصلات اور ثقافتی تبادلوں کی بحالی پر نیز موجودہ معاہدوں پر عمل درآمد کے لائحہ عمل پر بھی غور کرنے پر اتفاق کیا ہے۔

۷۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ وہ اپنے اپنے متعلقہ حکام کو جنگی قیدیوں کے تبادلے کے بارے میں احکامات جاری کریں گے۔

۸۔ وزیراعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں فریق مہاجرین کی

بے دخلی اور غیر قانونی داخلے کے مسائل پر گفت وشنید جاری رکھیں گے۔انہوں نے اس پر بھی اتفاق کیا کہ دونوں فریق ایسے حالات پیدا کریں گے کہ وطن چھوڑنے کا عمل رک جائے۔انہوں نے اس جائیداد اور ان اثاثوں کی واپسی کے بارے میں گفت و شنید پر بھی اتفاق کیا ہے جن پر کسی فریق نے جنگ کے دوران قبضہ کر لیا تھا۔

۹۔ وزیر اعظم بھارت اور صدر پاکستان نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں فریقین ان مسائل پر گفت وشنید کرنے کے لیے جو ان سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، اعلیٰ اور دیگر سطحوں پر آپس میں ملاقات کرتے رہیں گے۔دونوں فریقوں نے اس ضرورت کے احساس کا بھی اظہار کیا کہ مشترکہ بھارتی و پاکستانی تنظیمیں بنائی جائیں جو اپنی حکومتوں کو اس امر پر مشورے دیں کہ مزید اقدامات کیا اٹھائے جانے چاہئیں۔

۱۰۔ وزیر اعظم بھارت اور صدر پاکستان، سوویت یونین کے لیڈروں، سوویت حکومت اور ذاتی طور پر چیئر مین آف دی کونسل آف منسٹرز آف دی یو ایس ایس آر کے لیے اس امر پر گہری تحسین اور تشکر کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے اس قابل اطمینان فیصلے پر منتج ہونے والی ملاقات کے انعقاد میں نہایت تعمیری، دوستانہ اور شریفانہ انداز میں حصہ لیا۔

۱۱۔ وہ ازبکستان کے دوست عوام اور حکومت کا بھی نہایت خلوص سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انہوں نے شاندار استقبال اور مہمان نوازی کا ثبوت دیا۔ وہ چیئر مین آف دی کونسل آف منسٹرز آف دی یو ایس ایس آر کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ بھی بطور گواہ اس اعلان پر دستخط ثبت کریں۔

وزیر اعظم بھارت: لال بہادر شاستری   صدر پاکستان: محمد ایوب خان

(بحوالہ: اعلان تاشقند، صفحہ 16 تا 19، مطبوعہ حکومت پاکستان کراچی)

اعلان تاشقند کے بعد ایوب خان نے ایک سوویت اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا:

''اگر تاشقند میں مسئلہ کشمیر حل کرنے کی کوشش کی جائے تو مجھے اس سے اور بھی خوشی ہوگی۔''

تاشقند معاہدے سے قبل لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد کے لیے ہندوستان رضامند تھا مگر ایوب خان نہ مانے۔

1965ء کی جنگ کے 6 سال بعد پاکستان اور بھارت جنگی محاذ پر ایک مرتبہ پھر آمنے سامنے تھے۔اس جنگ میں پاکستان کو اپنے ایک بڑے حصے مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی علیحدگی برداشت کرنا پڑی، پاکستان کا بنگال کے علاوہ 5 ہزار میل رقبہ اور 93 ہزار فوجی بھارت کے قبضے میں چلے گئے۔جنگ کے بعد دونوں ممالک نے ایک دفعہ پھر مذاکرات کی راہ اپنائی اس سلسلہ میں 2/ جولائی 1972ء کو صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو اور اندرا گاندھی کے درمیان حتمی مذاکرات ہوئے۔اس معاہدے کے نتیجے میں دونوں ممالک

کے درمیان اشملہ معاہدہ ہو۔

شملہ معاہدہ (02/ **جولائی** 1972ء):

بھارت اور پاکستان کی حکومتیں یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ دونوں ملک اس تصادم اور محاذ آرائی کو ختم کر دیں گے جس کی وجہ سے ان کے تعلقات خراب رہے ہیں اور آپس میں دوستانہ اور خوشگوار تعلقات کو فروغ دینے اور برصغیر میں پائیدار امن قائم کرنے کے لیے کام کریں گے تا کہ دونوں ملک آئندہ اپنے وسائل اور توانائیاں اپنے عوام کی فلاح و بہبود کے اشد ضروری کاموں میں صرف کر سکیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اس بات پر رضامند ہوگئی ہیں کہ:-

۱۔ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات منشور اقوام متحدہ کے اصولوں اور مقاصد کی روشنی میں استوار ہوں گے۔

۲۔ دونوں ملک یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے باہمی اختلافات گفت وشنید یا کسی ایسے پر امن طریقے سے جس پر ان کے درمیان اتفاق رائے ہو گیا ہو، پرامن طور پر طے کریں گے۔ دونوں ملکوں کے درمیان تنازعات کا آخری تصفیہ ہونے سے قبل کوئی بھی فریق یک طرفہ طور پر صورتحال کو تبدیل نہیں کرے گا اور دونوں فریق کسی ایسے اقدام کی تنظیم، اعانت یا حوصلہ افزائی کا سد باب کریں گے جس کا پرامن اور خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے پر مضر اثر پڑ سکتا ہے۔

۳۔ دونوں ملکوں کے درمیان مصالحت اچھے ہمسایوں کے سے تعلقات اور پائیدار امن کی بنیادی شرط پر دونوں فریقین کا یہ عہد ہے کہ وہ پرامن بقائے باہمی، ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کے احترام اور برابری اور باہمی مفاد کی بنیاد پر ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کی پابندی کریں۔

۴۔ ان بنیادی تنازعات اور تصادم کے اسباب جن کی وجہ سے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات گزشتہ 25 سال سے خراب ہیں، پرامن طریقوں سے طے کیا جائے گا۔

۵۔ وہ ایک دوسرے کے قومی اتحاد، علاقائی سالمیت، سیاسی آزادی اور خود مختارانہ برابری کا احترام کریں گے۔

۶۔ وہ منشور اقوام متحدہ کے مطابق ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کے استعمال کی دھمکی سے پرہیز کریں گے۔

۷۔ دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈہ روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں گی اور ایسی معلومات کی ترویج کی حوصلہ افزائی کریں گی جس سے دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ حاصل ہو۔

دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کو بتدریج بحال کرنے اور معمول پر لانے کے لیے یہ طے پایا کہ:-

(الف) مواصلات، ڈاک وتار، بحری اور خشکی کے راستے سفر، جن میں سرحدی چوکیاں بھی شامل ہیں اور فضائی پروازیں، جن میں ایک دوسرے کے علاقے کے اوپر سے گزر کر جانا بھی شامل ہے، بحال کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

(ب) دوسرے ملک کے باشندوں کے لیے سفر کی سہولتوں کو فروغ دینے کے مقصد سے مناسب اقدام اٹھائے جائیں گے۔

(ج) جہاں تک ممکن ہو گا تجارت اور اقتصادی اور دوسرے متفقہ میدانوں میں تعاون کو بحال کیا جائے گا۔

(د) سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں تبادلوں کو فروغ دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ضروری تفصیلات طے کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے وفود وقتاً فوقتاً ملاقاتیں کریں گے۔ پائیدار امن کے قیام کے عمل کو شروع کرنے کے لیے دونوں حکومتیں اس بات سے اتفاق کرتی ہیں کہ:-

۱۔ بھارتی اور پاکستانی فوجیں بین الاقوامی سرحد پر اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلی جائیں گی۔

۲۔ جموں و کشمیر میں 17 ر دسمبر 1971ء کی جنگ بندی کے نتیجے میں جو کنٹرول لائن وجود میں آئی ہے، دونوں فریق اپنے مسلمہ مؤقف کے باوجود اس کا احترام کریں گے۔ کوئی فریق اپنے اختلافات اور قانونی توضیحات میں فرق کے باوجود اسے یک طرفہ طور پر تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ دونوں فریق یہ بھی عہد کرتے ہیں کہ وہ اس کنٹرول لائن کی خلاف ورزی میں طاقت کے استعمال یا اس کے استعمال کی دھمکی سے پرہیز کریں گے۔

۳۔ اس معاہدے کے نافذ العمل ہوتے ہی

فوجوں کی واپسی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا اور
اس کے بعد کوئی 30 دن کے اندر مکمل ہو
جائے گا۔

دونوں ملک اپنے اپنے آئینی طریقہ کار کے مطابق اس معاہدے کی توثیق کریں گے اور یہ معاہدہ اس تاریخ سے نافذ العمل ہو جائے گا۔ جس تاریخ کو اس کی توثیق کی دستاویز کا تبادلہ عمل میں آئے گا۔

دونوں حکومتیں اس بات سے اتفاق کرتی ہیں کہ ان کے سربراہ مستقبل میں مناسب وقت پر پھر ملیں گے اور دریں اثناء فریقین کے نمائندے پائیدار امن کے قیام، تعلقات کو معمول پر لانے جس میں جنگی قیدیوں اور زیر حراست شہریوں کی واپسی بھی شامل ہے۔ جموں وکشمیر کے آخری تصفیے اور سفارتی تعلقات کی بحالی کے سوالات پر غور وخوض کرنے کے لیے ملاقات کریں گے۔

دستخط (ذوالفقار علی بھٹو) دستخط (اندرا گاندھی)

صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان وزیراعظم جمہوریہ بھارت

اس معاہدے کے اہم ترین نکات پر اگر غور کیا جائے تو یہ معاہدہ کشمیریوں کی پیٹھ پر زہر میں بجھے خنجر سے وار تھا، جن کے مطابق:

- ☆ دونوں ممالک تصادم اور محاذ آرائی کو ختم کر دیں گے جس کی وجہ سے ان کے تعلقات خراب ہو رہے ہیں۔
- ☆ سٹیٹس کو (حسب حال) برقرار رکھا جائے گا۔ ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کی پابندی کی جائے گی۔
- ☆ جموں کشمیر میں 17 / دسمبر 1971ء کی جنگ بندی کے نتیجے میں جو کنٹرول لائن وجود میں آئی ہے، دونوں فریق اپنے مسلمہ مؤقف باوجود اس کا احترام کریں گے۔ کوئی فریق اس کو یک طرفہ طور پر تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔

معاہدے کی یہ تینوں شقیں کشمیریوں کی آزادی اور خودمختاری کے خلاف تھیں۔

درج بالا پہلی شق کے مطابق وہ تصادم اور محاذ آرائی ختم کریں گے جس کی وجہ سے ماضی میں تعلقات خراب رہے، وہ ریاست کشمیر ہے۔

دوسری شق میں ریاست کا جو حصہ جس کے پاس ہے اس کے معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں کی پابندی کا عہد کیا گیا ہے۔

سیز فائر کو لائن آف کنٹرول میں بدل دیا گیا۔

کشمیر کے لیے ہزاروں سال تک جنگ لڑنے کے دعویدار اور معاہدہ تاشقند میں ایوب خان پر کشمیر مذاکرات کی میز پر ہارنے کے الزامات لگانے والے بھٹو نے کشمیریوں کی پیٹھ میں اپنے پیشروؤں کی طرح خنجر گھونپا۔ حتمی معاہدے سے قبل میڈیا کے ذریعے زوردار بیان دیے اور مذاکرات کی میز پر سب کچھ ہار دیا۔

چونکہ بھٹو کے لیے کشمیری اہم نہیں تھے اس کے وہ 93 ہزار فوجی اہم تھے جو بھارت نے جنگ میں قید کر لیے تھے۔ کچھ رقبہ بھی تھا۔ اس لیے شکست خوردہ پاکستان کے لیے کشمیریوں کی قیمت پر یہ ایک بہترین معاہدہ تھا۔

شملہ معاہدے کے وقت موجود کشمیری پنڈت پی این دھر ''اندرا گاندھی، ایمرجنسی اینڈ انڈین ڈیموکریسی'' کے صفحہ نمبر 195 سے آگے اپنے مضمون ''مسز اندرا گاندی، بھٹو اینڈ شملہ ایگریمنٹ'' میں پاکستانی وزیراعظم مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''اس سمجھوتے کے دوران بھٹو نہ صرف جنگ بندی لائن کو ''لائن آف کنٹرول'' میں تبدیل کرنے پر آمادہ تھے بلکہ اس کے لیے انہوں نے پہلے سے ہی ایک لفظ ''امن کی لکیر'' تجویز کر رکھا تھا، وہ اس بات پر بھی آمادہ تھے کہ اس لکیر کو دھیرے دھیرے ایک بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اور یہ عمل درج ذیل طریقے سے طے پائے: ان دنوں چونکہ بھارت اور پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے منقسم حصوں کے درمیان لوگوں کا آنا جانا بہت بڑھ گیا تھا اس لیے اس کو اوّلاً کم کرنا ضروری تھا، جس کے لیے یہ طے پایا کہ سرحد پر کچھ خاص مقامات پر چیک پوائنٹ بنوائے جائیں، جہاں سے ایک باضابطہ عمل کے ذریعے لوگوں کو آنے جانے کی اجازت دی جائے، ان مقامات پر ایمگریشن کنٹرول اور کسٹم کلیئرنس کے دفاتر قائم کیے جائیں، علاوہ ازیں کشمیر کا جو حصہ پاکستان کے پاس ہے، اسے پوری طرح سے پاکستان میں ضم کر دیا جائے، جس کے آغاز کے لیے بھٹو کی پارٹی (پاکستان پیپلز پارٹی) سب سے پہلے وہاں اپنی جماعت کی شاخیں کھولے اور بعد میں سارا علاقہ پاکستانی انتظامیہ اپنی تحویل میں لے لے جبکہ اس کام کے دوران بھارت برائے نام احتجاج کرے، اس وقت یہ تصور کر لیا گیا تھا کہ لائن آف کنٹرول کو (de-facto frontier) کا نام دے دینے اور اس نام کو بار بار دہرانے کی وجہ سے عوام کے دلوں میں بھی یہ term گھر کر لے گی اور اسے ایک بین الاقوامی سرحد میں تبدیل کرنا آسان ہو جائے گا۔ اسی کے ساتھ ساتھ دونوں ملکوں کے درمیان تجارت اور کاروبار کے بحالی کی وجہ سے ان میں پایا جانے والا تناؤ بھی کم ہو جائے گا، جس کی وجہ سے لوگوں میں پائی جانے والی دوریاں بھی کم ہوں گی۔ ان سبھی نکتوں کو سننے کے بعد مسز اندرا گاندھی نے بھٹو سے کہا'' کیا یہی وہ دو نکتے ہیں، جن پر ہمیں آگے بڑھنا ہے؟'' (پی این دھر)

شملہ معاہدے سے قبل مذاکرات کو اگر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اندرا گاندھی خود کچھ نہیں بول رہی تھیں بلکہ وہ سب سُن رہی تھیں، جو مرحوم بھٹو انہیں سُنا رہے تھے، جس کی وہ پہلے سے تیاری کر کے آئے تھے اور اب انہیں اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ کسی نہ کسی طرح پاکستان کے ایک لاکھ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے تا کہ اس حوالے سے وہ اپنی قوم کو مطمئن کر سکیں۔ امریکی اخبار نیویارک ٹائمز کے نامہ نگار جیمز پی سٹریبا (James P. Streba) نے اس ملاقات کے چند گھنٹے بعد اپنی ایک تجزیاتی رپورٹ میں ذوالفقار علی بھٹو کے ایک قریبی رازدار کے حوالے سے لکھا تھا کہ شملہ سمجھوتہ دراصل دونوں ممالک کے درمیان ایک ایسا سودا ہے جسے دونوں ملکوں کے حکمران اپنے عوام کو بیوقوف بنانے کے لیے کافی دیر تک بیچتے رہیں گے

اور اپنی کرسی پر بیٹھے رہیں گے۔

پی این دھرا اپنے مضمون میں اس حوالہ سے مزید لکھتے ہیں: ''پاکستان پر کئی برس تک حکومت کرنے والے بھٹو کی حالت شملہ ایگریمنٹ کے وقت ایسی تھی کہ وہ ریاست جموں وکشمیر کے ان حصوں میں سے ایک تہائی حصہ بھارت کو دے دینے پر بھی آمادہ تھے، جو پاکستان کے قبضے میں تھے، وہ جنگ بندی لائن کو مستقل سرحد بنانے پر بھی آمادہ تھے اور بھارت کے ساتھ بہت ہی ملائم اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے متمنی بھی۔ انہوں نے مسز گاندھی سے کہا تھا کہ انہیں اس کام میں چند سال کی مہلت درکار ہوگی تا کہ اس دوران وہ اپنے ملک کے عوام کو سمجھانے میں کامیاب ہوجائیں اور وہ یہ بات کسی دنگے، فساد اور اس کی حکومت کو زک پہنچائے بغیر انجام دینے کے لیے تیار ہوسکیں، یہ تھی دونوں ملکوں کے رہنماؤں کے درمیان شملہ مفاہمت اور یہ تھا مسئلہ کشمیر کے لیے ''شملہ حل''(پی این دھر، صفحہ نمبر 196)

31/ جولائی 1988ء میں کشمیر کے ایک حصہ وادی میں پاکستان کی طرف سے مسلح تحریک شروع ہوئی۔ بھارت نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے جو کچھ ممکن تھا وہ کیا۔ پاکستان نے اس مسلح تحریک کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے کشمیری تنظیموں کے متبادل پاکستانی اسلام نواز تنظیمیں بنا کر کشمیری آزادی پسندوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔

جنوری 1990ء میں کشمیر میں گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔ 18، 19/ جولائی 1990ء کو خارجہ سیکرٹریوں کے اسلام آباد میں مذاکرات شروع ہوئے۔ ان مذاکرات میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں کشیدگی زیر بحث آئی۔

10، 11/ اگست 1990ء کو مذاکرات کا دوسرا دور ہوا۔ 10 تا 20 دسمبر مذاکرات کا تیسرا اور 4 تا 6 اپریل 1991ء کو مذاکرات کا چوتھا دور ہوا۔ 30، 31/ اکتوبر کو پانچواں جبکہ 17، 18، 19/ اگست 1992ء کو چھٹا دور ہوا، مگر نتائج برآمد نہ ہوسکے۔

اگست 1993ء میں پاکستان میں بے نظیر بھٹو نے اقتدار سنبھالا۔ نرسمہا راؤ نے مذاکرات کی پیشکش کی مگر ایجنڈا وہی کا وہی تھا کہ ''کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے، پاکستان اگر کشمیر کو ہمارا حصہ تسلیم کرلے تو تمام مسائل حل ہوجائیں گے۔''

تاہم بھارت نے اپنی شرائط کے ساتھ بے نظیر بھٹو حکومت کو مذاکرات کی اس لیے پیشکش کی تھی کہ پاکستان نے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں پر قرارداد پیش کر رکھی تھی۔ بھارت اس قرارداد سے بچنا چاہتا تھا۔ بعدازاں پاکستان نے قرارداد واپس لے لی۔

ٹائمز آف انڈیا نے 10 جون 1999ء کی اپنی اشاعت میں لکھا ہے کہ اس دوران بے نظیر بھٹو نے بھی تنازعۂ کشمیر کے حل کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز دیں:

1۔ کشمیر کے دونوں حصے آمدورفت کے لیے کھلے رہنے چاہئیں۔

2۔ دونوں حصوں سے فوجیں واپس بلالی جائیں۔ اور کسی بین الاقوامی یا اتفاق رائے سے

انڈو پاک کا باہمی امن قائم رکھنے کے لیے تنظیموں کے مسلسل گشت کا بندوبست کیا جائے۔

3۔ کشمیر کے دونوں حصوں کے مجالس قانون ساز کے اجلاس علیحدہ علیحدہ اور بعض مخصوص موقعوں پر اکٹھے بھی ہونے چاہئیں۔

4۔ دونوں جانب کے عوام کو خلاف معمول میل جول کی آزادی دی جائے۔

20 فروری 1999ء میں بھارتی وزیراعظم مذاکرات کے لیے لاہور آئے۔ انہوں نے مینار پاکستان کے پاس کھڑے ہوکر 'پاکستان ایک حقیقت ہے'' کوتسلیم کیا۔ وزیراعظم پاکستان نواز شریف اور بھارت کے وزیراعظم کے درمیان تنہائی میں ون ٹو ون ایک گھنٹہ ملاقات ہوئی۔

اس سے قبل دونوں ممالک کی وزرائے خارجہ اور دیگر حکام کا بھی ایک اہم اجلاس ہوا جو 90 منٹ تک جاری رہا۔ اس اجلاس میں پاکستان کی طرف سے وزیر خارجہ سرتاج عزیز وزیر مملکت برائے خارجہ امور صدیق کانجو اور بھارت کی طرف سے وزیر خارجہ جسونت سنگھ اور بھارت کے وزیراعظم کے سپیشل سکیورٹی ایڈوائزر ستیش شرما شامل تھے۔ اجلاس کے بعد دونوں ممالک کے حکام نے بتایا کہ یہ مذاکرات کامیاب رہے ہیں اور ان میں کشمیر، ایٹمی اسلحے کی دوڑ روکنے کے امور پر بات چیت کے علاوہ دونوں ممالک کے مختلف شعبوں میں تعاون بڑھانے پر بھی اتفاق کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ متنازعہ امور طے کرنے کے لیے ہر سطح پر بات چیت جاری رکھنے پر اصولی اتفاق کیا گیا ہے۔ واجپائی کے دورہ پاکستان کے دوران مذاکرات کے بعد جن امور پر اتفاق کیا گیا وہ اعلان لاہور کی شکل میں سامنے آئے۔

اعلان لاہور:

21 فروری کو گورنر ہاؤس لاہور میں استقبالیہ کے دوران ''اعلان لاہور'' جاری ہوا، سربراہ ملاقات میں جن امور پر سمجھوتہ ہوا اس کی تفصیل اس طرح ہے:-

1۔ دونوں ممالک بیلسٹک میزائل کے ٹیسٹ سے قبل ایک دوسرے کو تحریری طور پر آگاہ کریں گے اور اس سلسلے میں دونوں ممالک باہمی طور پر ایک معاہدہ پر بھی دستخط کریں گے۔

2۔ دونوں ممالک باہمی طور پر مذاکرات کریں گے جن میں سلامتی اور نیوکلیئر ڈاکٹرائن (Doctrines) کے حوالہ سے باہمی اعتماد بڑھانے کے لیے لائحہ عمل طے ہوگا تاکہ کسی ممکنہ تنازعہ سے محفوظ رہا جاسکے۔

3۔ دونوں ممالک اس بات پر مکمل اتفاق کرتے ہیں کہ وہ قومی سطح پر ایسے اقدامات کریں گے جس کے تحت ایٹمی اسلحہ کے کسی بھی حادثاتی غیر مجاز استعمال کے خطرہ کو کم سے کم کیا جاسکے۔ اس سلسلہ میں دونوں ممالک نے اس امر پر بھی اتفاق کیا ہے کہ وہ ایٹمی اسلحہ کے حوالے سے بھی قسم کے حادثہ غیر مجاز استعمال یا کسی اور واقعہ کی ایک دوسرے کو

تحریری طور پر اطلاع دیں گے، جس کے نتیجہ میں ایٹمی جنگ کا خطرہ ممکن ہو۔ اس کے ساتھ ایسے اقدامات بھی کیے جائیں گے جن میں ایسے واقعات کی روک تھام کا انتظام کیا جائے اور دونوں ممالک باہمی طور پر ایسا نظام بھی وضع کریں گے جس سے ایسے کسی حادثہ کی بروقت اطلاع دی جا سکے اور کسی بڑی غلط فہمی سے بچا جا سکے۔

4۔ دونوں ممالک اپنے طور پر اس پابندی پر عمل کریں گے کہ مزید ایٹمی ٹیسٹ نہ کیے جائیں جب تک کہ ان کے ممالک میں اس حوالہ سے کوئی غیر معمولی صورت حال پیدا نہ ہو جائے اور دھماکہ کرنا ان کے سخت ترین مفاد کے لیے ناگزیر ہو۔

5۔ دونوں ممالک سمندر میں حادثات کی روک تھام کے بچاؤ کے حوالہ سے بھی ایک معاہدہ پر دستخط کریں گے تا کہ دونوں ممالک کی سمندری آبدوزوں اور ایئر کرافٹ کا تحفظ کیا جا سکے۔

6۔ دونوں ممالک کے باہمی اعتماد کو فروغ دینے کے لیے ممکنہ اقدامات پر عمل درآمد کے لیے ایک ٹھوس و جامع لائحہ عمل مرتب کریں گے تا کہ باہمی اعتماد کی فضا کو فوری ممکن بنایا جا سکے۔

7۔ دونوں ممالک نے اس امر پر بھی اتفاق کیا ہے کہ وہ باہمی طور پر قائم ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشن کی سطح پر قائم مواصلاتی رابطہ کو مزید بہتر درجہ دینے اور محفوظ بنانے کے لیے بھرپور جائزہ لیں گے۔

8۔ دونوں ممالک باہمی طور پر سلامتی، تخفیف اسلحہ اور ایٹمی عدم پھیلاؤ پر مذاکرات کریں گے۔ اس سلسلہ میں یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ اس حوالہ سے جہاں بھی ضرورت ہو گی دونوں ممالک کے تکنیکی ماہرین کی خدمات حاصل کی جائیں گے اور 1999ء کے وسط سے قبل ان تمام معاملات پر دستخط کر لیے جائیں گے۔

اس میمورنڈم آف انڈرسٹینڈنگ کے شروع میں دونوں ممالک نے اقوام متحدہ کے چارٹر اور شملہ معاہدہ کی روح کے مطابق عملدرآمد کا عزم ظاہر کیا۔ اس کے علاوہ اس میں کہا گیا کہ 23 ستمبر 1998ء کو دونوں ممالک کے وزرائے اعظم میں امن وسلامتی کے بارے میں نیویارک معاہدہ کی رہنمائی میں جموں و کشمیر سمیت تمام متنازعہ مسائل حل کیے جائیں گے اور یہ مفاہمت کی یادگار لاہور میں دونوں وزرائے اعظم کی امن و سلامتی کے لیے اقدامات کرنے کی ہدایت کے تحت تیار کی گئی۔

20 فروری 1999ء کی پاک بھارت وزرائے اعظم (نواز شریف اور واجپائی) ملاقات میں دونوں نے کشمیر پر ایک ایک ماہر مقرر کر کے خفیہ مذاکرات کا فیصلہ کیا۔ واجپائی نے ممبئی کے ایک اخبار کے پبلشر آر کے مشرا اور نواز شریف نے ریٹائرڈ سفیر نیاز نائیک کو تعینات کیا۔

نواز شریف نے اس معاملہ میں پاکستان کے مقتدر اداروں کو اعتماد میں نہیں لیا۔ نائیک اور مشرا کے

درمیان غیر معمولی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ 27 مئی 1993ء کو نائیک اور مشرا نے دہلی کے امپیریل ہوٹل میں ملاقات کی۔ یہ ملاقات 4 روز تک جاری رہی۔ ان مذاکرات میں مسئلہ کشمیر پر اپنی اپنی حکومتوں کے عوامی بیانات سے بالاتر ہو کر عمل کرنے کی حکمت عملی اپنائی گئی۔ دہلی کشمیر کو اٹوٹ انگ نہیں کہے گا اور پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادوں کا حوالہ نہیں دے گا۔ دونوں ممالک کی عوام کے تقاضوں کو متوازن رکھنے کے بارے کا آپشن موجود تھا۔ واجپائی کا مسئلے کا جزوی حل کے بجائے مکمل حل کا عنصر بھی ایجنڈے کا حصہ بن گیا۔ مشرا کی تجویز کنٹرول لائن، مستقل سرحد نیاز نائیک نے ناقابل عمل قرار دے کر مسترد کر دیں۔ خود مختاری کے نظریے کو مشرا نے مسترد کر دیا کہ بھارت کے اندر موجود دیگر تحریکیں سر اٹھائیں گی۔ ہندو مسلم بنیادوں پر تقسیم کو مسترد کر دیا گیا۔

(نیاز نائیک کا انٹرویو 2000ء)

بالآخر کشمیر کو تقسیم کرنے کا فیصلہ ہوا لیکن موجودہ کنٹرول لائن کی بنیاد پر نہیں۔ نائیک کی طرف سے وہی مشورہ تھا جو بھٹو، سورن سنگھ مذاکرات کے ایک دور میں پاکستان دے چکا تھا کہ بھارت دریائے چناب کے مشرق اور جنوب کا تمام علاقہ لے لے۔ مشرا نے ہوٹل کی ایک دکان سے کشمیر کا نقشہ خریدا اور پھر کہا کہ اپنے اپنے وزیراعظم کو یہ تجویز دے کر مزید مذاکرات کیے جائیں۔ لیکن اس پر عمل ہونے سے قبل کارگل کا واقعہ ہو گیا۔ کارگل کے بعد نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا، جنرل مشرف نے اقتدار سنبھالا۔ مشرف دور میں کشمیر ایشو بین الاقوامی توجہ کا مرکز بنا۔ مشرف نے اپنے فوجی اور سیاسی دوستوں سے مشاورت کے بعد ایک نیا فارمولا پیش کیا۔

پرویز مشرف فارمولا:

(۱) سرحدوں کا غیر متعلق ہونا۔ (۲) تمام ریجنز کا حق خود حکمرانی (۳) فوجوں کا انخلاء۔ (۴) انتظامی حصوں کی بنیاد پر مشترکہ انتظام۔

2004ء سے 2014ء تک کے عرصہ میں پاکستان اور بھارت میں اسی فارمولے کا چرچا رہا۔ یہ فارمولا کیا تھا، اس پر کھل کر کبھی بات نہیں کی گئی۔ سب مفروضے تھے۔ سب سے پہلے مشرف دور کے وزیر خارجہ خورشید قصوری نے اس کا انکشاف کیا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ دونوں ممالک مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ یہ فارمولا کیا تھا۔ اس پر تازہ انکشاف سنجے بارو نے کیا جو بھارتی وزیراعظم منموہن سنگھ کے میڈیا ایڈوائزر تھے۔ ان کی کتاب {"The Accidental Prime Minister: The making and unmaking of Manmohan Singh"} یا ''منموہن سنگھ، ایک حادثاتی وزیراعظم'' منظر عام پر آئی ہے۔ اس میں کشمیر فارمولے کا خاص طور پر ذکر ہے۔ کتاب میں مزید کئی انکشافات ہیں۔ جن پر منموہن سنگھ کی بیٹی پروفیسر اوپندر سنگھ نے شدید ردعمل ظاہر کیا ہے۔ وہ دہلی یونیورسٹی میں ہسٹری کی پروفیسر ہیں۔

سنجے بارو کے مطابق پاکستان اور بھارت کی حکومتیں اس فارمولے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے متفق ہو چکی تھیں۔ اب سربراہی اجلاس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تاکہ اس کا اعلان کیا جا سکے۔ اس کا علم بھارتی وزیر اعظم ہاؤس میں ایس کے لامبا اور وزیراعظم کے پرنسپل سیکرٹری دوم ''جے دیپ سرکار'' کو ہی تھا۔ جے دیپ،

لامبا کی مدد کر رہے تھے، جو مشرف کے معتمد خاص طارق عزیز کے ساتھ اسلام آباد یا کسی تیسرے ملک میں ملاقاتیں کرتے تھے۔ تاہم دیپ بچے کو امتحان کی تیاری یا ڈاکٹر کے پاس لے جانے کے بہانے سے چھٹی پر جایا کرتے تھے۔

فارمولے کے پہلے مرحلے میں جنگ بندی لائن کو صرف نقشے پر کھینچی گئی ایک لکیر میں تبدیل کرنے کا منصوبہ مرتب کیا گیا تھا۔ جس کے بعد جنگ بندی لکیر کو عوام کی بلا رکاوٹ آمد و رفت اور تجارت کے لیے مکمل طور پر کھول دیا جاتا۔ تاکہ اس خطے میں تقسیم سے پہلے کی زندگی بحال کی جا سکے جب لوگ ویزا اور اجازت ناموں کے بغیر آر پار سفر اور تجارت کرتے تھے۔

فارمولے کے دوسرے مرحلے پر جنگ بندی لکیر کے دونوں طرف مقامی حکومتوں کو مضبوط بنانے پر توجہ مرکوز کی جاتی تاکہ لوگ خود حکومتوں کا انتخاب کر سکیں اور ضرورت پڑنے پر اس کی بین الاقوامی نگرانی کی جائے۔ یعنی دونوں طرف انتخابات کی نگرانی الیکشن کمیشن آف انڈیا کے بجائے عالمی ادارے کو سونپ دی جاتی۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے تیسرے مرحلہ پر کشمیری لیڈران کی سربراہی میں آر پار مشترکہ ادارے قائم کیے جاتے جو مشترکہ مفاد کے لیے اہم پالیسی فیصلے لینے کے مجاز ہوتے۔ اس بات کا فیصلہ بھی ہوا تھا کہ دونوں طرف کی منتخب حکومتوں کو خارجی اور دفاعی امور کو چھوڑ کر تمام فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ جبکہ دونوں خارجہ اور دفاعی شعبوں کی براہ راست نگرانی دہلی اور اسلام آباد کرتے۔

اگر پہلے تین مرحلوں کو عملی جامہ پہنانے سے قیام امن یقینی ہو جاتا تو جنگ بندی لائن کے دونوں طرف فوجی انخلاء کی شروعات کی جاتیں جس کے لیے یہ ضروری ہوتا کہ فریقین علاقوں اور تعداد پر متفق ہوتے۔

سنجے بارو کے مطابق واجپائی کے بعد منموہن اس فارمولے پر عمل کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن ان کی کابینہ کے دو رفقاء پرناب مکرجی اور اے کے انتونی قومی سلامتی کے مشیر ایم کے نارائن اس فارمولے کے مخالف بن گئے۔

پاک بھارت امن عمل میں ریلائنس گروپ کا بھی ہاتھ تھا۔ یہ بھارت کا سب سے بڑا بزنس گروپ ہے۔ جس کی داغ بیل دھیرو بھائی امبانی نے تقسیم سے پہلے ڈالی تھی۔ اس گروپ کی سالانہ آمدن 66 ارب ڈالر سے بڑھ چکی ہے۔ بارو نے انکشاف کیا ہے کہ ریلائنس پٹرولیم نے پاکستان سے جام نگر گجرات میں اپنی ریفائنری پر بمباری نہ کرنے کی ضمانت مانگی تھی۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی ریفائنری ہے۔ جہاں روزانہ ساڑھے 12 لاکھ بیرل تیل صاف کیا جاتا ہے۔

بارو کے مطابق پرویز مشرف فارمولے پر منموہن سنگھ اور مشرف کے درمیان ہونے والی مشاورت سے محترمہ بےنظیر بھٹو پوری طرح آگاہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے قتل سے منموہن سنگھ کو شدید صدمہ ہوا۔ منموہن سنگھ کو اس قتل کی خبر راج بھون (گورنر ہاؤس) گوا میں ملی۔ پھر وہ شام کو ٹی وی پر اس خبر کے حصار میں رہے۔

مشرف کے اس فارمولے کو حریت اور جہاد کونسل نے مسترد کر دیا۔ آزاد کشمیر کی اس وقت کی حکمران جماعت مسلم کانفرنس کے علاوہ سب نے اس کی مخالفت کی۔ بھارت نے اس کا خیر مقدم کیا۔ مگر پاکستان کی

بھارتی مقبوضہ کشمیر تک رسائی کا واضح انداز میں انکار کیا۔ بلکہ بھارت کے سابق وزیراعظم گجرال نے کہا کہ کشمیر پر پاکستان کا دعویٰ ختم ہونے کے بعد مسئلے کا جلد حل نکل آئے گا۔مشرف فارمولا بھی دیگر فارمولوں کی طرح ناکام ہوگیا۔ جماعت اسلامی نے اس پر سب سے زیادہ مزاحمت کی۔ مشرف کے فارمولے کو آزاد کشمیر کے حکمران سردار عتیق نے خوش دلی سے تسلیم کیا۔ دراصل آزاد کشمیر کے حکمران اور سیاستدان ہمیشہ اپنے مفاد کے لیے اسلام آباد کی طرف دیکھتے ہیں۔جس دن اسلام آباد میں کسی دوسرے ملک کا حکمران آکر بیٹھ جائے گا، سب سے پہلے آزاد کشمیر اسمبلی سے اس کے حق میں قرارداد آئے گی۔

گزشتہ 65 سال میں کشمیر کے حوالے سے جتنے مذاکرات ہوئے ان میں کشمیریوں کو شامل نہیں کیا گیا۔ پاکستان اور بھارت زیادہ تر اپنی خارجہ پالیسی کشمیر کے حوالے سے بناتے رہے۔ عالمی سطح پر دوستوں اور دشمنوں کا تعین بھی اس بات پر ہے کہ کشمیر پر کون حمایت اور کون مخالفت کر رہا ہے۔ اس سارے عرصہ میں جتنے مذاکرات ہوئے، جتنے معاہدے ہوئے، دونوں ممالک نے کبھی اس میں کشمیریوں کو شامل نہیں کیا اور نہ کبھی ان سے رائے لی گئی۔ سری نگر اور مظفرآباد کے حکمرانوں کا ریموٹ کنٹرول دہلی اور اسلام آباد کے پاس رہا۔ جب انہوں نے اپنی پسند کا بٹن دبایا مظفرآباد اور سری نگر سے ان کی مرضی کی آواز سنائی دی۔

مسئلہ کشمیر اور اقوام متحدہ کا کردار

یکم جنوری 1948ء کو تنازعۂ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش ہوا بعد ازاں اقوام متحدہ نے 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادیں منظور کیں۔ 1949ء ہی میں اقوام متحدہ کی پاس کردہ قراردادوں کی تشریح کے حوالے سے اٹھنے والے باہمی اختلاف کو ثالثی کے لیے ناظم رائے شماری کے سامنے پیش کرنے کی تجویز دی گئی۔ اس تجویز کو برطانیہ کی بھی حمایت حاصل تھی۔ دسمبر 1949ء میں سلامتی کونسل کے صدر جنرل میکناٹن نے جموں کشمیر سے دونوں ممالک کی فوجوں کے انخلا کی تجویز پیش کی۔ جسے پاکستان نے منظور کرلیا۔ لیکن بھارت نے محدود فوج رکھنے پر اصرار کیا۔ مارچ 1950ء میں سلامتی کونسل کی ہدایت پر اقوام متحدہ سر اون ڈکسن نے فوجوں کو غیر مسلح کرنے کے لیے پاکستان اور بھارت کے سامنے اپنے تجاویز پیش کیں۔ پاکستان نے ان تجاویز کو قبول کیا لیکن بھارت نے انکار کر دیا۔ اقوام متحدہ اس فیصلے پر بھی عملدرآمد نہ کروا سکا۔ جنوری 1951ء میں آزادانہ اور غیر جانبدارانہ استصواب رائے کو ممکن بنانے کے لیے دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم نے ہر ممکن سفارتی کوشش کی کہ وہ دونوں ملک فوجوں کو غیر مسلح کرنے اور انخلا پر رضامند ہو جائیں۔ اس ضمن میں انہوں نے دونوں ملکوں کے سامنے درج ذیل تجاویز پیش کیں کہ وہ ان میں سے کسی ایک کو تسلیم کرلیں۔

الف۔ ریاست میں دولت مشترکہ کی فوج جو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر مشتمل ہو، تعینات کی جائے۔

ب۔ پاکستان اور بھارت کی مشترکہ فوج کا تعین کیا جائے۔

ج۔ ناظم رائے شماری کو اس امر کی اجازت دی جائے کہ وہ استصواب رائے کے لیے مقامی فوج کا قیام عمل میں لائے۔ لیکن اس تجویز پر دونوں ممالک کا اتفاق نہ ہو سکا۔

Kashmir Background to the Dispute)، اسلام آباد انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز 1990ء)

مارچ 1951ء میں سلامتی کونسل کے صدر مونیز جو برازیل کے سفارت کار بھی تھے، نے تجویز پیش کی کہ دونوں ملک تمام اختلافات کو ثالثی کے ذریعہ حل کر لیں اور ثالث کے فیصلے کو حتمی سمجھا جائے۔ اس پر بھی دونوں ممالک متفق نہ ہو سکے۔ (Kashmir Background to the Dispute، اسلام آباد انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز 1990ء)۔ اسی دوران سلامتی کونسل نے بھی اپنی ایک قرارداد میں ایسی ہی ایک تجویز پیش کی۔ اس سلسلہ میں مارچ اور دسمبر کے درمیان کونسل کے نمائندے ڈاکٹر گراہم نے فوجوں کو غیر مسلح کرنے کے حوالے سے دونوں ملکوں کے سامنے کئی ایک تجاویز پیش کیں، لیکن حسب سابق دونوں ممالک پھر ایک نکتے پر جمع نہ ہو سکے۔

دسمبر 1952ء میں سلامتی کونسل نے پاکستان اور بھارت پر اپنی ایک اور قرارداد کے ذریعہ زور ڈالا کہ وہ ریاست میں اپنی اپنی فوجوں میں کمی کر دیں۔ اس سلسلہ میں پاکستان سے کہا گیا کہ وہ فوجوں کی تعداد گھٹا کر 6 ہزار سے 3 ہزار کر دے، جبکہ بھارت پر یہ تعداد 18 ہزار سے 16 ہزار کرنے پر زور دیا گیا۔ دونوں ممالک کے پھر متفق نہ ہونے کی وجہ سے یہ تجویز بھی تشنہ رہی۔ (Kashmir Background to the Dispute، اسلام آباد انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز 1990ء)

فروری 1957ء میں سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ممکنہ امکانات پر غور کرنے کے لیے سویڈن کے سفیر گنر جیرنگ کو مقرر کیا۔ اس موقعہ پر بھارت نے ایک نیا سوال اٹھا دیا کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادوں پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ مذکورہ نمائندہ نے تجویز پیش کی کہ اس مسئلہ کو کہ آیا پاکستان نے ان قراردادوں پر عمل کیا ہے یا نہیں، غیر جانبدارانہ تحقیق کے لیے پیش کیا جائے۔ یہ تجویز بھی عدم اتفاق کی نذر ہو گئی۔ (Kashmir Background to the Dispute، اسلام آباد انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز 1990ء)

مارچ 1958ء میں سلامتی کونسل کی ایک قرارداد کی روشنی میں ڈاکٹر گراہم نے دونوں ملکوں کے سامنے تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

الف۔ دونوں ممالک پر امن رہنے کا اعلان کر دیں۔

ب۔ جنگ بندی لائن کے تحفظ اور سلامتی کا پھر سے اقرار کریں۔

اس نکتہ پر سیر حاصل غور وخوض کیا جائے کہ پاکستانی فوج کے زیر قبضہ علاقوں میں سے مذکورہ فوج کے انخلا کے بعد مجوزہ علاقوں کا انتظام کیسے سنبھالا جائے گا اور ان کی حفاظت کیا کیا انتظام ہو گا، اور کیا یہ چیز ممکن ہے کہ ان علاقوں میں اقوام متحدہ کی فوج کا تعین کیا جائے؟

دونوں ممالک کے سربراہ اقوام متحدہ کے نمائندوں کی نگرانی میں باہم ملاقات کریں۔ یہ تجویز بھی

مسترد کر دی گئی۔ (ممتاز احمد، صفحہ نمبر 205)

27/اپریل 1962ء کو پاکستان کی درخواست پر سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر زیر بحث آیا۔ پاکستان نے سلامتی کونسل سے اس کی قراردادوں پر عمل درآمد کا مطالبہ کیا۔ بھارتی نمائندے نے اس موضوع پر مسئلہ کشمیر کے وجود سے ہی انکار کر دیا اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ ''کشمیر کا بھارت سے الحاق حتمی اور آخری ہے۔ لہٰذا اس پر کسی قسم کی گفتگو نہیں کی جا سکتی۔'' (ممتاز احمد، صفحہ نمبر 206)

سوویت یونین کے سوا سلامتی کونسل کے تمام اراکین نے بھارت کے اس مؤقف کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا (سوویت یونین کے انکار کی وجوہات آگے آئیں گی)۔ اس موقع پر امریکہ اور برطانیہ نے کوشش کی کہ ایک بے ضرر سی قرارداد پاس ہو جائے جس میں دونوں ممالک سے مطالبہ کیا جائے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے مذاکرات کریں۔ مگر سوویت نے اس قرارداد کو ویٹو کر دیا۔ سوویت یونین کے اس دوسرے ویٹو (پہلا 1957ء) نے عملاً پاکستان پر واضح کر دیا کہ اب قضیۂ کشمیر میں اقوام متحدہ کوئی فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے۔

1958ء سے 1965ء تک کے عرصے میں عملاً اقوام متحدہ تنازعۂ کشمیر سے لاتعلق رہی۔ 1962ء کی چین، بھارت جنگ نے بھارت کی عالمی طاقتوں کی نظر میں اہمیت کئی گنا بڑھا دی۔ اور بھارت کو چین کے خلاف ایک مضبوط حصار سمجھا جانے لگا۔ بعد ازاں شملہ معاہدے سے لے کر 1989ء تک شملہ معاہدے کے تحت کشمیر پر مذاکرات ہوئے، اور نہ ہی یہ مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا گیا۔ حتیٰ کہ اس دوران اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری نے اپنی سالانہ رپورٹ میں بھی کبھی کشمیر کا تذکرہ نہیں کیا۔

1989ء کے آخری ہفتوں میں تحریک آزادی میں شدت آئی۔ اس کے ساتھ ہی اقوام متحدہ کے ممکنہ کردار پر ایک مرتبہ پھر از سر نو بحث نے جنم لیا۔ 23/جنوری 1990ء کو سرینگر میں تقریباً چار لاکھ افراد نے اقوام متحدہ کے ملٹری آبزرور گروپ کے سرینگر میں قائم دفاتر کے سامنے مظاہرہ کیا اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا کہ وہ کشمیر میں اپنی قراردادوں کے مطابق استصواب رائے کروائے۔ (نیویارک ٹائمز، 24/جنوری 1990ء)

21/ستمبر 1990ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے صدر نے کہا کہ ''مجھے یقین ہے کہ پاکستان اور بھارت جنگ کے بغیر مسئلہ کشمیر حل کر لیں گے۔ (دی ہندوستان ٹائمز، نئی دہلی، 22/ستمبر 1990ء)

23/اپریل 1992ء کو اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بطروس غالی نے نئی دہلی میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''مسئلہ کشمیر کا بہترین حل یہ ہے کہ دونوں ممالک براہ راست مذاکرات کے ذریعے مسئلہ حل کریں۔ انہوں نے کہا کہ جب تک دونوں ممالک اقوام متحدہ سے مداخلت کی درخواست نہیں کرتے، تب تک اقوام متحدہ کوئی کردار ادا کرنے سے معذور ہے۔ (دی ٹریبون، چندی گڑھ، 24/اپریل 1992ء)

26/اپریل کو اسلام آباد میں بطروس غالی نے کہا کہ اقوام متحدہ اپنے چارٹر کے مطابق مسئلہ کشمیر حل کرنے کے لیے ہر ممکن مدد فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔ (دی ٹریبون، چندی گڑھ، 27/اپریل 1992ء)

سیکرٹری جنرل نے اپنی سالانہ رپورٹ میں مسئلہ کشمیر کا ذکر کیا اور پیش کش کی کہ اگر دونوں ممالک اتفاق کریں تو وہ مسئلہ کشمیر حل کرانے کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں۔ (دی نیوز، راولپنڈی، 3/اکتوبر 1993ء)

پاکستان کی وزیراعظم بےنظیر بھٹو سے ایک ملاقات کے دوران بطروس غالی نے انہیں یقین دہانی کروائی کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر ہے اور وہ سلامتی کونسل میں متنازعہ علاقے کے بارے میں اپنی رپورٹ پیش کرتے رہیں گے۔ (دی نیوز، راولپنڈی، 10/اپریل 1995ء)

اقوام متحدہ کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل بطروس غالی نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ مسئلہ کشمیر کا فوری طور پر سیاسی حل تلاش کیا جانا چاہیے۔ (ڈان، کراچی، 12/ستمبر 1995ء)

پاکستان نے اکتوبر 1994ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مسئلہ کشمیر پر ایک قرارداد پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ ابتدائی طور پر اس قرارداد کو کشمیر پر اسلامی کانفرنس کے رابطہ گروپ کی طرف سے پیش کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں لابنگ بھی کی گئی، مگر بعد میں قرارداد پیش نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں کشمیر کاز کو دھچکا لگا اور دُنیا کو معلوم ہوا کہ مسئلہ کشمیر پر پاکستان کو عالمی حمایت حاصل نہیں ہے۔ (اقوام متحدہ میں پسپائی، روزنامہ جنگ کراچی 17/نمبر 1994)

2/اگست 1996ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے اپنے صدر کا ایک بیان جاری کیا، جس کے مطابق سلامتی کونسل نے فیصلہ کیا ہے کہ جن امور پر پچھلے پانچ سال کے دوران سلامتی کونسل میں بحث نہیں ہوئی، انہیں ایجنڈے سے خارج کر دیا جائے۔ سلامتی کونسل کے صدر ٹوائینل (جرمنی) نے اپنے فیصلے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ تنازعۂ کشمیر اور دیگر 49 امور (بشمول فلسطین، حیدرآباد، مشرقی تیمور، کیوبا) کو سلامتی کونسل کے زیرغور امور کی فہرست سے اس لیے خارج کیا گیا ہے کہ ''پیپرورک'' کم اور آسان ہو۔

جب اخبارنویسوں نے فیصلے کی تفصیلات معلوم کرنا چاہیں اور پوچھا گیا کہ ''کشمیر کا تنازعہ تو ابھی حل نہیں ہوا، اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کا عملی نفاذ ابھی باقی ہے تو ایسے مسئلہ کو ایجنڈے سے کیسے حذف کیا جاسکتا ہے۔ فرانسیسی سفارت کار، جس کی صدارت میں یہ فیصلہ ہوا، نے ایجنڈے اور ''زیرغور'' میں فنی فرق کا سہارا لیا۔ وہ ''فنی فرق'' کی وضاحت نہ کرسکے، تاہم انہوں نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا کہ متعلقہ فریقوں اور دیگر اراکین کے ساتھ مشورہ کیوں نہیں کیا۔ لیکن بعد میں پاکستان کے اصرار اور دباؤ پر کشمیر کے متعلقہ فیصلے کو ایک سال کے لیے واپس لے لیا گیا۔ (دی نیشن، اسلام آباد، 7/اگست 1996ء)

★★★

باب چہارم

مسلح جد و جہد کے ادوار

ریاست جموں کشمیر کے اندر مسلح جدوجہد کا پہلا دور 22/اکتوبر 1947ء کے قبائلی حملے سے شروع ہوا، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آ چکی ہے۔

اس مسلح جدوجہد سے 33 ہزار مربع میل ریاست کا رقبہ پاکستان کے زیر انتظام آیا۔ تاہم ان علاقوں میں مکمل پاکستانی کنٹرول مگر مقامی حکومتیں ہیں۔ پہلے دور کی مسلح جنگ کی وجہ سے ریاست جموں کشمیر تقسیم ہوگئی۔ ایک قوم کی آزادی، خودمختاری، حق خودارادیت 5/جنوری 1949ء کی قرارداد میں الحاق پاکستان اور ہندوستان کی صورت میں سامنے آئی۔

مسلح جدوجہد کا دوسرا دور 1965ء میں شروع کیا گیا، جب پاکستان کے صدر جنرل ایوب خان نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل موسیٰ خان کو ہدایت کی کہ مسئلہ کشمیر کو سردخانے سے نکال کر باہر لایا جائے اور ایسی حکمت عملی اختیار کی جائے کہ بھارت کو مذاکرات کی میز پر لایا جا سکے۔ چنانچہ ہوم ورک کیے بغیر 5 اور 6 اگست کو معمولی تربیت یافتہ سینکڑوں لوگوں کو بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھیج دیا گیا۔ اس کے لیے ریاست جموں و کشمیر کی ان سیاسی جماعتوں کے قائدین پر بھی اعتماد نہیں کیا گیا، جو پاکستان کی حمایت کرتے تھے۔ آپریشن جبرالٹر کے نام سے شروع ہونے والی یہ مہم پاکستان، بھارت باقاعدہ جنگ میں تبدیل ہوگئی۔ (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے جبرالٹر یعنی ''جبل الطارق'' کہہ کر طارق بن زیاد کے کشتیاں جلانے کے عمل کی تلمیح استعمال کی گئی، تاہم یہاں اس تلمیح کے استعمال کا مقصد ''موت یا فتح'' کے نظریے کو افزوں کرنا تھا)۔

2/اگست کو ذوالفقار علی بھٹو نے اس منصوبے پر عمل درآمد کے لیے ایوب خان سے ملاقات کے بعد رضامندی دی۔ طے یہ تھا کہ تمام اہم پلوں، مرکزی شاہراؤں کو بیک وقت تباہ کر کے بھارتی مقبوضہ کشمیر پر قبضہ کر لیا جائے گا۔

''میں نے کشمیر جلتے دیکھا''، اس کتاب میں میر آف تھنہ آپریشن جبرالٹر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''تمام ضروری اقدامات کرنے کے بعد بھٹو نے 2/اگست 1965ء کو اس منصوبے کو ہری جھنڈی دکھا دی اور 5/اگست کو آزاد کشمیر فورسز کی ایک بڑی تعداد کو بھارتی (جموں و کشمیر) میں بھیج دیا گیا۔ یہ فورسز اس وقت پاکستان کی اعلیٰ درجے کی مددگار فورسز تسلیم کی جاتی تھیں۔ اس یلغار سے قبل پاکستان نے ریاست جموں و کشمیر میں اپنے تربیت یافتہ فوجیوں کے ذریعے یہاں کے اہم پلوں، شاہراؤں اور فوجی تنصیبات کا ایک جامع سروے کرایا تھا اور ان مقامات پر مزدوروں اور مستریوں کے بھیس میں اپنے فوجیوں کو تعینات کروا دیا تھا اور انہیں ضروری اسلحہ اور گولہ بارود بھی دیا گیا تھا۔ آپریشن جبرالٹر (جبل الطارق) کے تحت کی جانے والی اس کارروائی کے ذریعے 9/اگست 1965ء کے دن ان فورسز کو لکھن پور سے لے کر اوڑی اور پونچھ سے لے کر کرگل تک کے تمام پلوں اور شاہراؤں کو بیک وقت تباہ کرنا تھا، جموں اور سرینگر کے ہوائی اڈوں پر قبضہ کرنا تھا اور تمام اہم فوجی تنصیبات کو نقصان پہنچانا تھا۔ میر مزید لکھتے ہیں، ''سرینگر کے کسی شراب خانے میں مداخلت کر کے آنے والے فوجیوں نے جی بھر کے پی لی اور شراب خانے کے اندر ہی کسی شخص کے ساتھ جھگڑا کر لیا، پولیس جھگڑا کرنے والوں کو پکڑ کر قریبی پولیس سٹیشن میں لے گئی اور ان کی جامہ تلاشی کے دوران ایک گرفتار شدہ

شخص کی جیب سے پاکستانی فوج کا شناختی کارڈ برآمد کرلیا گیا، نشے میں دھت درانداز وں پر پولیس کے دو ہاتھ پڑے تو انہوں نے سب راز فاش کردیا، وہ شرابی پاکستانی فوج کا کپتان تھا......اس نے منہ کھولا تو بھارت کی فوج اور خفیہ ایجنسیاں متحرک ہوگئیں، تمام تنصیبات اور ٹھکانوں پر پہرا بٹھا دیا گیا۔ لہٰذا آپریشن جبرالٹر دھرے کا دھرا رہ گیا۔ لیکن اس دوران ریڈیو صدائے کشمیر نے اعلان کر دیا تھا کہ 9/اگست کے دن جموں وکشمیر پر ایک منصوبہ بند حملہ کر کے قبضہ کرلیا گیا ہے، اس لیے محض چند ہی مقامات پر یہ فوجی حملہ کر پائے۔ پونچھ اور راجوری کے کچھ پلوں کو اڑا دیا گیا اور سرینگر کے بٹہ مالو (ٹؤ گراؤنڈ) کے علاوہ پٹن کے ایک فوجی کیمپ کو تباہ کر دیا گیا، جس سے اس منصوبے کی تصدیق تو ہوگئی لیکن آپریشن بذات خود دھرے کا دھرا رہ گیا۔ اس دوران ریاست کے بہت سے علاقوں پر اندرونی طور ''آزاد کشمیر فورسز'' نے بھی قبضہ کرلیا تھا۔ اس فوج میں چند آفیسروں کو چھوڑ کر سارے لوگ اسی ریاست کے باشندے تھے، جنہوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ یہ لڑائی لڑی۔ ایک اندازے کے مطابق در اندازوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی۔ ان کی مہارت اور پھرتی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مختلف علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اندرونی انتظامیہ بھی تشکیل دے دی تھی۔''

یہ مسلح جتھے 24/ستمبر 1965ء تک ریاست کے مختلف حصوں میں لڑتے رہے کیونکہ یہ منصوبہ بند طریقے سے ریاست کے تمام حصوں، پہاڑوں، جنگلوں، دیہات، اور قصبہ جات میں اپنا قبضہ جما چکے تھے۔ یہاں کے لوگوں نے اپنی گھڑیاں تک پاکستان کے معیاری وقت کے ساتھ ملا لی تھیں، صوبہ جموں میں ان لوگوں کو کافی کامیابیاں ملیں اور لوگوں کی طرف سے آؤ بھگت بھی ہوئی، لیکن صوبہ کشمیر میں اس کے برعکس ہوا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ (شاید) اس منصوبے کے حوالے سے صوبہ کشمیر میں کسی کو اعتماد میں نہیں لیا گیا تھا، یا پھر اس حوالے سے کوئی ''گراؤنڈ ورک'' نہیں کیا گیا تھا اور ایسا لگتا ہے کہ وہاں یہ حملہ یکا یک اور بے خبری کے عالم میں ہوا تھا، اس لیے لوگ جلد بازی میں فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ اس کے برعکس جموں کے بے شمار لوگ حملہ آوروں کے ہمنوا بن گئے تھے اور ان کی طرف سے تشکیل دی گئی اندرونی (عبوری) انتظامیہ میں بھی شامل ہو گئے تھے، پونچھ اور راجوری میں اس وقت جو سول انتظامیہ تشکیل دی گئی، اس کے اسسٹنٹ کمشنر ماسٹر عبدالعزیز وانی آف تھنہ منڈی اور قاضی عزیز الدین آف بہروٹ راجوری تھے۔ اس انتظامیہ کی ہنگامی نوعیت کی نشستیں بلائی جاتی تھیں۔ اس انتظامیہ کا لقب ''ہنگامی کونسل آف جموں وکشمیر ہیڈ کوارٹر راجوری'' تھا، راجوری اور پونچھ کا ڈپٹی کمشنر نذیر احمد میر آف راجوری کو بنایا گیا تھا۔ اس صورتحال سے پریشان ہوکر بھارت نے آخری حربے کے طور پر لاہور کے راستے بین الاقوامی سرحد سے پاکستان پر حملہ کر دیا، کیونکہ اس سے پہلے چھمب اور جوڑیاں میں کوئی بھی کامیاب حملہ نہیں ہو پایا تھا اور پاکستان اس دھوکے میں رہا کہ انٹرنیشنل بارڈر پر بھارت حملہ نہیں کرے گا، کیونکہ ایسا کرنا بین الاقوامی ضابطوں کی خلاف ورزی ہوگا، ادھر کشمیر میں پاکستانی مداخلت کی شکایت یو این او کی جنرل اسمبلی میں چلی گئی، مقدمہ بھارت نے خود پیش کیا اور اس کی پیروی کے لیے بھارت کی جانب سے ڈی پی دھر (کشمیری پنڈت) کو مقرر کیا گیا، جبکہ پاکستان کی جانب سے اس وقت کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو بھیجا گیا۔ اقوام متحدہ میں بحث کے دوران پاکستان نے یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ کشمیر میں

کوئی مداخلت نہیں ہوئی ہے اور وہاں کے لوگ بھارت کے خلاف بغاوت کر کے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں، جبکہ بھارتی نمائندے نے دعویٰ کیا کہ پاکستان کی باضابطہ افواج نے دراندازی کر کے بھارت کے خلاف جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ حقیقت کا پتہ لگانے کے لیے UNO کی ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی تشکیل دی جائے، جو جائے واردات پر (یعنی جموں وکشمیر میں) جا کر یہ پتہ لگائے گی کہ وہاں کون لوگ، کس کے خلاف برسر پیکار ہیں، اس فیصلے سے پاکستانی مؤقف کو شدید دھچکا لگا، چنانچہ پاکستان نے اپنی فورسز کو جموں وکشمیر سے واپس چلے جانے کا حکم دیا، حکم جاری ہوتے ہی ان فوجی مداخلت کاروں نے ریاست کے بھارتی قبضے والے علاقوں سے انخلا شروع کر دیا اور 24 ستمبر کی درمیانی رات کو اکثر فوجی واپس چلے گئے، جو پیچھے رہ گیا، وہ یا تو مارا گیا یا پھر گرفتار ہو گیا

یہ جنگ کل پچاس روز تک جاری رہی۔ اس جنگ کے اختتام کے بعد معاہدہ تاشقند ہوا۔ جنگ کے بعد بھارت نے ریاست کے ہزاروں لوگوں کے خلاف آپریشن کیا۔ راجوری اور پونچھ کا علاقہ ایک مرتبہ پھر سے اجڑ گیا۔ لاکھوں لوگوں نے ہجرت کی۔ ہزاروں لوگ آزاد کشمیر آئے۔ کچھ عرصہ بعد سرحدیں کھل گئیں۔ متاثرہ لوگ واپس آبائی جگہ گئے تو بھارتی فوج نے انہیں گولیوں سے بھون ڈالا۔

اگر بنظر عمیق جائزہ لیا جائے تو ایوب خان نے آپریشن جبرالٹر (جبل الطارق) اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے شروع کیا۔ وہ فوجی حکمران تھے۔ پاکستانی عوام کی ریاست سے جذباتی وابستگی تھی، ایوب خان اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ حالانکہ ایوب خان کو کشمیریوں سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ امریکی صدر آئزن ہاور نے جب ایوب خان سے پوچھا کہ آپ کو کشمیر کس لیے چاہیے تو ایوب خان کا جواب تھا، ''پانی کے لیے''۔ 1965ء کی جنگ کو اگر ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو ایک اور بات بھی سامنے آتی ہے، ذوالفقار علی بھٹو نے اس جنگ کو اپنے سیاسی مستقبل کے لیے استعمال کرنے کا منصوبہ اس قدر خوبصورتی سے بنایا کہ اس جنگ کے بطن سے انہوں نے ایک سیاسی جماعت کو تشکیل دے کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ حاصل کر لیا۔ بھٹو، ایوب خان کو ڈیڈی (باپ) کہتے تھے۔ مگر معاہدہ تاشقند کے بعد وہ اچانک ایوب خان کے سامنے آ گئے اور جارحانہ انداز میں ایوب کو للکارنا شروع کر دیا، حالانکہ معاہدہ تاشقند میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ ایوب خان نے مذاکرات کی میز پر کشمیر کھو دیا ہو بلکہ معاہدہ تاشقند نے اسی طرح کا ایک فیصلہ ہوا جس طرح 1947ء سے لے کر 1965ء تک کشمیر کے معاملے میں پاک بھارت فیصلے یا مذاکرات ہوتے رہے۔

پاکستان کے ممتاز کالم نگار ایاز امیر لکھتے ہیں:

''پاکستان میں اس جنگ سے پہلے ایک عام تصور یہ تھا کہ ایک پاکستان مسلمان 10 بھارتی ہندوؤں پر بھاری، لیکن اس جنگ میں جس تیاری اور منصوبے کے ساتھ پاکستان نے بھارت پر حملہ کیا اور جس طرح چند جھٹکوں میں بھارت نے اس کا جواب دیا، اس سے ہماری ساری ''متھ'' دھری کی دھری رہ گئی۔ پاکستان اس جنگ کو یاد کر کے ''جشن فتح'' بھی مناتا ہے لیکن میں نہیں سمجھتا اس میں جشن منانے والی کوئی بات تھی۔ (روزنامہ گریٹر کشمیر 3/جون 2003ء)

ایاز امیر کے تبصرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان یہ جنگ جیتا نہیں، لیکن بھٹو نے جس سیاسی چھکے سے ابتدا کی، اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ پاکستان یہ جنگ جیت چکا تھا، مذاکرات کی میز پر ایوب خان ہار گئے۔ در اصل 1947ء سے لے کر آج تک پاکستانی سیاستدان تنازعۂ کشمیر کو اقتدار کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی یہی کچھ کیا۔ پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ریاست کے لاکھوں لوگوں پر قیامت گزری، ہزاروں مارے گئے۔ اُن کی لاشوں پر سیاست ہوئی۔ اس لیے کہ بھٹو پاکستانی عوام کے اُن جذبات کو سمجھتے تھے کہ وہ کشمیر کے معاملہ پر انتہائی حساس ہیں۔

معاہدہ تاشقند کی شق نمبر 2 جس میں یہ طے پایا کہ:

''دونوں ممالک کے سربراہ اس بات پر آمادہ ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اپنی مسلح افواج اپنی پرانی پوزیشن پر واپس بلائیں گے۔ اور یہ پوزیشن 5 اگست 1965ء سے پہلے کی پوزیشن ہوگی۔ اور دونوں فریق اپنی اپنی جانب جنگ بندی کا اہتمام کریں گے، اور اس کو برقرار رکھنے کے لیے ہر ممکن اقدام کریں گے۔'' (1965ء کی جنگ میں جموں کے مسلمانوں نے قابل قدر قربانیاں دیں، مگر حاکمانہ مہم جوئی کے بعد جب پاکستان پر عالمی دباؤ آیا تو لاکھوں لوگوں کو ہندوستانی فوج کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں درجنوں دیہات کے ہزاروں لوگوں کو ہندوستانی فوج نے بے رحمی سے شہید کر دیا۔)

دونوں ممالک کی طرف سے مخصوص مقاصد کے لیے جنگ اور معاہدے نے کشمیریوں کی نئی نسل کو شدید مایوس کیا۔ اس دوران کشمیری نوجوانوں نے اپنی آزادی کے لیے نئی حکمت عملی پر غور کرنا شروع کیا۔ مسلح جد وجہد کرنے والے جوانوں کی قیادت مقبول بٹ کر رہے تھے۔

۔مقبول بٹ شہید کشمیریوں کی آزادی کی تحریک کو نئے انداز میں شروع کرنا چاہتے تھے تا کہ کشمیریوں پر جو بزدلی کا جوٹھپہ لگا ہوا ہے وہ ختم ہو۔

انہوں نے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں اپنی سیاسی اور عسکری سرگرمیاں شروع کر دیں۔ سیاسی سرگرمیوں میں نوجوانوں کو حقیقی آزادی وخودمختاری کے لیے تیار کرنا اور عسکری تربیت میں نوجوانوں کو مسلح جدوجہد کے لیے تیار کرنا شامل تھا۔ مسلح جدوجہد کے دوران ایک کارروائی میں ایک فوجی ایجنٹ سے ان کا تصادم ہوگیا۔ امر چند نامی یہ شخص بھاگنے کی کوشش میں مارا گیا۔ بھارتی آرمی نے پورا علاقہ گھیرے میں لے لیا۔ جس کے نتیجے میں مقبول بٹ شہید کا قریبی ساتھی اورنگزیب شہید ہو گیا۔ مقبول بٹ گرفتار ہو گئے۔ اگست 1968ء میں انہیں سزائے موت کا حکم سنایا گیا۔

مقبول بٹ کی گرفتاری کے بعد این ایل ایف کا عسکری ونگ واپس آزاد کشمیر آ گیا۔ محاذ رائے شماری نے اس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ جبکہ مسلم کانفرنس کے سردار عبدالقیوم نے اسے ملک دشمن قرار دے دیا۔ دسمبر 1968ء کو اڑھائی بجے رات کو مقبول بٹ جیل توڑنے میں کامیاب ہوئے۔ 13 دن بعد آزاد کشمیر پہنچے تو انہیں پاکستانی فوج کی طرف سے تشدد کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں مقبول بٹ کو رہا کر دیا گیا۔ 31 جنوری 1971ء کو بھارتی فضائیہ کے ''گنگا'' نامی طیارے کو ہاشم قریشی اور اشرف قریشی نے اغوا کر کے لاہور میں اتار دیا۔ بعد

ازاں اس طیارے کو آگ لگا دی گئی۔

سردار عبدالقیوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے حریت پسندوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ جہاز ''الجاہد'' تنظیم نے اغوا کیا ہے، پیشکش مسترد ہونے پر اس نے مخالفت شروع کر دی۔ گنگا کو اغوا کرنے والے حریت پسندوں کو اپریل 1971ء میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے:

1۔ انہوں نے بھارت کی ایما پر جہاز اغوا کیا۔
2۔ وہ تحریک آزادی کی آڑ میں بھارتی مفادات کے لیے پاکستان کے خلاف سرگرم تھے۔
3۔ بھارت سے امداد اور سیاسی قربت حاصل کرتے تھے۔

تاہم عدالت نے ہاشم قریشی کو 14 سال قید کی سزا سنائی، باقی افراد کو تا برخواست عدالت حراست کی سزا جبکہ اشرف قریشی کو باعزت بری قرار دے دیا گیا۔

بھارت کی عدالت نے مقبول بٹ کو پھانسی کی سزا دی مقبول بٹ جیل توڑ کر آزاد کشمیر آئے اور کچھ عرصہ کے بعد قریبی دوستوں کی مخالفت کے باوجود وہ مئی 1976ء میں اُس پار پہنچے اور جلد ہی گرفتار ہو گئے، اور فروری 1984ء میں انہیں سزائے موت ہو گئی۔

مقبول بٹ کی مسلح جدوجہد اور ان کی شہادت کے بعد جو ردعمل پیدا ہوا، پاکستانی آمر ضیاء الحق نے انہیں بھارت کے خلاف استعمال کرنے کے لیے حکمت عملی ترتیب دی۔

ضیاء الحق کا منصوبہ

ہفت روزہ تکبیر کراچی، آواز جہاں اور 8 رجولائی 1988ء کے انڈین ایکسپریس میں پاکستانی صدر ضیاء الحق کی ایک تقریر شائع کی گئی۔ اپریل 1988ء میں ضیاء الحق نے اپنے دفتر میں ہونے والے اجلاس میں ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے ایک منصوبہ پیش کیا تھا۔ اس منصوبے کے اہم ترین نکات یہ ہیں:

1۔ ہمیں اس بات کو یقینی بنانا ہے کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں حکمران طبقے میں بعض ''حمایت یافتہ'' سیاستدان ایسے ہوں، جو ریاست کے تمام مؤثر اداروں کو مفلوج کرنے میں ہمارا ساتھ دے سکیں۔
2۔ تمام کلیدی عہدوں پر ہم اپنے آدمی پہنچائیں گے جو پولیس فورسز، مالی اداروں، مواصلاتی نظام اور دیگر اہم اداروں میں تخریبی کارروائیاں کریں۔
3۔ ہم مذہبی بنیادوں پر طلباء اور کسانوں میں بھارت دشمنی کے جذبات ابھاریں گے تاکہ فسادات اور حکومت مخالف مظاہروں اُن کا عملی تعاون حاصل ہو سکے۔
4۔ پیرا ملٹری فورسز سے نمٹنے کے لیے تخریب کاروں اور مسلح دستوں کو منظم کر کے انہیں تربیت دی جائے گی۔
5۔ جموں اور کشمیر اور لداخ اور کشمیر کے درمیان مواصلاتی لائنیں کاٹنے کے طریقے

دریافت کیے جائیں گے۔

6۔ سکھ انتہا پسندوں کی مدد سے جموں میں دہشت اور انتشار کی فضاء پیدا کی جائے گی۔

7۔ افغان مجاہدین میں سے جو اس وقت تک آزاد کشمیر میں آباد ہو چکے ہوں گے، ہمارے زیر اثر علاقوں میں توسیع کے لیے منتخب مقامات تک چھپ چھپ کر پہنچ جائیں گے ان سے مسلح جدوجہد کا کام لیا جائے گا۔

8۔ آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ریٹائرڈ فوجی افسروں کی قیادت میں افغانوں پر مشتمل ایک سپیشل فورس فضائی پٹیوں، ریڈیو سٹیشن تباہ کرنے، بانہال سرنگ اور شاہراہ کرگل کو بند کرنے کے لیے حملہ کرنے کے لیے تیار کھڑی ہوگی۔

9۔ (یہ کارروائی) فلسطینی طرز پر قصبوں اور دیہات میں ٹھوس اہداف پر حملہ کرنے کی مجاہدین کی کارروائیوں سے ملتی جلتی ہوں گی۔

ضیاءالحق کے اس منصوبے کا جی ایم میر نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ضیاءالحق کا منصوبہ صرف وادئ کشمیر کو بھارت کے قبضے سے چھڑانے کے لیے تھا۔

اس منصوبے پر عمل کرنے کے لیے 1984ء میں کے ایچ خورشید سے تفصیلی گفتگو کی گئی، کئی ملاقاتوں کے بعد کے ایچ خورشید کی طرف سے 4 مطالبات پیش کیے گئے (منظور قادر ڈار ایڈووکیٹ اور میر عبدالطیف ایڈووکیٹ کے بقول):

1۔ کشمیریوں کی یہ تحریک کشمیریوں کے کنٹرول میں ہوگی۔

2۔ قیادت لبریشن لیگ کرے گی، آپ صرف فنڈز دیں گے۔

3۔ تحریک کے خارجہ امور ہمارے (کشمیریوں کے) پاس ہوں گے۔

4۔ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو ون یونٹ بنا کر اسے پاکستان تسلیم کرے۔ اور کشمیری اپنا مقدمہ خود عالمی برادری کے سامنے پیش کریں۔

کہا جاتا ہے کہ اس سے قبل پاکستانی فوج نے اس تحریک کو شروع کرنے کے لیے تمام مکتبۂ فکر اور سیاسی جماعتوں کے بارے میں سروے کیا، اور پھر قوم پرستوں کے بارے میں یہ رپورٹ مرتب ہوئی، کہ یہی لوگ بھارت کو ٹف ٹائم دے سکتے ہیں۔ بعدازاں جب کے ایچ خورشید سے بات نہ بنی تو امان اللہ خان سے بات ہوئی جنہوں نے جلد بازی میں پاکستانی فوج سے معاہدہ کر دیا اور 31 جولائی 1988ء کو بم دھماکے کر کے لبریشن فرنٹ نے عسکری جدوجہد کی ابتدا کر دی

گنگا ہائی جیکنگ کیس کو مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) کی علیحدگی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ گنگا جہاز کے اغوا کے 11 ماہ بعد بھارت نے بنگلہ دیش میں اپنی افواج کو مکتی باہنی کے روپ میں داخل کیا۔ جس کے بعد بنگال الگ ہو گیا۔ 93000 پاکستانی فوجی گرفتار ہو گئے۔ تقریباً 5 ہزار مربع میل رقبہ پر بھارت نے قبضہ کر لیا۔ بعدازاں سیز فائر لائن کو مستقبل سرحد بنانے کیلیے غیر اعلانیہ اتفاق پر بھٹو نے شملہ معاہدہ کیا جس کا

بڑا ثبوت یہ ہے کہ مظفرآباد میں تقریر کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ اب کب تک ان پہاڑوں پر لڑتے پھرو گے گورنر ہاؤس کے لیے جگہ دے دو۔

شملہ معاہدے کے بعد شیخ عبداللہ کو بہت مایوسی ہوئی۔ کچھ حلقوں کا کہنا تھا کہ بھٹو نے شیخ عبداللہ سے کہا تھا، شیخ صاحب! آپ کو ہندوستان سے جو کچھ ملتا ہے لے لیں، ہم آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے (واللہ اعلم)۔ تاہم ایک بات قابل غور ہے کہ ریاست کی خصوصی حیثیت کے لیے جدوجہد کرنے والے شیخ عبداللہ نے جب دیکھا کہ پاکستان ٹوٹ گیا ہے اور اندرا اور بھٹو کے درمیان شملہ معاہدے کے ذریعے تقسیم کشمیر پر اتفاق ہو گیا ہے تو انہوں نے اندرا گاندھی سے معاہدہ کر لیا۔

پاکستان کی طرف سے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد کے تیسری مہم جوئی کے لیے پاکستان کی فوج تیار بیٹھی تھی۔ میرا خیال ہے، بھٹو کو فوج نے اپنے راستے سے ہٹانے کا جو فیصلہ کیا، اس کے پیچھے دیگر وجوہات کے ساتھ ایک وجہ تنازعۂ کشمیر کے حوالے سے بھٹو کا تقسیم کشمیر پر اتفاق بھی ہے۔ بھٹو مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ہونے والے مذاکرات، فیصلوں میں ایک دہائی سے زیادہ عرصہ سے کسی نہ کسی طرح شریک رہے۔ سورن سنگھ سے مذاکرات، تاشقند معاہدہ اور شملہ معاہدہ خود انہوں نے کیا۔

بھٹو کا خیال تھا کہ مسئلہ کشمیر کا واحد حل یہی ہے کہ سیز فائر لائن کی بنیاد پر کشمیر کو تقسیم کر دیا جائے۔ شملہ معاہدے کے بعد ان کی جانب سے مظفرآباد میں گورنر ہاؤس کے لیے جگہ بھی مانگنا اس کا ٹھوس ثبوت ہے۔ ایکٹ 1974ء (آزاد کشمیر کا عبوری آئین) بھی انہی کا دیا ہوا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ آزاد کشمیر کو پاکستان کے قومی دھارے میں لا رہے تھے۔ پاکستانی فوج بھی یہی چاہتی تھی، مگر وہ صرف گلگت بلتستان کا پاکستان میں ادغام کر کے آزاد کشمیر کی موجودہ کٹھ پتلی حیثیت برقرار رکھ کر بھارتی مقبوضہ کشمیر حاصل کرنے کی خواہاں تھی۔ بھٹو نے آرمی کی حقیقی سوچ کو پڑھ لیا تھا، تاہم وہ گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے لیے فوج کی الگ الگ حکمت عملی کو نہ سمجھ سکے۔ 1977ء میں فوج نے مارشل لاء نافذ کیا اور اس کی حدود گلگت بلتستان تک پھیلا دیں، حالانکہ گلگت بلتستان ریاست جموں کشمیر کا حصہ تھا۔

فوج نے اقتدار سنبھالا، بھٹو کو 1979ء میں پھانسی دے دی گئی۔ اس دوران سوویت یونین افغانستان میں داخل ہو چکا تھا۔ پاکستانی فوج اس جنگ میں مصروف ہو گئی۔ 8/ستمبر 1982ء میں شیخ عبداللہ کی وفات کے بعد بھارتی مقبوضہ کشمیر کے سیاسی حالات تبدیل ہو چکے تھے۔ شیخ عبداللہ بڑے قد کاٹھ کے سیاستدان تھے۔ ان کی موجودگی میں سیاسی اور مسلح تحریکیں جو پاکستان کو فائدہ دے سکیں، مکمل کامیاب نہ ہو سکتی تھیں۔

1983ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر میں عام انتخابات ہوئے، جس میں شیخ عبداللہ کے بیٹے فاروق عبداللہ وزیر اعلیٰ چنے گئے۔ نیشنل کانفرنس کی حکومت سے بھارت نے پہلا کام یہ لیا کہ فاروق عبداللہ نے مقبول بٹ کو پھانسی دینے کے حکم پر دستخط کر دیے۔ 11/فروری 1984ء کو مقبول بٹ شہید کو پھانسی ہو گئی۔ چند ماہ بعد 2/جولائی 1984ء اتوار کے دن فاروق عبداللہ ایک بھارتی فلم ایکٹریس کے ہمراہ چند گھنٹوں کی تفریح کے لیے سیاحتی مقام گلمرگ گئے۔ ان چند گھنٹوں میں فاروق عبداللہ کے بہنوئی خواجہ غلام محمد شاہ کو ریاست کا نیا وزیر اعلیٰ بنا

دیا گیا۔ غلام محمد شاہ نیشنل کانفرنس کے ایک دھڑے کے اسمبلی ممبران کو لے کر انڈین نیشنل کانگریس کے ریاستی یونٹ کے ساتھ جا ملے۔ اس طرح مخلوط حکومت تشکیل پائی۔

حکومت کو علم تھا کہ فاروق عبداللہ کو عہدے سے ہٹانے کا سخت ردعمل ہوگا۔ اس کے حل کے لیے فوج بلائی گئی۔ سرینگر میں کرفیو لگا دیا گیا۔

1986ء کے وسط میں فاروق عبداللہ کو دوبارہ اقتدار دے دیا گیا۔ کشمیر کی حکومتوں کو مرضی سے گرانے اور بنانے سے کشمیر کے لوگوں بالخصوص نوجوان نسل کا غلامی کا احساس مزید پختہ ہو گیا۔ مقبول بٹ کی پھانسی، فاروق عبداللہ کی حکومت گرانے اور بحال کرنے کی وجہ سے دو انتہاؤں پر موجود لوگ بھی غیر اعلانیہ بھارت کے خلاف نفرت پر اکٹھے ہو چکے تھے۔ کشمیریوں کی آواز کو دبانے کیلیے بھارتی اور بھارت نواز جماعتیں اکٹھی ہو گئیں تمام راستے بند کر دیئے گئے۔ اسی دوران انڈین نیشنل کانگریس کی کشمیر یونٹ، نیشنل کانفرنس کے ساتھ میر واعظ مولوی محمد فاروق بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئے۔ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کا اتحاد راجیو فاروق ایکارڈ سے وجود میں آیا تھا، لیکن میر واعظ مولوی فاروق کی اس میں شمولیت ریاست کے لوگوں کے لیے ایک جھٹکا تھا۔

مولوی فاروق ظاہراً آزادی کے داعی تھے، مگر اقتدار کے حصول کے لیے نظریات بدلنے میں دیر نہیں لگائی۔ طے یہ ہوا کہ وادی کی پانچوں نشستوں میں سے ان کے مشترکہ امیدوار ہوں گے۔ میر واعظ مولوی محمد فاروق کو 4 حلقوں کے ٹکٹ دینے کا فیصلہ ہوا، آخری وقت میں دو ٹکٹ دیے گئے۔

عوامی ایکشن کمیٹی کے ایک امیدوار کے مقابلے میں محمد یوسف شاہ (موجودہ جہاد کونسل کے سربراہ صلاح الدین) مسلم یونائیٹڈ فرنٹ (مف) کی طرف سے امیدوار تھے۔ ان کی حمایت یاسین ملک بھی کر رہے تھے۔

مقبول ساحل کشمیری مصنف کے بقول ''مف'' کی بنیاد جماعت اسلامی نے رکھی، تاہم اس میں یاسین ملک، شکیل بخشی، قاضی نثار احمد، یوسف صراف، عبدالغنی لون، مولانا عباس انصاری، پروفیسر عبدالغنی، غلام قادر بچہ سب شامل تھے۔ ''مف'' کو ان انتخابات میں 4 حلقوں میں کامیابی ملی۔ مف کا خیال تھا کہ وہ وادی کشمیر کی ساری نشستیں جیت سکتے تھے، اگر دھاندلی نہ ہوتی۔ یوسف شاہ عرف صلاح الدین سے بندوق کی نوک پر دستخط کروا کر زبردستی ہار تسلیم کروائی گئی۔ مف جن چار نشستوں پر کامیاب ہوا، جیتنے والوں میں علی گیلانی، غلام نبی سمجھی، محمد سید شاہ اور عبدالرزاق میر شامل تھے۔ مصنف مقبول ساحل کے بقول ایک مرتبہ وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے اپنی تقریر میں علی گیلانی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ''میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ لوگ اس ایوان تک پہنچ پائیں، لیکن اب کسی نہ کسی طرح آپ لوگ یہاں تک آ گئے ہیں اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ آپ خاموشی سے بیٹھیں اور اسمبلی کا کام چلنے دیں۔''

مف کے امیدواروں کو دھاندلی کے ذریعے ہروانے اور اسمبلی فلور پر تسلیم نہ کرنے سے کشمیری نوجوان جمہوری عمل سے متنفر ہو گئے۔ مف کے خواب چکنا چور ہو گئے، نتیجتاً نوجوانوں کے اندر نفرت پیدا ہوئی

جس کے بعد وہ تشدد کی راہ تلاش کرنے لگے اور بعد ازاں بدنصیبی یہ ہوئی کہ سیاسی تحریک کو کشمیر بھر میں پھیلانے اور آگے بڑھانے کے بجائے جلد بازی میں اسلحہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا گیا، کیونکہ پاکستانی خفیہ ادارے لبریشن فرنٹ سے معاہدے کے بعد وادی کے اندر کافی کام کر چکے تھے۔ لبریشن فرنٹ خودمختار نظریات کی حامل جماعت ہے۔ اگرچہ اس کا منشور خودمختار کشمیر کی جدوجہد پر مشتمل ہے، تاہم اس منشور میں پاکستان سے محبت کی شرط بھی شامل ہے۔ لبریشن فرنٹ کے قائدین کی ایک بڑی تعداد کے پاکستانی خفیہ ایجنسیوں سے اچھے تعلقات کی ابتدا اس معاہدے کے بعد ہوئی۔ دونوں فریقین کے اپنے اپنے مقاصد تھے۔

لبریشن فرنٹ کو اسلحہ، لٹریچر اور روپوں کی ضرورت تھی۔ پاکستانی فوج کے خفیہ ونگز کی اپنی حکمت عملی تھی۔ معاہدے میں یہ طے ہوا کہ اُس پار اسلحہ، لٹریچر اور ہندوستانی کرنسی بھیجی جائے گی۔ 10 میں سے 9 آدمی لبریشن فرنٹ کے ہوں گے اور ایک پاکستانی فوج کا۔ یوں اسلحہ، نقد رقم کے ساتھ کروڑوں روپے کا لٹریچر بھی اُس پار بھیجا گیا۔ یہ لٹریچر خودمختار کشمیر کی ذہن سازی کے لیے لبریشن فرنٹ اور خفیہ اداروں کے لوگ تیار کرتے جو پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کی گاڑیوں میں سیز فائر لائن کے قریبی علاقوں میں پہنچایا جاتا اور پھر اُس پار (بھارتی مقبوضہ کشمیر) جانے والے گروپوں کے حوالے کر دیا جاتا۔ خودمختار کشمیر کے نظریات کی حامل لبریشن فرنٹ سے معاہدہ کرنے کی ایک وجہ مقبول بٹ کی شہادت بھی تھی۔ مقبول بٹ کو پھانسی دیے جانے پر کشمیری جوانوں میں شدید غم وغصہ پایا جاتا تھا۔ اس لیے ان لوگوں کو مسلح جدوجہد کے لیے آسانی سے تیار کیا جا سکتا تھا۔ کشمیری نوجوانوں نے بندوق کا جب آگے بڑھ کر استقبال کیا تو پاکستانی خفیہ اداروں نے دوسرے مرحلے کی ابتدا کی۔ جماعت اسلامی چونکہ الحاق پاکستان کی علمبردار جماعت تھی، اس لیے جماعت اسلامی کی نظریات کے حامل لوگوں کو اکٹھا کر کے حزب المجاہدین کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کے بعد تنظیموں کی لائن لگ گئی۔ العمر مجاہدین، حرکت المجاہدین، الجہاد وجود میں آئیں۔ حزب المجاہدین کے اوّل کمانڈر انچیف ماسٹر محمد احسن ڈار تھے۔ اس کے ایک کمانڈر ناصر الاسلام نے حزب سے علیحدگی اختیار کر کے جمعیت المجاہدین کی بنیاد رکھی۔ کچھ عرصہ بعد احسن ڈار کا اپنی قیادت کے صلاح الدین، عبدالمجید ڈار سے اختلاف پیدا ہو گیا تو اس نے شباب المسلمون تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ تنظیم بعد ازاں مسلم مجاہدین نامی تنظیم میں مدغم ہوئی۔ مسلم مجاہدین کے سینئر کمانڈرز آزاد کشمیر آئے۔ العمر بھی ٹوٹ کر العمر کمانڈرز کے ایک گروپ کے نام سے سامنے آئی۔ یہ بھی مسلم مجاہدین میں شامل ہوئی۔ الجہاد نامی تنظیم ٹوٹی تو اس کے بطن سے جہاد فورس نے جنم لیا، جس کی سربراہی جمال افغانی کے حصے میں آئی۔ سٹوڈنٹ لبریشن فرنٹ نامی تنظیم اخوان المسلمین میں بدل گئی۔ اس کے کمانڈر یاسین بٹ بنے۔

اس تنظیم میں بلال احمد بیگ، نیاز احمد صوفی المعروف مٹھا صوفی اور محمد یوسف المعروف کوکہ پرے بھی اس میں شامل تھے۔ مٹھا صوفی کو فورسز نے راجباغ میں مار ڈالا۔ اخوان المسلمین کے ایک اور کمانڈر جاوید شاہ کو حزب المجاہدین نے مار ڈالا۔ یوسف پرے المعروف کوکہ پرے کو بھی حزب نے مار ڈالا۔ عباس انصاری کی کشمیر لبریشن کونسل آگے چل کر ماس موومنٹ میں بدل گئی، جس کی قیادت فریدہ بہن جی نے کی۔

نصر اللہ لنگڑیال کی جماعت حرکت الجہاد الاسلامی اور جاوید عرف سکندر کی جماعت حرکت المجاہدین

کے اتحاد سے حرکت الانصار نامی تنظیم وجود میں آتی ہے، جو آگے چل کر جیش محمد میں بدل گئی۔ یہ آج بھی سب سے مضبوط جہادی تنظیم ہے، جس کے سربراہ ایک پاکستانی شہری مسعود اظہر ہیں۔حزب اللہ نامی تنظیم اپنے سربراہ مشتاق اسلام کی گرفتاری کے بعد بدل کر مسلم لیگ میں تبدیل ہوگئی۔اس طرح درجنوں مزید جہادی تنظیم بنی اور ختم ہوگئیں۔

اگست 1989ء میں متحدہ محاذ کے ارکان اسمبلی بھی مستعفی ہو گئے کیونکہ اب سیاسی کے بجائے عسکری جدوجہد شروع ہوچکی تھی۔(تلوین سنگھ،صفحہ نمبر 243)۔

22/نومبر 1989ء کو بھارتی پارلیمنٹ کے انتخابات کا اعلان ہوا۔کشمیر کی تمام مجاہد تنظیموں نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا۔جس کے نتیجے میں 90 فیصد پولنگ سٹیشنوں پر ایک بھی ووٹ کاسٹ نہیں ہوا۔ سرکاری ذرائع نے دعویٰ کیا کہ چار فی صد ووٹ پڑے، جبکہ آزاد ذرائع کے مطابق ووٹ پڑنے کا تناسب در حقیقت صرف دو فیصد تھا۔(محمد سعید، Millitants Call the Shot in Kashmir، 26/نومبر 1989ء "Patriot" نئی دہلی)۔

بھارت نے تحریک کو کچلنے کے لیے 18 جنوری 1990ء کو جگ موہن کو گورنر بنا کر کشمیر بھیجا تا کہ وہ تحریک پر قابو پاسکیں۔انہوں نے فوری طور پر آپریشن سرچ شروع کر دیا۔جس میں صرف 48 گھنٹوں میں 40 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔19 جنوری کو حالات سے گھبرا کر وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ نے استعفیٰ دے دیا۔اس کے بعد ریاست پر گورنر راج نافذ کر دیا گیا۔(ایم۔جے۔اکبر،صفحہ نمبر 218)۔جس کے دوران ہزاروں افراد کو بے وجہ گرفتار کیا گیا، جبکہ 50 ہزار سے زیادہ افراد کو شہید کیا گیا۔حالات کو کنٹرول کرنے کے لیے ظالمانہ قوانین نفاظ کیے گئے

بھارت کی طرف سے ظالمانہ قوانین کا نفاذ

بھارت نے تحریک آزادی کو کچلنے کی خاطر اور کشمیریوں پر ظلم وستم ڈھانے کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی، بے گناہ اور معصوم شہریوں پر ظلم کرنے کے لیے نت نئے قوانین وضع کیے۔ایسے ہی کچھ قوانین کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے

ٹاڈا (TADA) دهشت گردی اور تخریبی کارروائیوں کا ایکٹ

اس قانون کے تحت بھارتی افواج اور پیرا ملٹری فورسز کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس شخص کو بھی چاہیں بغیر وارنٹ دکھائے غیر معینہ مدت کے لیے زیر حراست رکھ سکتی ہیں۔جبکہ گرفتار لوگوں کو اس قانون کے مطابق یہ حق بھی حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اپنی گرفتاری کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کرسکیں۔(Kashmir A People Terrorise Federation International Des Ligues Des Diroits De L Homme، جنوری 1993ء، صفحہ نمبر 15، 16)

قومی سلامتی کا ایکٹ (NSA)

اس ظالمانہ قانون کے تحت ایک آدمی کو بغیر کسی فرد جرم یا ٹرائل کے ایک سال تک کے لیے زیر

حراست رکھا جا سکتا ہے، تا کہ وہ ریاست کی سلامتی کے منافی، امن وامان میں خلل ڈالنے اور کسی غیر ملکی سے خفیہ تعلقات کے قیام میں حصہ نہ لے سکے۔ (Kashmir A People Terrorise Federation International Des Ligues Des Diroits De L Homme، جنوری 1993ء، صفحہ نمبر 15، 16)

عوامی تحفظ کا قانون

اس قانون کے تحت سکیورٹی فورسز کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی ایسے شخص کو جو ملک دشمن سرگرمیوں، پروپیگنڈا سازی یا مذہبی، گروہی سیاست میں ملوث ہو۔ ایک سال تک بغیر کسی عدالتی پیشی کے اپنی حراست میں رکھ سکتی ہیں۔ اس قانون کے ذریعہ قابض فوجوں کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی آڑ میں ہر اس شخص کو جس پر انہیں ذرا بھی شک گزرتا ہو، اپنی حراست میں لے لیں۔ (Kashmir A People Terrorise Federation International Des Ligues Des Diroits De L Homme، جنوری 1993ء، صفحہ نمبر 15، 16)

شورش زدہ علاقوں کا ایکٹ

اس نام نہاد قانون کا اطلاق پونچھ اور راجوری کے کنٹرول لائن کے بیس میل کے اندر تک کے علاقوں پر کیا گیا ہے، جس میں اسلام آباد، بارہ مولہ، بڈگام، کپواڑہ، پلوامہ اور سرینگر بھی شامل ہیں۔ بعد میں ڈوڈا کو بھی مکمل طور پر شورش زدہ علاقے قرار دے کر اس کا اطلاق وہاں بھی کر دیا گیا ہے۔ اس سیاہ قانون کے تحت پولیس اور فوج کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جب چاہیں کسی بھی مکان کی تلاشی لے سکتی ہیں اور ہر اس شخص کو گرفتار کر سکتی ہیں جس کا حلیہ ''مجاہدین'' سے ملتا ہو۔ اس قانون کے تحت لاتعداد افراد کو گرفتار کر کے ٹارچر سیلوں میں اذیتیں دے کر شہید کیا جا چکا ہے۔ مزید برآں بستیوں کی بستیاں نذر آتش کر دی جاتی ہیں، لیکن ان ظالمانہ اقدامات کی رپورٹ (FIR) درج نہیں کی جا سکتی۔ (Kashmir A People Terrorise Federation International Des Ligues Des Diroits De L Homme، جنوری 1993ء، صفحہ نمبر 15، 16)

مسلح افواج کے خصوصی اختیارات کا ایکٹ

بھارتی پارلیمنٹ نے اس قانون کو دسمبر 1990ء میں پاس کیا تھا جبکہ اپریل 1991ء میں ایک حکم کے ذریعہ اس کا نفاذ ریاست جموں کشمیر میں بھی کر دیا گیا۔ اس قانون کے تحت سکیورٹی فورسز کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ بغیر وارنٹ کے کسی بھی گھر کی تلاشی لے سکتی ہیں یا مشتبہ افراد کو گرفتار کر سکتی ہیں۔ ''ہائیڈ آؤٹ'' کو مسمار کرنے کے لیے تمام گھروں پر فوجی کارروائی کر سکتی ہیں اور ایسے افراد کو جن پر ''مجاہدین'' ہونے کا شبہ ہو، دیکھتے ہی گولی بھی مار سکتی ہیں۔ (Kashmir A People Terrorise Federation International Des Ligues Des Diroits De L Homme، جنوری 1993ء، صفحہ نمبر 15، 16)

نظریہ خود مختار، جہاد اور پاکستان

ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کے حوالے سے اس وقت تین سوچیں، تین نعروں کی شکل میں موجود ہیں۔آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کی مقامی حکومتیں ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کو آزادی کا نام دے رہی ہیں۔ بھارت کے زیر انتظام سرینگر کی حکومت ''کشمیر بنے گا ہندوستان'' کے تحت اقتدار میں ہے۔جبکہ منقسم حصوں کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ''کشمیر بنے گا خودمختار'' کے نعرے کو تنازعۂ کشمیر کا حل سمجھتی ہے۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ 1947ء سے قبل ریاست کی تمام سیاسی جماعتیں حکمران مہاراجا ہری سنگھ خودمختار کشمیر کے حامی تھے۔مگر وقت کے ساتھ ساتھ اقتدار کی مجبوریوں کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اپنے حقیقی مؤقف سے انحراف کرنا شروع کر دیا۔

مسلم کانفرنس کی خودمختاری کی سوچ کچھ حد تک 19 جولائی 1947ء کی قرارداد الحاق پاکستان کے ساتھ ہی ختم ہوگئی، جو باقی رہی وہ 24 اکتوبر 1947ء کے بعد مفاد کے لیے الوداع ہوئی۔اس کے بعد اس جماعت نے حق خودارادیت کو الحاق کا نام دے کر نظریاتی تخریب کاری کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔ 1970ء میں سردار عبدالقیوم نے ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کا نعرہ ایجاد کیا۔جس کے لیے ریاست کے تمام وسائل استعمال کر کے اس نعرے کو نظریہ بنانے کی کوشش کی گئی۔

شیخ عبداللہ جو 19 اکتوبر 1947ء کو رہا ہوئے، 30 اکتوبر کو آئینی ضروریات کے تحت مہاراجا کی وفاداری کا حلف اٹھایا۔اس کے بعد وہ 15 سال کے قریب قریب جیل میں رہے۔خودمختار کشمیر کی وہ سب سے بڑی آواز تھے، تاہم 13 نومبر 1974ء کو انہوں نے اندرا گاندھی سے معاہدہ کر کے خودمختاری کو الوداع کہہ دیا۔ 2 مارچ 1975ء کو انہوں نے لال چوک سرینگر میں کہا کہ جس انقلاب کے لیے کشمیریوں نے 1931ء سے قربانیاں دیں، وہ آج مکمل ہوگیا ہے۔کشمیری بھارت کے اندر خوشی سے رہیں گے۔

اس سے قبل خودمختار کشمیر کی تیسری آواز مہاراجا ہری سنگھ 27 اکتوبر کو قبائلی حملہ کے ردعمل میں بھارت سے الحاق کر چکے تھے۔

4 اکتوبر 1947ء کی آزاد و خودمختار حکومت کی جگہ 24 اکتوبر کی حکومت سردار ابراہیم کی قیادت میں کھڑی کی گئی۔نتیجتاً 4 اکتوبر کی حکومت ختم ہو کر رہ گئی۔یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ 19 جولائی 1947ء کو کشمیر کی خودمختاری کو ختم کرنے کی ابتدا مسلم کانفرنس نے کی۔4 اکتوبر، 24 اکتوبر کی حکومتیں جو خودمختار کشمیر کی علمبردار تھیں، غیر مناسب وقت پر احمقانہ مہم جوئی نے کشمیر کو آزاد و خودمختار رکھنے والے مہاراجا ہری سنگھ کو بھارت سے الحاق پر مجبور کیا۔یوں 19 جولائی 1947ء سے 27 اکتوبر 1947ء تک خودمختار کشمیر کی حامل 4 سوچیں اپنے مؤقف سے دستبردار ہوگئیں۔ان حالات میں جموں کشمیر محاذ رائے شماری وہ واحد جماعت تھی جس نے واضح طور پر نہ سہی، کچھ حد تک کشمیریوں کے حق خودارادیت کی بات کی۔ 1953ء میں شیخ عبداللہ کو بھارت کی ایما پر گرفتار کر لیا گیا۔بھارت نواز شخص بخشی غلام محمد کا نیشنل کانفرنس پر قبضہ مستحکم کروایا گیا۔شیخ عبداللہ جیل گئے بخشی غلام محمد نے نیشنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے کشمیر کو بھارتی یونین کا اٹوٹ انگ بنا دیا۔

1955ء میں شیخ عبداللہ کے قریبی ساتھی مرزا افضل بیگ رہا ہوئے تو انہوں نے محاذ رائے شماری کے نام سے نئی پارٹی بنالی۔اس پارٹی نے کافی مقبولیت حاصل کی، لیکن جب شیخ عبداللہ کی بھارتی قابضین سے

صلح ہوگئی تو انہوں نے اسے نیشنل کانفرنس میں ضم کر دیا۔

1964ء میں امان اللہ خان، عبدالخالق انصاری، میر عبدالمنان، جی ایم لون، مجید امجد بٹ، غلام نبی گلکار اور مقبول بٹ نے سیالکوٹ میں سوچیت گڑھ کے مقام پر مٹی ہاتھ میں اُٹھا کر وطن کی آزادی کا عہد کرتے ہوئے یہ جماعت قائم کی۔

پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں خود مختاری کے جتنے گروپ اور جماعتیں آج جدوجہد میں مصروف ہیں، ان کا وجود اسی محاذ رائے شماری کا تسلسل ہے۔مقبول بٹ شہید کی این ایل ایف، پہلے نیشنل لبریشن کانفرنس میں تبدیل ہوئی اور بعد ازاں نیشنل لبریشن کانفرنس کا نیشنل عوامی پارٹی میں ادغام کر دیا گیا

1966ء میں ممتاز حسین راٹھور (آزاد کشمیر کے سابق وزیراعظم) کی سربراہی میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی۔ یہ واحد طلباء تنظیم تھی جس نے 1947ء کے بعد رائے شماری کے بجائے براہ راست آزادی کا مطالبہ کیا اور آنے والے وقت میں یہ آزادی کا مطالبہ ایک توانا آواز بن کر سامنے آیا۔امان اللہ خان نے محاذ رائے شماری سے الگ ہو کر اپنی جماعت کا نام جموں کشمیر لبریشن فرنٹ رکھ دیا۔

بلا شبہ محاذ رائے شماری کو موجودہ حقیقی تحریک آزادی کا بانی کہا جا سکتا ہے۔محاذ نے تین شعبوں، سیاسی، سفارتی اور مسلح جدوجہد پر توجہ دی، تاہم مسلح جدوجہد کے حوالے سے اختلاف پر محاذ رائے شماری گروپوں میں تقسیم ہوگئی۔مقبول بٹ اور امان اللہ عسکری جدوجہد کے حامی تھے۔مقبول بٹ نے محاذ رائے شماری کا عسکری ونگ ''نیشنل لبریشن فرنٹ'' بنایا۔جس میں ابتدائی طور پر امان اللہ خان، میر عبدالقیوم اور میجر امان اللہ شامل تھے۔مسلح جدوجہد کے تیسرے دور کے ابتدا 31 جولائی 1988ء کو حاجی گروپ نے کی تھی۔فرنٹ کے 4 عسکری کمانڈروں کے پہلے حروف اٹھا کر لفظ ''حاجی'' بنایا گیا تھا۔حمید شیخ، اشفاق مجید وانی، جاوید احمد میر، یٰسین ملک پر مشتمل یہ گروپ مسلح شعبے کا انچارج تھا۔

فرنٹ نے مکمل خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے کشمیر سے پاکستان اور بھارت کی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ رکھا اور کشمیری عوام سے اخلاقی و مالی مدد کی اپیل کی۔

اگلے 6 ماہ میں فرنٹ کی مسلح تحریک پوری وادی میں چھائی ہوئی تھی۔ڈیڑھ سال بعد کشمیریوں کو یقین ہونے لگا کہ اب خود مختاری مل کر رہے گی، کہ اچانک لبریشن فرنٹ سے معاہدہ کرنے والوں نے قومی آزادی کی تحریک کو مذہبی جنگ میں بدل دیا۔

1991ء کے شروع میں مذہبی جماعتیں جہاد میں شریک ہونا شروع ہوگئیں۔اور پھر کشمیر کی آزادی کی تحریک ایک مذہبی جنگ میں بدل گئی۔لبریشن فرنٹ کے کارکنوں کو کافر قرار دے کر مارا جانے لگا۔پاکستان سے جہادی عناصر اٹھے، پاکستانی میڈیا اور انتہا پسند عناصر نے ان کی بھرپور مدد کی اور کشمیر کی آزادی کا مسئلہ غائب ہو کر دہلی فتح کرنے کی باتیں زبان زد عام ہونے لگیں۔ان حالات میں قوم پرست لیڈر جہادی عناصر سے خوف زدہ ہو گئے۔آزاد کشمیر میں قوم پرست جماعتیں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازی کرنے لگیں۔ مشکل وقت میں لبریشن فرنٹ کی مدد یا اس کے ساتھ ملکر کوئی حکمت عملی اختیار کرنے کے بجائے اس پر تنقید کی

گئی۔ جس کو دو چار آدمی ملے اس نے اپنی جماعت بنا ڈالی اور بابائے قوم بننے کے چکر میں نکل کھڑا ہوا۔ قوم پرستوں کی ایک بڑی تعداد نے حالات سے مجبور ہو کر نشہ آور ادویات کا استعمال شروع کر دیا۔ مظاہروں، جلسوں میں غنڈہ گردی کا رنگ غالب آ گیا۔ چوکوں، چوراہوں کو بند کر کے مظاہرے کرنے کی روایت نے عام آدمی کو قوم پرستی سے متنفر کر دیا۔ تعلیمی اداروں سے طلباء کو باہر نکال کر چند نعرے لگوائے جاتے مگر ان کی ذہن سازی کی طرف توجہ نہ دی گئی، پاکستان اور ہندوستان کو گالیاں دینا قوم پرستی کا معیار بن گیا۔ اس ردعمل سے ایسی کھیپ تیار ہو کر سامنے آئی جو آزادی جیسے عظیم مقصد کیلئے معیاری تھی نہ رہبری کے قابل۔ گالیاں دینا، توڑ پھوڑ کرنا، مخالف گروپوں سے الجھنا، چوک میں کھڑے ہو کر نعرے لگانے کو آزادی کی جدوجہد سمجھتے تھے۔ تمام جماعتوں کے ان کارکنوں اور طلباء ونگز کی نیتوں میں خلوص تھا۔ وہ اپنی زندگیاں قربان کیے ہوئے تھے۔ انہیں گھر سے طعنے سُننے کو ملتے، معاشرے میں بدمعاش قرار دے کر نفرت کی جاتی، مگر یہ لوگ اپنی وہ جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھے جو ان کی منزل کی طرف نہیں جاتی تھی۔ اس دوران کچھ آزادی پسند رہنماؤں نے حالات سے مایوس ہو کر یورپ میں پناہ لی اور پھر کبھی کبھار اخبارات میں ان کا نظریہ نظر آتا ہے۔ سوائے چند رہنماؤں کے قوم پرستوں میں سے ہر ایک لیڈر کے پاس اپنا نسخہ ہے، جو اس نے معجون کی شکل میں اپنے پاس محفوظ رکھا ہوا ہے۔ ہر ایک کی خواہش ہے کہ اس کے نسخہ سے کشمیر آزاد و خودمختار ہو، اور اس کی کرنسی پر اس کی تصویر ہو۔

پاکستانی حکمران اور جہاد کشمیر

جیسا کہ پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ضیاء الحق نے 1984ء میں کے ایچ خورشید سے سرینگر میں تحریک کو اجاگر کرنے کے لیے بات کی۔ خورشید چونکہ بالغ نظر سیاستدان تھے، لہٰذا انہوں نے جو 4 تجاویز رکھیں، ان پر اتفاق نہ ہو سکا۔ جس کے بعد لبریشن فرنٹ سے رابطہ کیا گیا اور انہیں غیر مشروط امداد دینے کی پیشکش کی۔ در اصل پاکستانی حکمران اس سے قبل کشمیر کے بارے میں ہوم ورک مکمل کر کے ایک حکمت عملی فائنل کر چکی تھی۔ لبریشن فرنٹ کو غیر مشروط مدد کی پیشکش اسی حکمت عملی کی ابتدا تھی۔ امان اللہ خان اور ان کے ساتھیوں سے پاکستانی حکمرانوں کی کشمیر سے متعلقہ جن لوگوں کی بات ہوئی، انہوں نے فرنٹ کے نظریہ خودمختار کشمیر کو مدنظر رکھتے ہوئے بات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے افغان عوام کی مدد بغیر کسی غرض کے مذہبی جذبات کے تحت کی تھی۔ وہ مجاہد تھے۔ اب وہ کشمیری مسلمانوں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ فرنٹ کے قائدین نے آپس میں مشورہ کر کے مدد قبول کر لی۔ طے یہ تھا کہ سیاسی وعسکری جدوجہد میں پاکستان صرف پشت پناہی کرے گی۔ لٹریچر اور اسلحہ کی ذمہ داری پاکستان کی ہے۔ وہ یہ لٹریچر اور اسلحہ آزاد کشمیر میں فرنٹ کو دے گی۔ اور اس کے بعد اُس پار بھیجنا فرنٹ کی ذمہ داری ہے۔ 1986ء کے وسط کے بعد یہ کام شروع ہو گیا تھا۔

''خودمختار کشمیر'' اور اس طرح کا دوسرا لٹریچر پنڈی اور لاہور کے چھاپہ خانوں میں پرنٹ ہوتا اور اُس پار پہنچتا رہا۔ 1988ء میں بم دھماکوں کے ساتھ مسلح جہاد کی ابتدا ہوئی۔ اور پھر کشمیر شعلوں میں بدل گیا۔ اس تحریک میں سکھ اور ہندو بھی شامل ہو گئے۔ توقع سے زیادہ پذیرائی اور اتنی بڑی تعداد کو ناتجربہ کار لیڈر کنٹرول کرنے میں ناکام ہو گئے تو پاکستانی حکمرانوں نے اپنی فائل کا صفحہ پلٹا، اور اگلے صفحے پر لکھی ہوئی عبارت کے

مطابق کام شروع کر دیا۔ 1990ء میں بھارتی مقبوضہ کشمیر کے نوجوانوں کو ترغیب دی گئی کہ وہ جنگ آزادی میں شرکت کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس کے لیے تربیت فراہم کی جاسکتی ہے۔ لہذا وہ سیز فائر لائن عبور کر کے آزاد کشمیر اور پاکستان چلیں۔ وطن کی آزادی کی خواہش رکھنے والے آئی ایس آئی کی بات پر یقین کر کے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہزاروں کی تعداد میں پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں آ گئے۔

1990ء کے ابتدائی عرصے میں ایک لاکھ کے قریب لوگ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر پہنچ گئے۔ اس حصے میں پہنچنے کے ساتھ ہی ان کی شناخت ختم کر دی گئی۔ یہ مجاہد جس جگہ رہتے، ان جگہوں کو مہاجر کیمپ کا نام دیا گیا۔ لبریشن فرنٹ کے قائدین کے پاس ان لوگوں کو سنبھالنے کے لیے وسائل دستیاب نہیں تھے۔ لہذا فرنٹ کے قائدین نے آزاد کشمیر اور پاکستانی عوام سے چندے کی اپیل کر دی۔ اس سے کچھ حد تک وسائل کے حصول میں بہتری آئی۔ ابتدا میں لوگوں کو پستول اور کلاشنکوف چلانے کی معمولی تربیت دی گئی۔ پھر راکٹ چلانے کی مشق کروائی گئی۔ معمولی تربیت کے بعد ان لوگوں کو واپس بھیج دیا جاتا۔ حالانکہ ایک باقاعدہ اور مسلح آرمی کے خلاف گوریلا جنگ کے لیے جس بنیادی تربیت کی ضرورت ہوتی ہے، ان لوگوں کو اس کا عشر عشیر تربیت نہیں دی گئی۔ صرف ان لوگوں کے جذبات سے فائدہ اٹھا کر انہیں مرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ یوں بعد ازاں جب یہ جنگ اختتام کو پہنچی تو جو اعداد و شمار سامنے آئے اس کا تناسب سات اور ایک تھا۔

جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کے سرپرست اعلیٰ مرحوم امان اللہ خان نے کشمیر میں مسلح جدوجہد کے حوالے سے لبریشن فرنٹ اور آئی ایس آئی کے درمیان معاہدے دیگر امور اور آئی ایس آئی کے کردار پر جو کچھ لکھا ہے اُس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

امان اللہ خان لکھتے ہیں

1987ء میں آئی ایس آئی نے ہماری تنظیم کے سینئر رہنما ڈاکٹر فاروق حیدر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ لبریشن فرنٹ اور آئی ایس آئی باہمی تعاون سے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد آزادی شروع کریں اور ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے یا پارٹی کے متعلقہ اور مجاز ادارے سے باقاعدہ منظوری لئے بغیر اس سلسلے میں کام بھی شروع کر دیا۔ کچھ مدت بعد جب میں کراچی سے راولپنڈی آیا تو میں یہ جان کر حیران رہ گیا کہ ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اس سلسلے میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے جب میں نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ انہوں نے اتنا بڑا قدم مجھ سے یا تنظیم کے متعلقہ ادارے سے پوچھے بغیر کیسے اٹھایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کی اجازت سے یہ قدم اٹھایا ہے۔ دراصل اس سے کوئی ایک ماہ پہلے ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فون پر کہا تھا کہ یہاں راولپنڈی میں کچھ سیاسی ڈویلپمنٹس ہو رہی ہیں اس لیے آپ راولپنڈی آ جائیں۔ میں نے تفصیل پوچھی تو انہوں نے کہا کہ فون پر تفصیل مناسب نہیں۔ میں ذرا مصروف تھا اور ساتھ ہی یہ سمجھ کر کہ کوئی روایتی سیاسی اتحاد کا مسئلہ ہوگا میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا آپ معاملے سے خود نپٹ لیں اور ساتھ ہی یہ مسئلہ میرے ذہن سے ہی نکل گیا بہر حال ایک سینئر ساتھی نے کسی کو زبان دی تھی اور یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ ہم اس سے پہلے مسلح جدوجہد آزادی کے سلسلے میں سولو فلائٹ کے ذریعہ کامیاب نہیں ہوئے تھے اور ضرورت محسوس کرتے تھے کہ بھاری وسائل کا حامل کوئی

بااختیار ادارہ ہماری غیر مشروط مدد کرے ڈاکٹر صاحب نے مجھے یقین دلایا کہ آئی ایس آئی یہ مدد بالکل غیر مشروط طور پر کر رہی ہے۔اس کے باوجود میں نے آئی ایس آئی کے کسی متعلقہ افسر سے خود بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو دو سینئر افسروں (بریگیڈئیر فاروق اور کرنل اسد) سے ملاقات ہوئی جنہوں نے مجھے میرے اس اسرار پر صدر پاکستان (جنرل ضیاء الحق) کی طرف سے یقین دلایا کہ آئی ایس آئی نہ تو ہمارے نظریہ خودمختار کشمیر کی تبلغ وتشہیر کے سلسلے میں ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ کھڑی کرئے گی نہ ہمارے تنظیمی معاملات میں مداخلت کریگی نہ ہی مقبوضہ کشمیر سے آنے والے نوجوانوں کی نظریاتی تربیت کے سلسلے میں دخل اندازی کرئے گی۔یاد رہے کہ میری اور آئی ایس آئی کے افسروں کے درمیان ہونے والی بات چیت کے دوران انہوں نے صدر ضیاء الحق اور آئی ایس آئی کے چیف جنرل عبدالرحمٰن کی طرف سے یقین دہانی کرائی تھی کہ لبریشن فرنٹ مقبوضہ کشمیر سے کشمیری نوجوانوں کو آزاد کشمیر لانے اور اُن کو اپنے نظریات کی بنیاد پر نظریاتی تربیت دینے میں پوری طرح آزاد ہوگا۔آئی ایس آئی اس میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالے گی۔آئی ایس آئی کا کام نوجوانوں کو تربیت دینا ،اُن کو ہتھیاروں سے لیس کرنا اور زادراہ دے کر واپس مقبوضہ کشمیر بھیجنا ہوگا۔لبریشن فرنٹ اور آئی ایس آئی کے درمیان ہونے والا یہ معاہدہ گو زبانی تھا لیکن اس کی حیثیت ایک Gentleman Agreement کی سی تھی جس میں ہر دو فریق برابر کے شریک تھے اور معاہدے کی ان شرائط کے بارے میں سربراہ مملکت (جنرل ضیاء الحق) اور سربراہ ادارہ (آئی ایس آئی) جنرل عبدالرحمٰن کی طرف سے پوری یقینی دہانی کرائی گئی تھی۔نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد جو آئی ایس آئی کے زیر تربیت تھی کے علاوہ لبریشن فرنٹ کے دو کتابچے (''نظریہ خودمختار کشمیر ''اور''خودمختار کشمیر کیوں؟'') بذریعہ آئی ایس آئی مقبوضہ کشمیر پہنچ گئے اور 31 جولائی 1989ء کی بات ہے کہ آئی ایس آئی کے ایک بریگیڈئیر نے مشورانہ انداز میں کہا کہ مجھے آزادی کشمیر کے سلسلے میں خودمختاری کے لفظ کی بجائے حق خودارادیت کا لفظ استعمال کرنا چاہیے۔میں نے کہا کہ آپ مجھے ہمارے شریفانہ معاہدے کی خلاف ورزی کا مشورہ دے رہے ہیں۔اس کے باوجود اگر آج وزیراعظم پاکستان یہ اعلان کرئے کہ کشمیریوں کے حق خودارادیت میں پاکستان ان کے حق خودمختاری کو بھی شامل تسلیم کرتا ہے تو میں آئندہ کشمیریوں کے لیے خودمختاری کی بجائے حق خودادا ریت کا مطالبہ ہی کروں گا۔اس بات پر وہ خاموش ہو گئے۔مجھے ذاتی طور پر 1889ء کے وسط سے ہی شک ہونے لگا تھا کہ آئی ایس آئی والے ہمارے خاص کر ہمارے نظریئے کے ساتھ مخلص نہیں اور انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہوا معاہدہ مجبوری اور مصلحت کے تحت کیا تھا میں نے اس کا ذکر اشارتاً آئی ایس آئی کے ایک دوسرے افسر سے کیا جو ظاہراًہمارا خاصا ہمدرد نظر آ رہا تھا لیکن اس نے میرے خدشات کو بے بنیاد قرار دیا۔غالباً 1989ء کے اواخر کی بات ہے کہ ڈاکٹر فاروق صاحب نے مجھ سے کہا کہ آئی ایس آئی کا ایک نیا بریگیڈئیر ہم سے کسی ضروری معاملے کے سلسلے میں ملنا چاہتا ہے چنانچہ میری طرف سے خاصے تذبذب کے بعد دوسرے دن میں ڈاکٹر صاحب اور سردار رشید حسرت مرحوم ،ڈاکٹر صاحب کے دوست ریٹائرڈ بریگیڈیئر راجہ فاروق کے گھر گئے جہاں آئی ایس آئی کے نئے بریگیڈئیر (انچارج کشمیر ڈیسک) نے باتوں باتوں میں تجویز پیش کی کہ لبریشن فرنٹ کی سنٹرل کمیٹی کے اجلاسوں میں آئی ایس آئی کا ایک سینئر افسر بھی بحیثیت مبصر شریک ہونا

چاہوں تو کیسا رہیگا (یہ میری طرف سے بریگیڈیئر صاحب کی تجویز کا جواب تھا) اس پر بریگیڈیئر صاحب کے تیور بدلنے لگے اور میرا لہجہ بھی خاصا ترش ہوگیا۔ اسی تلخ فضا میں مجلس برخاست ہوگئی۔ میں نے ڈاکٹر فاروق صاحب اور رشید حسرت صاحب سے کہہ دیا کہ آئی ایس آئی کے تعاون سے تحریک آزادی چلانے کے باب کو اب اختتام پذیر سمجھیں۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی کوشش کریں اور ضرورت پڑنے پر کراچی میں میرا ذاتی مکان بیچ کر تحریک کے اخراجات مہیا کریں کیوں کہ آئی ایس آئی والے اب ہم سے اپنے ماتحتوں کا کام لینا چاہتے ہیں جو ہمیں کسی صورت منظور نہیں۔ مجھے کچھ مدت بعد امریکہ جانا تھا چنانچہ میں ڈاکٹر صاحب، حسرت صاحب اور راجہ مظفر (جو ہمارے عسکری شعبے سے متعلق تھے) اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی تاکید کر کے امریکہ چلا گیا۔ دراصل مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی ہماری اور آئی ایس آئی کو توقعات سے کہیں زیادہ تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی ہمارے جوانوں نے بھارت کے مرکزی وزیر داخلہ کی بیٹی کو یرغمال بنا کر اپنے سینئر کمانڈروں کو رہا کرا دیا تھا۔ تحریک کے دباؤ میں آ کر مقبوضہ کشمیر کا وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ بھی مستعفی ہوگیا تھا۔ سرینگر میں دسیوں ہزار افراد پر مشتمل احتجاجی جلوس روز کا معمول بن گئے تھے اور لبریشن فرنٹ وادی کے عوام کے دل کی دھڑکن بن گیا تھا۔ اس صورتحال کے پیش نظر آئی ایس آئی کی رال ٹپکنے لگی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ کشمیر آزاد ہوا ہی چاہتا ہے اس لیے کیوں نہ ہم لبریشن فرنٹ پر ہی قبضہ کر کے تحریک کا پھل اپنی جھولی میں ڈال دیں لیکن ہماری سنٹرل کمیٹی میں مبصر کی پوزیشن کے ذریعے ہمیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کے آئی ایس آئی کے ارادے کو میں نے خاک میں ملا دیا تھا۔ غالباً 1989ء کا ہی ذکر ہے کہ ایک دفعہ مجاہد اشرف ڈار نے لبریشن فرنٹ کے رہنما راجہ مظفر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اپنے ساتھی (راولپنڈی سے تعلق رکھنے والے کشمیر) کو کشمیری زبان میں کہا کہ آپ راجہ صاحب سے نہیں کہنا کہ میں رات کو کہاں تھا۔ یہ بات ساتھ بیٹھے دوسرے کشمیری (محمد شفیع قادری) نے سنی جس کے بارے میں اشرف ڈار کو معلوم نہیں تھا کہ وہ بھی کشمیری زبان سمجھتا ہے۔ شام کو اس بات کا ذکر شفیع قادری نے راجہ مظفر سے کیا اور راجہ مظفر نے وہ بات فوری طور پر مجھے تک پہنچا دی مجھے پہلے ہی مختلف وجوہات کی بنا پر شک تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے چنانچہ میں نے اسی رات مجاہدین کے اس ٹھکانے سے لڑکوں کی اکثریت غائب ہے۔ میرے ڈیڑھ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اشرف ڈار وغیرہ دیکھنے گئے تھے۔ میں نے اشرف ڈار سے کہا کہ یار تو سینما بند کراتے ہو اور یہاں خود دیکھنے گئے تھے۔ پھر یہ سینما دیکھنے کون سا وقت ہے (یہ تقریباً رات کے تین بجے تھے) بہر حال مجھے یقین ہوگیا تھا کہ رات کو ہمارے لڑکے کہیں اور لے جائے جاتے ہیں۔ بعد ازاں پتہ چلا کہ آئی ایس آئی نے حزب المجاہدین کے لیے تربیتی کیمپ کھولا ہوا ہے جہاں ہم سے پوچھے بغیر ہمارے لڑکوں کو بھی لے جایا جاتا ہے اور وہاں انہیں کوئی اور سبق پڑھایا جا رہا ہے۔ الغرض آئی ایس آئی والوں کی منافقت کھل کر سامنے آئی اور 1990ء کے وسط میں حزب المجاہدین وجود میں آ گئی بلکہ لائی گئی جبکہ تحریک شروع کرنے سے پہلے مقبوضہ کشمیر کی جماعت اسلامی نے مسلح جدوجہد کے سلسلے میں آئی ایس آئی سے تعاون کرنے سے صاف انکار کیا تھا جس پر مجبور ہو کر آئی ایس آئی نے لبریشن فرنٹ سے رجوع کر کے لبریشن فرنٹ کے نظریات میں رکاوٹ نہ بننے کے وعدے پر لبریشن فرنٹ سے تعاون حاصل کیا تھا۔ جب مقبوضہ کشمیر کی

جماعت اسلامی کو احساس ہوا کہ اس کے نوجوان دھڑا دھڑ لبریشن فرنٹ میں شامل ہورہے ہیں اوران میں سے اکثر نے لبریشن فرنٹ کے پلیٹ فارم سے عسکری تربیت بھی حاصل کی ہے تو وہ بھی مجبوراً عسکریت کی حامی ہوگئی۔ آئی ایس آئی نے ہمارے پلیٹ فارم سے تربیت حاصل کرنے والے ان نوجوانوں کو دوبارہ جماعت اسلامی کی طرف دھکیل دیا اور جماعت اسلامی کے عسکری بازو کا نام ''حزب المجاہدین'' رکھا گیا۔ چنانچہ حزب المجاہدین نے وجود میں آتے ہی زور وشور سے کام شروع کیا، کیونکہ آئی ایس آئی پوری طرح اس کی پشت پر تھی۔ اسی اثنا میں آئی ایس آئی نے لبریشن فرنٹ کے لیے تربیتی کیمپ بند کردیئے۔ ہم انتہائی پریشان ہوگئے۔ اتنے میں ہمیں معلوم ہوا کہ کشمیر نژاد شیخ رشید احمد کے فارم واقع فتح جنگ میں حریت پسندوں کو عسکری تربیت دی جاسکتی ہے چنانچہ ہم نے شیخ رشید سے رابطہ کیا جنہوں نے فوری طور پر حامی بھری۔ اسی اثنا میں آزاد کشمیر کے ضلع پونچھ کے قصبہ منگ کے ایک کمانڈر فاروق جو پاکستان آرمی کے ایس ایس جی سکیشن (کمانڈو رفورس) میں ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر تھے، ریٹائرمنٹ کے بعد گھر پر بیٹھے ہوئے تھے نے ہمارے حریت پسندوں کو عسکری تربیت دینے کی پیش کش قبول کرلی اور اپنی مدد کے لیے انہوں نے مرحوم سردار افتخار اور سردار ارشاد کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔ چنانچہ ہمارا مسئلہ پھر سے چل نکلا اور جلد ہی ہم دوبارہ اپنی پوزیشن میں واپس آگئے خاصی مدت بعد اخباری خبریں گشت کرنے لگیں کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت نے بھارتی حکومت کو اطلاع دی ہے کہ جے کے ایل ایف کے حریت پسندوں کو شیخ رشید کے فارم میں عسکری تربیت دی جارہی ہے چنانچہ کچھ مدت بعد فارم پر بھارتی جہازوں کی بمباری کے خدشے کی پیش نظر شیخ رشید نے تربیتی مرکز بند کردیا اور ہم ایک بار پھر سے پریشان ہوگے ادھر حزب المجاہدین جن کے ساتھ اور بھی عسکری تنظیمیں شامل ہوگئی تھی اپنا سارا زور لبریشن فرنٹ کو ختم کرنے پر صرف کیا۔ (امان اللہ خان جہد مسلسل جلد سوم صفحہ نمبر 241)۔

امان اللہ خان کا یہ نوحہ اپنی جگہ تاہم اس حکمت عملی کے تحت بھارت نے بھی فائدہ اٹھایا۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر سے پاکستان کے زیرانتظام کشمیر میں جو ہزاروں لوگ آئے، اُس کا بھارت اور پاکستان دونوں کو فائدہ تھا۔ بھارت کے لیے مسلح تحریک کے لوگوں کو ڈھونڈنا کافی مشکل ہورہا تھا۔ جب لوگوں کی پاکستان کے زیرانتظام کشمیر آمد و رفت شروع ہوگئی تو بھارتی ایجنٹ اس میں شامل ہوگئے اور انہوں نے اُن مجاہدوں اوران کے خاندانوں کے مکمل کوائف حاصل کرلیے۔

اسی دوران 1991ء میں مظفرآباد میں جہاد کونسل قائم ہوئی۔ مسلح تحریک اور جہادیوں کو سیاسی طور پر قابو میں رکھنے کے لیے 1993ء میں حریت کانفرنس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس میں ابتدائی طور پر سات جماعتیں شامل تھیں۔ جموں کشمیر عوامی ایکشن کمیٹی، جماعت اسلامی جموں اینڈ کشمیر، جموں کشمیر لبریشن فرنٹ، جموں کشمیر پیپلز لیگ، جموں کشمیر پیپلز کانفرنس، جموں کشمیر مسلم کانفرنس، جموں کشمیر اتحاد المسلمین۔ ابتدائی طور پر حریت کے پلیٹ فارم سے جو سیاسی قیادت سامنے آئی، ان میں بالترتیب میرواعظ مولوی محمد عمر فاروق، سید علی شاہ گیلانی، محمد یاسین ملک، شبیر احمد شاہ، عبدالغنی لون، پروفیسر عبدالغنی اور مولانا عباس انصاری شامل تھے۔ اس کے علاوہ اس میں دیگر جو سیاسی جماعتیں شامل ہوئیں، ان میں جموں کشمیر محاذ آزادی، مسلم خواتین مرکز، جماعت

اہلحدیث جموں کشمیر، بزم توحید اہلحدیث جموں کشمیر، انجمن تبلیغ الاسلام اور جمعیت علمائے کشمیر شامل تھیں۔ حریت کانفرنس کا جو منشور نادیدہ قوتوں کی ایما پر ترتیب دیا گیا تھا، اس میں گرچہ کچھ باتیں آزادی پسندوں کی بھی شامل تھیں، تاہم حریت کانفرنس کے اس منشور میں ایک وضاحت پانچ بنیادی اغراض و مقاصد کے بعد شامل کی گئی تھی، جس کے تحت منشور میں لکھا گیا کہ ''مصالحتی اتفاق رائے میں وہ اتفاق شامل نہیں ہوگا جو ہندوستان کی آئینی حدود کے اندر ہو۔'' اس طرح حریت کے اس منشور میں واضح طور پر جھکاؤ سامنے آیا۔ حریت کانفرنس کا یہ منشور جسے شبیر صدیقی شہید نے لکھا۔

حریت کانفرنس کا ابتدائی منشور

ا۔ اقوام متحدہ کے چارٹر اور سکیورٹی کونسل کی قراردادوں کے مطابق جموں کشمیر کے عوام کو حق خود ارادیت دلوانے کے لیے پرامن جدوجہد کرنا۔ اور اس حق خودارادیت میں حق خودمختاری بھی شامل ہوگا۔ جیسا کہ سب کلاز 2(ii) میں درج ہے۔

۲۔ اقوام متحدہ یا کوئی بھی دوست ممالک کی مدد سے تنازعہ کے متبادل مصالحت شدہ حل کے لیے تینوں فریق ہندوستان، پاکستان اور ریاست جموں کشمیر کے عوام کے درمیان مصالحت (اتفاق رائے) کی کوشش کرنا، بشرطیکہ ایسا اتفاق ریاست کے عوام کی مرضی اور خواہشات کے مطابق ہو۔

۳۔ ریاست میں جاری جدوجہد کو دُنیا کے ممالک اور اقوام میں اس کے حقیقی تناظر میں اجاگر کرنا کہ یہ تحریک جابرانہ اور دھوکہ دہی سے بھارت کی طرف سے ریاست پر قبضہ کے خلاف ہے اور ریاست کے عوام کے لئے حق خودارادیت کی جدوجہد کرنا۔

۴۔ ریاست میں مسلم اکثریت ہونے کی وجہ سے ان کے معاشرے کو اسلامی اقدار کے مطابق بنانے کے لیے جدوجہد کرنا، جس میں غیر مسلموں کے حقوق اور مفادات کا بھی تحفظ ہو۔

۵۔ ان درج بالا مقاصد کے حصول کے لیے، ان سے منسلکہ دیگر مقاصد کے لیے بھی جدوجہد کرنا۔

بعدازاں حریت کے بہت سے ایسے راہنما شہید کردیے گئے، جو حریت کے منشور کے مطابق جدوجہد کررہے تھے۔ اس کے بعد حریت کو تقسیم کردیا گیا۔ آج حریت کانفرنس کا مکمل جھکاؤ پاکستان کی طرف ہے، جو اس کے بنیادی منشور کی خلاف ورزی ہے۔ حریت کا منشور لکھنے والے شبیر صدیقی کو مروا دیا گیا کیونکہ یہ نیا بتی جنگ تھی، جس میں ایسے مہروں کی گنجائش نہیں ہوتی جو شاطر کی مرضی و منشا کے مطابق نہ ہو، کیونکہ پاکستانی حکمرانوں کے مفادات اس سے کہیں آگے تھے۔ کشمیری لیڈرشپ جو آزادی کی تحریک لے کر نکلی تھی وہ خوف میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اس کے لیے پاکستانی اداروں کے پاس بڑا آسان طریقہ کار تھا۔ کسی بھی سیاسی لیڈر کو مارنے سے قبل اس پر کوئی نہ کوئی الزام لگا دیا جاتا اور بعدازاں اسے مار دیا جاتا۔ حریت لیڈر شوکت اللہ کی شہادت کے بعد یاسین ملک نے کالم لکھے کہ کس طرح الزام لگا کر مار دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں اسی طرح کا ایک الزام میرواعظ عمر فاروق نے علی گیلانی کے ایک بیان کے جواب میں دیا کہ علی گیلانی کے ایسے بیانات پہلے بھی بہت سے لوگوں کو مروا چکے ہیں۔ اب وہ مزید کس کو مروانا چاہتے ہیں۔ (میرواعظ کا اشارہ اپنی طرف تھا)۔

1990ء کے اس عشرے میں ایک کھیل اور کھیلا گیا۔ جہادی عناصر کو آزاد کشمیر آنے کی دعوت دی گئی۔ طے شدہ حکمت عملی کے مطابق جو بھی قافلہ آزاد کشمیر پہنچا، اس میں سے مذہبی عناصر کو الگ کر کے براہ راست اور افغانستان میں تربیت دینا شروع کر دی۔ ان نو جوانوں کو قرآن کی آیات اور احادیث پڑھ پڑھ کر سنائی جاتیں۔ ان کی برین واشنگ کی جاتی لبریشن فرنٹ کو اس بارے میں معلوم تھا، لیکن وہ کچھ کرنے کی حیثیت میں نہیں تھی۔ کشمیری جو اپنی قومی آزادی کی جنگ لڑنے کے لیے تربیت کے لیے آئے تھے، انہیں امت مسلمہ کا ٹھیکیدار بنا کر واپس بھیجا گیا۔ لہذا انہوں نے جاتے ہی بھارت سے زیادہ ان جماعتوں اور گروپوں کے خلاف بندوق کا استعمال شروع کر دیا، جو بائیں بازو کی سوچ رکھتے تھے۔ اسلام پسند گروپوں کے ذریعے بندوق اپنے کنٹرول میں لے کر اسے ناپسند کشمیریوں، لبریشن فرنٹ اور اس جیسی خود مختار تنظیموں کے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حزب المجاہدین، لشکر طیبہ، حزب اللہ، حرکت المجاہدین جیسی درجنوں تنظیمیں وجود میں آ گئیں۔ حزب المجاہدین نے لبریشن فرنٹ کے کارکنوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ لہذا اگلے چند سال میں حزب کے بجائے کشمیر کی مذہبی جنگ کی کمان لشکر طیبہ اور جیش محمد کے پاس تھی۔ حزب چونکہ کشمیری اسلام پسندوں کی تنظیم تھی، نادیدہ قوت کو کشمیریوں کی ضرورت تھی نہ اُن کے اسلام کی۔ اب نادیدہ قوت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی علی گیلانی، عبدالغنی لون، غلام نبی فائی اور عبدالغنی بھٹ نے نادیدہ قوت کے کہنے پر ایک گروپ تشکیل دیا۔ میر واعظ مولوی فاروق نے بعض معاملات سے اختلاف کیا تو انہیں قتل کر دیا گیا۔ بعدازاں عبدالغنی لون کو قتل کرایا گیا۔ ان کے بیٹے نے ان کے قتل کے فوراً بعد جو بیان جاری کیا، اس میں نادیدہ قوت کے حمایت یافتہ افراد پر الزام عائد کیا گیا ہے۔ پاکستان اور آزاد کشمیر آنے والوں میں سے چند ہزار وطن واپس پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ جو واپس گئے، ان کی شناخت ہو چکی تھی۔ ان میں سے زیادہ تر مارے گئے۔ ایسے وقت میں لبریشن فرنٹ کو تنہا چھوڑ دیا، ایک لاکھ کے قریب مسلح لوگ پالنے کے اخراجات برداشت کرنا لبریشن فرنٹ کی استطاعت سے زیادہ تھا۔ امداد بند ہو گئی۔ اب امداد ان لوگوں کے لیے تھی، جو ان کے ہم خیال تھے۔ لبریشن فرنٹ کے قائدین چھپتے پھر رہے تھے کہ جو لوگ تربیتی کیمپ میں ہیں، ان کا کیا کِیا جائے، کیونکہ ان لوگوں کو واپس بھیجنے کے لیے اسلحہ تھا نہ پیسہ۔ کئی قائدین کو مجاہدین کی طرف سے دھمکیاں مل رہی تھیں۔

اس صورتحال میں فرنٹ کے پاس ان لوگوں کو نادیدہ قوت کے سپرد کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ ایسے میں کچھ لوگ ہمت کر کے اپنی مدد آپ کے تحت واپس گئے۔ جب وہ وہاں پہنچتے تو بھارتی فوج گرفتار کر لیتی۔ اگر کوئی اُس پار سے اِس طرف آئے تو اُسے بھارتی ایجنٹ قرار دے کر عقوبت خانوں میں تفتیش کی جاتی۔ ریاست جموں کشمیر کی آزادی کے خواہش منداب ایسے گھیرے میں آ چکے تھے کہ ہر طرف موت، رسوائی ان کا مقدر بن گئی تھی۔ وہ اُس پار واپس جاتے تو شدید برفانی موسم میں زندگی کی بازی ہار جاتے۔ جو تھوڑا آگے بڑھتا تو بھارتی فوج کے عقوبت خانوں میں ساری زندگی اس کا مقدر ہوتی۔ جو ان دونوں سے بچ کر کہیں پہنچتا، نادیدہ قوت کے لوگ اس تک پہنچ جاتے اور اُسے بلیک میل کیا جاتا۔ اگر اُس نے ساتھ نہ دیا تو اسے خود مار دیں گے، یا بھارتی فوج کو بتا دیں گے، جو اس سے نکل کر پاکستان کے زیر انتظام کشمیر آتا تو پاکستانی ادارے اس سے تفتیش

کرتے، نتیجتاً ہزاروں قوم پرست مجاہد ایسے ہیں، جو سیز فائر لائن پر برف کا شکار ہوئے یا جنگلی جانوروں کا نوالہ بن گئے۔ بے یقینی کی یہ فضاء پیدا ہوگئی کہ بیٹا ماں پر اعتبار کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔

گروہوں کے گروہ برف تلے دب گئے۔ آزاد کشمیر میں سینکڑوں ایسے لوگ دیکھے گئے جو کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن بھکاری بن گئے۔ 1990ء کی تحریک میں جن لوگوں نے گھر بار چھوڑا، اُن لوگوں کو مختلف جگہوں پر آباد کرکے عالمی برادری خصوصاً عرب ممالک سے بھاری مقدار میں امداد لی گئی۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالغنی لون کو جب مشرق وسطیٰ کے ایک اجلاس میں اس بارے میں معلوم ہوا تو خود انہوں نے امداد دینے والوں کو یہ سچ بتا دیا کہ ان کے پاس تو کچھ نہیں آتا، جس پر بعد از اں انہیں قتل کر دیا گیا۔ آج کل یہی متاثرین کشمیری (بالخصوص) اُس پار کے مہاجرین جہاد کے نام پر کرائے پر جلسوں وغیرہ کی صورت میں استعمال ہوتے ہیں۔

کشمیریوں کو بھارت سے آزاد کروانے کی دعویدار تنظیموں ''لشکر طیبہ'' اور ''جیش محمد'' کے یہ کارکنان کشمیریوں سے اتنی ہی نفرت کرتے تھے اور کرتے ہیں، جتنی غیر مسلموں سے۔ یہ کشمیریوں کو بزدل خیال کرتے اور ان سے حقارت آمیز لہجے میں بات کرتے ہیں۔ اختلاف کی صورت میں مار پیٹ پر اتر آتے ہیں۔ چونکہ انہیں نادیدہ قوت کی پشت پناہی حاصل ہے، اس لیے مقامی پولیس اور انتظامیہ ان کا ہر حکم بجا لاتی ہے اور آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

ان کی گاڑی کو اگر کوئی راستہ نہ دے تو اُسے اپنے کیمپ میں لے جا کر تشدد کا نشانہ بناتے۔ اسلام کی یہ عجیب قسم جو نادیدہ قوتوں کی متعارف کردہ تھی نے کشمیریوں کو حقیقی غلامی کا احساس دلایا اور جس نے کشمیریوں میں ''اپنا دیس، اپنا راج'' کا احساس پیدا کیا۔ ایک طرف نادیدہ قوتیں بھارتی مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں مذہبی عناصر کی آبیاری میں مصروف تھیں ریاست جموں کشمیر میں ایک اور مذہبی جنگ اپنے عروج پر تھی۔ وادی کے حصول کے لیے خونی کھیل اپنے عروج پر تھا لداخ اور جموں مسلط شدہ تحریک سے دانستہ الگ کر دیے گئے تھے۔ ان حالات میں آزاد کشمیر کی آزادی پسند تنظیموں نے آگے بڑھ کر مادر وطن کی وحدت کے لیے ایک منفرد کردار ادا کیا۔ سرخ جھنڈا تھامے یہ نہتے لوگ بھارتی اور پاکستانی فوج سے ٹکرائے اور پوری دنیا کو یہ پیغام دیا کہ یہ جنگ، یہ جدوجہد مذہبی جنگ نہیں، الحاق کی جنگ نہیں، بلکہ کشمیر کی وحدت، کشمیر کی آزادی کی جنگ ہے۔ یوں گزشتہ صدی کی آخری دہائی کے ابتدائی دو سالوں میں شہید کشمیر مقبول بٹ شہید کی برسی کے موقع پر این ایس ایف اور لبریشن فرنٹ نے جنگ بندی لائن کو اپنے پاؤں تلے روندا جس کی تفصیل بذیل ہے:

آزاد کشمیر کے آزادی پسندوں کی طرف سے جنگ بندی لائن توڑنے کی عوامی کوششیں:

کشمیریوں کو تقسیم کرنے والی حد بندی کو توڑنے کے لیے دو مرتبہ کوششیں ہوئیں۔ پہلی مرتبہ نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کے مرکزی صدر گل نواز بٹ کی آواز پر این ایس ایف نے چکوٹھی کے مقام سے سیز فائر لائن کو توڑنے کی کوشش کی۔ آزاد حکومت کی تمام تر کوششوں کے باوجود این ایس ایف کے آزادی پسند طلبہ نے چکوٹھی

کے اس پار بھارتی زیر قبضہ علاقے میں این ایس ایف کا سرخ جھنڈا لہرایا۔ اس کوشش میں این ایس ایف کے تین طلبہ شہید ہو گئے۔ فروری 1992ء میں جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے قائد امان اللہ خان نے ایک مرتبہ پھر سیز فائر لائن توڑنے کی کال دی۔ ابتدا میں پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کے اس وقت کے وزیر اعظم سردار عبدالقیوم نے اس فیصلے کی بھرپور حمایت کی، تاہم بعد میں پاکستانی حکمرانوں کے کہنے پر انہوں نے اس کی مخالفت شروع کر دی۔ فروری 1992ء کے پہلے عشرے میں آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل درانی بھی امان اللہ خان سے ملے اور انہیں نواز شریف کا پیغام پہنچایا کہ آپ جنگ بندی لائن توڑنے کا پروگرام منسوخ کر دیں۔ اس پروگرام کو روکنے کے لیے حکومت نے مظفر آباد جانے والی تمام شاہرات کو ڈائنا مائٹ لگا کر ناکارہ بنا دیا۔ اس کے باوجود پچاس ہزار سے زائد لوگوں نے لائن آف کنٹرول کی طرف مارچ کیا۔ اس میں بھی درجنوں لوگ شہید اور پچاس سے زائد زخمی ہوئے۔ کشمیریوں کی ان دو مہمات نے عالمی سطح پر تنازعہ کشمیر کو بھرپور اجاگر کیا۔ سیز فائر لائن توڑنے کے پروگرام دراصل پاکستان، ہندوستان اور عالمی برادری کے لیے ایک پیغام تھا کہ ریاست جموں کشمیر میں بسنے والے تمام لوگ بلاتخصیص مذہب و علاقہ ریاست جموں کشمیر کو ناقابل تقسیم وحدت سمجھتے ہیں اور اس کی حقیقی آزادی پر یقین کامل رکھتے ہیں۔

خونی کھیل کا اختتام

پاکستانی حکمرانوں نے کشمیر میں جو خونی کھیل شروع کیا، اس نے بھارت کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں۔ کشمیریوں کی اپنی تحریک کی وجہ سے بھارت کو عالمی دباؤ کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھارتی فوج کی طرف سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو بے نقاب کرتی تھیں۔ مگر جب پاکستانی پنجاب سے جہاد کی قیادت ہونے لگی تو بھارت نے عالمی برادری کو بتایا کہ یہ جیش محمد ہے، اس کا سربراہ مسعود اظہر ہے۔ یہ لشکر طیبہ ہے، اس کا سربراہ حافظ سعید ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بھارت کے خلاف کارروائی کی۔ اس کا ثبوت پاکستانی میڈیا ہے۔

اسطرح بھارت کے لیے آسانیاں پیدا کر دیں کہ وہ کشمیریوں کی قومی آزادی کی تحریک کو دہشت گردی سے جوڑ دے۔ گزشتہ صدی کے آخر میں پاکستان میں فوج نے اقتدار سنبھالا۔ اس کے بعد امریکہ ایک خودکش فضائی حملے میں ہزاروں کے حساب سے لوگ مارے گئے۔ جس کے اثرات کشمیر پر بھی پڑے۔ نتیجتاً پاکستانی حکمرانوں نے کچھ حد تک اپنے مسلح جتھوں کو زیر زمین کر دیا۔ تاہم آج تک آزاد کشمیر اور سرینگر کے گردو نواح کے کچھ علاقوں میں پاکستان کا کنٹرول ہے۔ متحدہ جہاد کونسل کے پہلے سربراہ تنویر الاسلام کو کشمیریت پر مبنی سوچ رکھنے کے جرم میں عہدے سے ہٹایا گیا۔ بلکہ انہیں قتل کرنے کی کوشش بھی کی گئی۔ آج کل وہ شہداء کے بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہے ہیں۔ جہاد کونسل کے سربراہ صلاح الدین اور جنرل سیکرٹری شیخ جمیل الرحمٰن کی اپنی نیت میں خلوص سہی، تاہم جہاد اُن کے کنٹرول میں نہیں۔ اور اب صورت حال یہ ہے کہ آزاد کشمیر کے حکمران، گلگت بلتستان کے حکمران، حریت کانفرنس اور جہاد کونسل کے علاوہ حق خود ارادیت کے نام پر کام کرنے والے کچھ بین الاقوامی کشمیری گروپ بھی پاکستانی حکمرانوں کے کنٹرول میں ہیں۔

31/ جولائی 1988ء کے خونی کھیل کا اختتام بس سروس، آر پار تجارت پر ہوا۔ عالمی حالات تبدیل ہوئے، آئی ایس آئی نے نئی حکمت عملی ترتیب دی، گلگت بلتستان کو صوبائی حیثیت دی گئی۔ اُس پار سے جو لوگ آئے تھے، انہیں واپس بھیجنا شروع کر دیا ہے۔ دونوں ممالک (بھارت اور پاکستان) میں پھر سے دوستی شروع ہو گئی ہے۔ پاکستان نے 69 سال میں کبھی بھی جموں کے بھارتی مقبوضہ حصے کی جنگ نہیں لڑی۔ 1988ء کی تحریک میں جب جموں کے ہندو اور سکھ بھی شامل ہوئے تو پنڈتوں کا قتل عام کر کے انہیں بھارتی سوچ اپنانے پر مجبور کیا گیا۔ ساری جنگ سرینگر کے حصول کی تھی۔ اس کے لیے لاکھوں لوگوں کو مروایا گیا۔ لا حاصل مشق کے بعد تاشقند، شملہ اور لاہور میں ہونے والے معاہدوں کی روح کے مطابق اب پاکستان کی سوچ سیز فائر لائن کو مستقل سرحد بنانے کی ہے۔ اس کے لیے آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں ہائیڈل پراجیکٹ لگائے جا رہے ہیں۔ ستمبر 2012ء میں گلگت بلتستان کی اسمبلی میں اسے پاکستان کا صوبہ بنانے کی قرارداد پیش کروائی گئی۔ آزاد کشمیر پر معاشی پابندیاں لگا کر کشمیریوں کے ذہنوں میں جسٹس (ریٹائرڈ) منظور گیلانی کے ذریعے پاکستان کے دھارے میں شامل ہونے کی سوچ پیدا کی جا رہی ہے۔

جسٹس منظور گیلانی کا فارمولا:

جسٹس گیلانی کہتے ہیں کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو پاکستان کے قومی دھارے میں شامل کیا جائے۔ پاکستان کے قومی مالیاتی کمیشن پانی اور بجلی کی رائلٹی اور ٹیکسز سے رقم حاصل کرنے کے عوض آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ کے انتخابات میں شامل ہوں۔ منقسم کشمیر کے پاکستان کے زیر انتظام یہ دونوں حصے آئینی طور پر پاکستان کے صوبے بن جائیں، مگر اس طرح کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر پر اثر نہ پڑے۔ آزادی پسندوں کا خیال ہے کہ منظور گیلانی کا یہ فارمولا دراصل ہندوستانی ایجنڈے کی تکمیل کا پہلا کارڈ ہے کہ حقوق کے نام پر ریاست کے ایک حصے کو عارضی طور پر پاکستان میں شامل کیا جائے اور پھر اس عارضی عمل کو مستقل کیا جائے۔ یوں ظاہراً کشمیر کی مسلم اکثریت کو مطمئن کر کے ہندوستان کو یہ موقع فراہم کیا جائے کہ وہ اپنے زیر قبضہ علاقوں کو اپنا صوبہ بنا لے۔

مسئلہ کشمیر کی وجہ سے پاکستان اور بھارت کے جنگی اخراجات اور ان کے عوام کی حالت زار

اگرچہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والی جنگوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ جنگیں ریاست جموں کشمیر پر لڑی گئیں۔ ریاست جموں کشمیر کے پانی اور دیگر معدنیات کے حصول کے لیے دونوں ممالک کے درمیان اختلافات ضرور ہیں لیکن یہ اختلافات دراصل ایک دوسرے کو تسلیم نہ کرنے اور نسلی برتری کے ہیں۔ دونوں ممالک کے اکثریتی مذاہب کی ایک تاریخ ہے۔ دونوں ممالک اپنی اسی مذہبی تاریخ کے حوالے سے سوچتے ہیں۔ کشمیر چونکہ ان دونوں ممالک کی زراعت اور پینے کے لیے پانی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے، اس لیے جموں و کشمیر گلگت بلتستان پر قبضہ ان ممالک کی پالیسی کا حصہ بن گیا۔ اس سوچ نے پاکستان اور ہندوستان کی

عوام کی ایک بڑی تعداد کو غربت کی لائن سے نیچے زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ برتری کے خواب کی جو قیمت ان ممالک کے عوام نے چکائی اگر اس کا موازنہ کشمیریوں کے دکھوں سے کیا جائے تو خود پاکستان اور ہندوستان کے عوام کی بڑی تعداد ذلت کی اس پستی میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے، جس کا جدید دور میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں ممالک میں امن وامان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے۔ ہندوستان کا روشن چہرہ 20 فیصد ہندوستانیوں کے لیے ہے۔ جتنی ریاست کشمیر کی آبادی ہے، اس سے زیادہ لوگ ہندوستان میں فٹ پاتھ پر رہتے ہیں۔ اس سے 22 گنا زیادہ لوگوں کو ٹوائلٹ کی سہولت حاصل نہیں عالمی ادارہ صحت اور یونیسف کی مئی 2014ء رپورٹ کے مطابق 45 کروڑ ہندوستانیوں کے پاس ٹوائلٹ کی سہولت موجود نہیں۔ پاکستان میں غربت کی لائن سے نیچے زندگی گزارنے والوں کی شرح 40 فیصد ہے، جو ریاست کشمیر کی آبادی سے 4 گناہ زائد ہے۔ 1947ء میں آزاد ہونے والے ان ممالک نے 65 سال میں خطرناک اسلحہ کے ذخائر اکٹھے کر لیے ہیں۔ اپنی عوام کو بھوک میں ڈال کر اسلحہ کے حصول کی جنگ وہ تباہ کن سوچ ہے، جو انسانیت سے متصادم اور ان ممالک کے عوام کے دکھوں کا باعث ہے

ہندوستان کی آبادی 1 ارب 25 کروڑ کے قریب ہے، اس کے پاس 13 لاکھ 25 ہزار فوج ہے، زمینی جنگی ہتھیاروں کی تعداد 75,191 ہے۔ 5000 ٹینک ہیں اور جنگی نقل وحرکت کے لیے 70000 گاڑیاں ہیں، 2462 جنگی جہاز ہیں، 848 ہیلی کاپٹر ہیں، بحری جہازوں کی تعداد 175 ہے، ایک بحری بیڑہ اور 15 کے قریب ایٹمی آبدوزیں ہیں۔ پاکستان کی آبادی 20 کروڑ کے قریب ہے، اس کی فوج 6 لاکھ 17 ہزار ہے، زمینی جنگی ہتھیاروں کی تعداد 16461 ہے، 2640 ٹینک ہیں، 1414 جنگی جہاز ہیں، 535 ہیلی کاپٹر، نیوی کے 11 جنگی جہاز ہیں، 5 ایٹمی آبدوزیں ہیں۔ پاکستان کے ترقی پسند مصنف ڈاکٹر لال خان کے مطابق بھارت کی حکومت کا فوج پر کیا جانے والا خرچ اس کے صحت، تعلیم اور دوسرے سماجی شعبوں پر کیے جانے والے مشترکہ خرچ کا دوگنا ہے۔ اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام کے انسانی ترقی کے اشاریے کے مطابق ممالک میں بھارت اور پاکستان آخری نمبروں پر ہیں۔ بھارت میں دنیا کی 17 فیصد آبادی ہے لیکن اس کا عالمی پیداوار میں حصہ دو فیصد ہے، جبکہ عالمی تجارت میں اس کا حصہ چار فیصد سے بھی کم ہے۔ 1984ء میں صرف ممبئی میں اسقاط حمل کے 40 ہزار واقعات کا پتہ چل سکا۔ بھارت کے بنیادی صحت کے مراکز کی رپورٹ کے مطابق تامل ناڈو کے 6 اضلاع میں قتل کے 3178 واقعات ہوئے۔

دوسری طرف پاکستان نے F-16 طیاروں کی خریداری کے لیے تین ارب ڈالر خرچ کیے، جبکہ پاکستان کے ہر 100 مربع کلومیٹر کے علاقے میں عالمی معیار کے بنیادی صحت کے مراکز کی تعمیر پر ایک ارب ڈالر خرچ ہوتے ہیں۔ 11 عدد F-16 طیاروں کی قیمت سے ایک لاکھ دیہات میں 4 کمروں کے سکول بنائے

جا سکتے ہیں۔ پچھلے 67 سالوں میں پاکستان میں سیمنٹ، شوگر اور کھاد کی پیداوار کو دوگنا کرنے کے لیے صرف 3 ارب ڈالر کی ضرورت تھی۔ یہ رقم اٹھا کر دفاعی بجٹ پر لگا دی گئی جس سے روزگار کے نئے مواقع پیدا نہ ہو سکے۔ ایک ایٹم بم کی قیمت میں 3200 گھر بنائے جا سکتے ہیں۔ ایک اگنی میزائل بنانے پر آنے والے خرچ سے 13000 بنیادی صحت کے مراکز بنائے جا سکتے ہیں۔ سیاچن جیسے محاذ پر دونوں ممالک 6 سے 7 کروڑ روپیہ یومیہ خرچ کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف ایک وقت کی روٹی نہ ہونے کی وجہ سے دونوں ممالک کے عوام خودکشی کرنے پر مجبور ہیں۔

جنگی جنون میں مبتلا پاکستان اور ہندوستان کے حکمران نفرت کی آبیاری کرنے میں پیش پیش رہے، جبکہ عوام کی حالت زار قابل رحم رہی۔ اس ضمن میں جنگ گروپ آف نیوز پیپرز کے مطابق 2002ء سے 2011ء کے اختتام تک 38 ہزار 419 افراد دہشت گردی کی وجہ سے مارے گئے، جن میں 11886 شہری، 4051 سکیورٹی فورسز کے اہلکار اور 22 ہزار 482 شدت پسند شامل ہیں۔

جنگ گروپ کے جنگ اخبار کے سنڈے ایڈیشن 2012ء کے مطابق 2011ء میں دہشت گردی کے 592 واقعات ہوئے جن میں 2476 شہری، 726 سکیورٹی فورسز کے اہلکار، 2594 شدت پسند مارے گئے۔ یوں 2011ء کے 365 دنوں میں 5796 لوگ مارے گئے۔

پاکستان میں 25 لاکھ لوگ فٹ پاتھ پر سونے کے لیے مجبور ہیں، جبکہ پاکستان میں 5 سے 15 سال کے 2 کروڑ بچے سکول جانے سے محروم ہیں۔ پاکستان کے ایک مؤقر اخبار جنگ کے مطابق 2011-12ء میں پاکستان میں خواتین پر تشدد میں 49 فیصد اضافہ ہوا۔ عزت کے نام پر قتل میں 27 فیصد اور گھریلو تشدد میں 26 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا۔ جنگ اخبار کے مطابق پاکستان میں 33 لاکھ بچے پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے مشقت پر مجبور ہیں، جن میں 27 فیصد بچیاں ہیں۔ پاکستان میں ایک سال تک کے 1000 بچوں میں سے 78 بچے اور ایک سے 5 سال تک کے 1000 بچوں میں 94 بچے ہر سال موت کا شکار ہو جاتے ہیں، جن میں سے 60 فیصد بچے صاف پانی کی عدم فراہمی اور صفائی کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے جبکہ 35 فیصد بچے خوراک کی کمی کی وجہ سے لقمۂ اجل بنتے ہیں۔

عالمی ادارے کی 2012ء کی رپورٹ کے مطابق ہر دسواں پاکستانی بے روزگار ہے، جس سے مراد یہ لی جا سکتی ہے کہ پاکستان میں 2 کروڑ کے قریب افراد بے روزگار ہیں، جبکہ ریاست جموں و کشمیر کی آبادی بھی 2 کروڑ کے قریب ہے۔

1665 افراد کے لیے ایک ڈاکٹر، جبکہ ایک آدمی کی صحت پر حکومت سالانہ 240 روپے خرچ کرتی ہے۔ صحت کا مجموعی بجٹ تمباکو کمپنیوں سے حاصل کردہ ریونیو سے بھی کم ہے۔ مجموعی جی ڈی پی کا 1.58 فیصد

تعلیم کے لیے رکھا جاتا ہے۔

بھارت میں 2 کروڑ سے زائد لوگ فٹ پاتھ پر سوتے ہیں۔ یہ تعداد منقسم ریاست جموں کشمیر کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ 6 کروڑ بچوں سے جبری مشقت کا کام لیا جاتا ہے۔ 12 کروڑ بچے سکول نہیں جاتے۔ ہر سال 11 ہزار بچے اغوا ہوتے ہیں جو کبھی اپنے والدین کو نہیں مل پاتے۔

غربت کی وجہ سے سال 2012ء میں بھارت میں بچے مارکیٹ میں فروخت کے لیے پیش کیے گئے، بچوں کی قیمت ایک بکری کے برابر تھی یعنی 15 سے 25 ہزار روپے۔ ان بچوں نے پوسٹر اٹھا رکھے تھے، ''آپ ہمیں خرید لیں''۔ دُنیا بھر میں سٹریٹ چلڈرن کی تعداد 10 کروڑ ہے، جس کا 18 فیصد بھارت میں ہے۔

بھارت میں 40 فیصد آبادی بجلی سے محروم ہے اور پاکستان 40 فیصد لوڈشیڈنگ کا شکار ہے۔

باب پنجم

سرینگر اور مظفر آباد کے دھلی اور اسلام آباد سے انتظامی رشتوں کی تفصیل

گرچہ مہاراجا ہری سنگھ کے دور میں 80 فیصد مسلمانوں اور 19 فیصد عام غیر مسلموں کے پاس کوئی اختیار نہیں تھا۔ 100 سال میں کسی مسلمان کو وزیر اعظم نہیں بنایا گیا۔ ملازمتوں میں صرف 2 فیصد مسلمان تھے۔ چونکہ اس وقت پورے ہندوستان میں انداز حکمرانی اسی طرح کا تھا۔مگر اس کے باوجود ڈوگرہ خاندان نے ریاست کے جس موجودہ جغرافیے کی بنیاد رکھی، ساری زندگی اس کی حفاظت کی۔ مہاراجا ہری سنگھ نے ریاست کی جغرافیائی وحدت اور شخصی حکمرانی برقرار رکھنے کیلئے پاکستان سے معاہدہ جاریہ کیا لیکن اس کے باوجود مہاراجا کے مدمقابل آزاد کشمیر میں ایک حکومت قائم کردی گئی۔ شخصی حکمرانی سے نجات اور عوام کی حکمرانی کے نام پر بننے والی حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ ڈوگرہ حکمران خاندان کی قائم کردہ جغرافیائی وحدت کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس حکومت نے 28 اپریل 1949ء کو ایک معاہدہ کیا جس سے ریاست جموں کشمیر کا 29 ہزار مربع میل رقبہ پاکستان کے زیر قبضہ چلا گیا۔

معاهده کراچی:

28/اپریل 1949ء کو وزارت امور کشمیر حکومت پاکستان، حکومت آزاد جموں و کشمیر اور مسلم کانفرنس کے مابین کراچی میں ایک معاہدہ طے پایا جس کی رو سے حکومت پاکستان اور حکومت آزاد کشمیر کے درمیان تقسیم کار کی تفصیلات طے کی گئیں۔ اس معاہدے کی ایک شق کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کے علاقہ جات گلگت بلتستان کے تمام معاملات عارضی طور پر حکومت پاکستان کے مقرر کردہ پولیٹیکل ایجنٹ کی وساطت سے حکومت پاکستان کو منتقل کر دیے گئے۔ 27 ہزار مربع میل پر مشتمل ریاست جموں و کشمیر کا یہ علاقہ پاکستان کے زیر انتظام ہے۔ معاہدہ کراچی کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

الف۔ حکومت پاکستان کے دائرہ اختیار کے اندر معاملات:

۱۔ دفاع
۲۔ آزاد کشمیر کی خارجہ پالیسی
۳۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوپاک (UNCIP) کے ساتھ مذاکرات
۴۔ پاکستان اور بیرونی ممالک میں تشہیر کے معاملات
۵۔ رائے شماری کے سلسلے میں تشہیر میں باہمی رابطہ
۶۔ کشمیر کے بارے میں پاکستان کے اندر مختلف اقدامات، جیسے خوراک کی فراہمی، سول سپلائی، ٹرانسپورٹ، مہاجرین کے کیمپوں کا قیام اور طبی امداد وغیرہ۔
۷۔ گلگت اور لداخ (بلتستان) کے جملہ انتظامات کا کنٹرول۔

ب۔ آزاد کشمیر حکومت کے زیر اختیار معاملات:

۱۔ آزاد کشمیر کے علاقے کی انتظامیہ کے متعلق پالیسی۔
۲۔ آزاد کشمیر علاقے کی انتظامیہ کی نگرانی۔
۳۔ آزاد کشمیر حکومت اور انتظامیہ کی کارکردگی کی تشہیر۔
۴۔ عزت مآب وزیر بے محکمہ (حکومت پاکستان) کو اقوام متحدہ کے کمیشن (UNCIP) سے مذاکرات کے بارے میں مشورہ۔
۵۔ آزاد کشمیر کے علاقے میں اقتصادی ترقی۔

ج۔ مسلم کانفرنس کے زیر اختیار معاملات:

۱۔ علاقہ آزاد کشمیر میں رائے شماری کے بارے میں تشہیر۔
۲۔ ریاست کے ہندوستانی مقبوضہ علاقے میں کارروائیاں اور تشہیر۔
۳۔ مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں سیاسی سرگرمیوں کو منظم کرنا۔
۴۔ رائے شماری کے بارے میں ابتدائی انتظامات۔
۵۔ رائے شماری کے انعقاد کو منظم کرنا۔
۶۔ پاکستان کے اندر آباد کشمیری مہاجرین میں سیاسی سرگرمیوں کی تشہیر۔

۷۔ عزت مآب وزیر بے محکمہ (حکومت پاکستان) کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و ہندوستان (UNCIP) سے مذاکرات کے بارے میں مشاورت مہیا کرنا۔

اس معاہدے پر حکومت پاکستان کے وزیر بے محکمہ (انچارج امور کشمیر) مشتاق احمد گورمانی صدر آزاد کشمیر سردار محمد ابراہیم خان اور چوہدری غلام عباس صدر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے دستخط ثبت کیے۔ بعد ازاں اسلام آباد کی طرف سے مختلف رولز آف بزنس آتے رہے اور آزاد کشمیر کے حکمران اقتدار کے لیے ہر لمحے اپنے لوگوں کے حقوق سے دستبردار ہوتے رہے۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ آزاد کشمیر میں اس وقت ایکٹ 1974ء کے تحت نظام چلایا جا رہا ہے، جس کے تحت صدر، وزیر اعظم، وزراء جو حلف اٹھاتے ہیں، اس کی عبارت میں آئین و قانون کی پابندی لازمی نہیں بلکہ ''الحاق پاکستان کے مشن کے ساتھ وفادار رہوں گا'' اس حلف کا حصہ ہے۔

حلف کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

''میں ______________ صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ قادر مطلق کی وحدانیت اور یکتانیت، اس کے فرشتوں، اللہ کی کتابوں، ان میں سے آخری کتاب قرآن کریم، اس کے انبیاء، حضرت محمد ﷺ کی مطلق ختم نبوت، روز جزا، قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی تمام تعلیمات اور پر ایمان رکھتا ہوں، یہ کہ میں بحیثیت وزیر اعظم آزاد جموں و کشمیر اپنے ملک کے ساتھ اور ریاست جموں و کشمیر کے الحاق پاکستان کے مشن کے ساتھ وفادار رہوں گا، یہ کہ میں بحیثیت وزیر اعظم اپنے فرائض دیانت داری اور ایمانداری سے انجام دوں گا۔''

ایکٹ 1974ء میں کشمیر کونسل کے اختیارات:۔

ایکٹ 74ء کے تحت کشمیر کونسل کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل ہیں جو آزاد کشمیر کے لفظ ''آزاد'' کی توہین ہے۔

کونسل کی فہرست قانون سازی:-

1۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندو پاک کی قراردادوں کے تحت حکومت پاکستان کی ذمہ داریوں کے تابع، قومیت، شہریت (وطن گیری) آزاد جموں و کشمیر سے یا اس میں نقل مکانی کرنا، آزاد جموں و کشمیر میں داخلہ اور وہاں سے ترک وطن اور اخراج بشمول اس سلسلہ میں آزاد جموں و کشمیر میں غیر سکونت پذیر افراد کی آزاد جموں کشمیر کے اندر نقل و حرکت کا انضباط

2۔ ڈاک اور تار بشمول ٹیلی فون، لاسلکی نشریات اور مواصلات کے ایسے ہی دیگر ذرائع ڈاک خانے کا بچت بنک

3۔ کونسل کا سرکاری قرضہ بشمول سرمایہ مجتمع کونسل کی کفالت پر قرض لینا۔

4۔ کونسل کی سرکاری ملازمتیں اور کونسل پبلک سروس کمیشن

5۔ کونسل کی پنشن یعنی کونسل کی طرف سے یا سرمایہ مجتمع کونسل میں واجب الادا پنشن

6۔ کونسل کے ماتحت افراد کے لیے انتظامی عدالتیں اور ٹربیونل
7۔ حسب ذیل اغراض کے لیے کونسل کی ایجنسیاں اور ادارے یعنی تجربہ وتحقیق کے لیے فنی اور پیشہ وارانہ تربیت کے لیے یا خصوصی تعلیم کی ترقی کے لیے۔
8۔ جوہری توانائی بشمول
الف۔ جوہری توانائی پیدا کرنے کے لیے ضروری وسائل
ب۔ جوہری ایندھن کی پیداوار اور جوہری توانائی کا پیدا کرنا اور
ج۔ شعاؤں کا برقانا۔
9۔ ہوائی جہاز اور ہوابازی، ہوائی اڈوں کا اہتمام، ہوائی جہازوں کی آمدرفت اور ہوائی اڈوں کا انضباط۔
10۔ ہوائی جہازوں کی حفاظت کیلیے اشارگاہیں اور دیگر انتظامات۔
11۔ ہوائی راستوں سے مسافروں اور مال کی نقل وحمل
12۔ حق تصنیف، ایجادات، نمونے، تجارتی نشانات اور تجارتی مال کے نشانات۔
13۔ افیون جہاں تک برآمد کے لیے فروخت کا تعلق ہو۔
14۔ بنکاری، یعنی کاروبار بنکار کے لیے انعقاد کے سلسلے میں حکومت پاکستان کے ساتھ ارتباط۔
15۔ قانون بیمہ اور کاروبار بیمہ کے انعقاد کا انضباط۔
16۔ اسٹاک ایکسچینج اور وعدہ بازار، جس کے مقاصد اور کاروبار آزاد جموں وکشمیر تک محدود ہوں۔
17۔ کارپوریشنوں، یعنی تجارتی کارپوریشنوں بشمول بیمہ کاری اور مالی کارپوریشنوں کی تشکیل کرنا۔ انہیں منضبط کرنا اور ختم کرنا، لیکن ان میں ایسی کارپوریشنیں جو آزاد جموں وکشمیر کے اندر کاروبار کریں یا انجمن ہائے امداد باہمی شامل نہیں ہیں اور ایسی کارپوریشنیں تشکیل دینا، منضبط کرنا اور ختم کرنا، خواہ وہ تجارتی ہوں یا نہ جن کے مقاصد آزاد جموں وکشمیر تک محدود نہ ہوں، لیکن ان میں یونیورسٹیاں شامل نہ ہوں گی۔
18۔ معاشی ارتباط کے لیے منصوبہ بندی بشمول سائنسی اور تکنیکی تحقیق کی منصوبہ بندی اور ارتباط۔
19۔ شاہراہیں جو آزاد جموں وکشمیر کے علاقہ سے باہر تک جارہی ہوں۔ ان میں وہ سڑکیں شامل نہیں جنہیں حکومت پاکستان نے کلیدی اہمیت کا حامل قرار دیا ہو۔
20۔ کونسل کی مساحتیں، بشمول ارضیاتی مساحتیں اور کونسل کی موسمیاتی تنظیمیں۔
21۔ کونسل کی اغراض کے لیے کونسل کی ملکیت یا قبضہ میں تعمیرات، اراضی اور عمارات

(جوہری، بحری اور فضائی فوج کی تعمیرات نہ ہوں) لیکن آزاد جموں وکشمیر میں واقع جائیداد کے سلسلے میں ہمیشہ قانون ساز اسمبلی کے مرتب کردہ قانون کے تابع، بجز جس حد تک کونسل کا مرتبہ قانون بصورت دیگر حکم دے۔

22۔ مردم شماری

23۔ ناپ تول کا معیار قائم کرنا۔

24۔ آزاد جموں وکشمیر یا پاکستان کے کسی صوبے کی جمعیت پولیس کے ارکان کے اختیارات اور دائرہ کار کی ایسے صوبے یا آزاد جموں وکشمیر کے کسی علاقے پر وسعت لیکن اس طرح سے نہیں کہ آزاد جموں وکشمیر یا ایسے صوبے کی پولیس کو آزاد جموں وکشمیر یا ایسے صوبے میں اس صوبے یا آزاد جموں وکشمیر کی حکومت کی رضا مندی کے بغیر اختیارات اور دائرہ کار کا استعمال کرنے کے قابل بنا دیا جائے آزاد جموں وکشمیر یا پاکستان کے کسی صوبے کی جمعیت پولیس کے ارکان کے اختیارات و دائرہ کار کی آزاد جموں وکشمیر یا اس صوبے سے باہر ریلوے کے علاقوں پر وسعت۔

25۔ کونسل کے انتخابات۔

26۔ اراکین کونسل اور (مشیروں) کے مشاہرے، الاؤنسز اور مراعات۔

27۔ ریلوے۔

28۔ معدنی تیل اور قدرتی گیس، مائعات اور مادے جن کا خطرناک حد تک آتش گیر ہونا کونسل کے وضع کردہ قانون کے ذریعے قرار دیا جائے۔

29۔ صنعتی ترقی، جبکہ کونسل کے وضع کردہ قانون کے ذریعے مفاد عامہ کی خاطر کونسل کے زیر اہتمام ترقی قرین مصلحت قرار دی جائے۔

30۔ قیدیوں اور ملزم اشخاص کی آزاد جموں وکشمیر سے پاکستان اور پاکستان سے آزاد جموں وکشمیر کی طرف منتقلی۔

31۔ کونسل اور حکومت سے متعلق معاملات کے سلسلے میں ارتکاب کردہ بعض جرائم سے نمٹنے کے لیے تدابیر اور اس مقصد کیلیے جمعیت پولیس کا (قیام یا حکومت پاکستان سے متعلق معاملات کے سلسلے میں ارتکاب کردہ جرائم کی تفتیش کے لیے پاکستان میں قائم شدہ جمعیت پولیس کے دائرہ کار کی آزاد جموں وکشمیر تک وسعت)

32۔ آزاد جموں وکشمیر سے پاکستان کی طرف اور پاکستان سے آزاد جموں وکشمیر کی طرف متعدی یا وبائی امراض یا انسانوں، حیوانوں اور پودوں کو متاثر کرنے والے کیڑے مکوڑوں کے پھیلاؤ کی روک تھام۔

33۔ آبادی کی منصوبہ بندی اور سماجی فلاح و بہبود

34۔ پانی کھولانے کی مشینیں (بوائلرز)
35۔ بجلی
36۔ اخبارات، کتب اور چھاپہ خانے
37۔ ریاستی جائیداد
38۔ تعلیمی درسیات، نصاب، منصوبہ بندی، حکمت عملی، مراکز امتیاز اور معیار تعلیم۔
39۔ متحرک فلموں کی نمائش کی منظوری دینا۔
40۔ سیاحت
41۔ محصولات درآمد بشمول برآمدی محصولات۔
42۔ زرعی آمدنی کے علاوہ آمدنی پر محصولات۔
43۔ کارپوریشنوں پر محصولات۔
44۔ اثاثوں کی اصل مالیت پر محصولات، جس میں غیر متعلقہ جائیداد پر منافع سرمایہ کے محصول شامل نہیں ہیں۔
45۔ کسی پلانٹ، مشینری منصوبہ، کارخانہ یا تنصیب کی پیداواری صلاحیت پر، ان محصولات اور ڈیوٹیوں کے بجائے جن کی صراحت اندراج 42 یا 43 میں کر دی گئی ہے یا ان میں سے کسی ایک یا دونوں کے بجائے محصولات اور ڈیوٹیاں۔
46۔ ریل یا ہوائی جہاز سے لے جانے والے مال یا مسافروں پر مستہائی محصولات، ان کے کرایوں اور باربرداری پر محصولات۔
47۔ اس فہرست میں مندرجہ کسی امر کی بابت فیسیں، لیکن ان میں کسی عدالت میں لی جانے والی فیس شامل نہیں۔
48۔ اس فہرست میں مندرجہ کسی امر کی بابت تمام عدالتوں کا اختیار سماعت اور اختیارات۔
49۔ اس فہرست میں مندرجہ کسی امر سے متعلق قوانین کے خلاف جرائم۔
50۔ اس فہرست میں مندرجہ کسی امر کی اغراض کے لیے تحقیقات اور اعداد شمار۔
51۔ وہ امور جو اس ایکٹ کے تحت کونسل کے اختیار قانون سازی میں ہوں یا کونسل سے متعلق ہوں
52۔ اس فہرست میں مندرجہ کسی امر کے ذیلی یا ضمنی امور۔

ان 52 نکات کو دیکھ کر آسانی سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت آزاد کشمیر کے پاس سوائے تبادلوں اور تنخواہوں کے بانٹنے اور ریموٹ کنٹرول پروٹوکول سے لطف اندوز ہونے کے علاوہ کوئی اختیار نہیں۔ آزاد کشمیر ویسے تو نام کا آزاد ہے، لیکن آزاد کشمیر کی آزادی لفظوں تک محدود ہے۔ آزاد کشمیر کا سارا نظام بالواسطہ پاکستانی فوج کے پاس ہے۔ آزاد کشمیر کے کٹھ پتلی حکمران پاکستان کی وزارت امور کشمیر کے ایک کلرک کے

سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ کشمیر کے اندر ریگولر آرمی کو جی او سی مری کنٹرول کرتا ہے۔ آزاد کشمیر پولیس کا سربراہ پاکستانی ہوتا ہے۔ سیکرٹری داخلہ یا چیف سیکرٹری کا بھی پاکستانی ہونا لازمی ہے۔ یہ اس قدر طاقتور ہوتا ہے کہ وزیراعظم آزاد کشمیر اس کے سامنے بے بس ہوتا ہے۔ سیکرٹری مالیات ایک اور پاکستانی آفیسر ہوتا ہے، جو آزاد کشمیر کے پورے مالی معاملات کو اپنی مٹھی میں رکھتا ہے۔ آزاد کشمیر کے اندر تعمیر و ترقی کا جو عمل ہے اس کا سربراہ بھی ایک پاکستانی آفیسر ہوتا ہے۔ اور جملہ مالی معاملات (شعبہ حسابات) کا سربراہ بھی پاکستانی لازمی ہے۔ بالفاظ دیگر آزاد کشمیر کے لوگوں کا تمام تر حق حکمرانی یا آزادی پانچ یا چھ لینٹ آفیسران کے پاس ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حوالے سے نام نہاد بیس کیمپ جو بھی سرگرمیاں سرانجام دیتا ہے، اس کی ڈور جی او سی مری کے پاس ہے۔ آزاد کشمیر میں 1970ء تک وزارت امور کشمیر حکومتیں بناتی اور گراتی رہی۔ بعد ازاں پارلیمانی دور میں وہی شخص اقتدار میں آیا، جسے پاکستانی خفیہ ایجنسیوں نے سرٹیفکیٹ دیا۔ گرچہ ظاہراً انتخابات ہوتے ہیں، ووٹ بھی ڈالے جاتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان آرمی ہی آزاد کشمیر کے چیف ایگزیکٹو کا انتخاب کرتی ہے۔ ریاستی جماعتیں ہوں یا پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی آزاد کشمیر کے اندر شاخیں، کوئی بھی سیاسی جماعت یا شخصیت اپنے طور پر فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔ اگر کوئی ایسا فیصلہ کر بھی لے تو اسے نشان عبرت بنا دیا جاتا ہے۔ آزاد کشمیر کی تمام سیاسی جماعتوں یا سیاسی شخصیات کے ساتھ جو سیاسی حادثے ہوئے، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان شخصیات نے یہ سمجھنے میں غلطی کی کہ وہ آزاد ہیں۔ آزاد کشمیر کے وسائل کے حوالے سے اگر کوئی بات کرے تو اسے غدار کہا جاتا ہے۔ آج بھی آزاد کشمیر کے وسائل یہاں کے لوگوں کے پاس نہیں۔ جس کی واضح مثال منگلا ڈیم ہے۔ جس کا حکومت آزاد کشمیر سے کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا۔ نیلم جہلم پراجیکٹ سمیت جتنے دیگر پراجیکٹس بنائے جارہے ہیں اس میں بھی حکومت آزاد کشمیر سے کوئی مشاورت نہیں کی گئی ایک طبقہ کا یہ خیال ہے کہ اقوام متحدہ نے پاکستان کو جو ذمہ داریاں دی تھیں یہ سب کچھ اس سے تجاوز ہے اور یہ سب کچھ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق نہیں۔ آزاد کشمیر کے اندر پاکستانی سیاسی جماعتوں کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے کہ ریاست جموں کشمیر کے وسائل پر پاکستان کا قبضہ رہے اور اس سارے عمل کو جمہوریت کہا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزاد کشمیر، اسلام آباد کی نوآبادی ہے۔

پاکستان کے کیبنٹ ڈویژن کا نوٹیفکیشن مجریہ 11 مئی 1971ء جس کے تحت قرار دیا گیا ہے

Azad jammukashmir is to be Brought In to the mainstream general administration of Pakistan and shuld for all practical purpuse be treated like any other province of the federation.

اس پر بھی بس نہیں کیا گیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر پاکستان نے ایکٹ 1974ء میں انسانی حقوق اور مسئلہ کشمیر کی روح اور اپنے موقف سے متصادم ایک اور شق نافذ کردی عبوری آئین 1976ء کے دفعہ 6 کے کلاز (2) کے تحت

No person or political party in azad jammukashmir roal be permitted to propagate against or take part in actirities prejudicial or determinately to tha ideology of the state , s accession of pakistan

گلگت بلتستان اور پاکستان کے درمیان انتظامی رشتہ:۔

اسی طرح گلگت بلتستان کو 2009ء میں نیم صوبائی حیثیت دے کر مسئلہ کشمیر کے حوالے سے اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کی گئی (اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق گلگت بلتستان پاکستان کا حصہ یا صوبہ نہیں بلکہ پاکستان کشمیر کی اس اکائی کا نگران ہے اور پاکستان اور ہندوستان کسی ایک اکائی کی حیثیت میں تبدیلی کرنے کے مجاز نہیں) اور گلگت بلتستان کے لوگوں کو جمہوریت کے نام پر کالے سیاہ قوانین سے نکالنے کا ظاہراً جو دعویٰ کر کے نام نہاد حقوق دیے گئے اس میں گلگت بلتستان کے لوگوں کے پاس کتنے اختیارات ہیں اور کشمیر کونسل (جس کا چیئرمین غیر ریاستی ہوتا ہے) کے پاس کتنے اختیارات ہیں اس کا اندازہ کونسل کی قانون سازی کی درج ذیل فہرست کو دیکھ کر بآسانی ہو جاتا ہے:-

COUNCIL LEGISLATIVE LIST

[See Article 47(2) (a)]

1. Post and telegraphs, including telephones, wireless, broad-casting and other like forms of communications; Post Office Saving Bank.
3. Public debt of the Council, including the borrowing of money on the security of the Council Consolidated Fund.
4. Council public services and Council Public Service Commission.
5. Council pensions, that is to say, pension's payable by the Council or out of the Council Consolidated Fund.
6. Administrative courts for Council subjects.
7. Council agencies and institutions for the following purpose, that is to say, for research, for professional or technical training, or for the promotion of special studies.
8. Nuclear energy, including.-
   (a) mineral resources necessary for the generation of

nuclear energy;

(b) the production of nuclear fuels and the generation and use of nuclear energy; and

(c) ionizing radiations.

9. Aircraft and air navigation; the provision of aerodromes; regulations and organization of air traffic and of aerodrome.

10. Beacons and other provisions for safety of aircraft.

11. Carriage of passengers and goods by air.

12. Copyright, inventions, designs, trademarks and merchandise marks.

13. Opium so far as regards sale for export.

14. Banking, that is to say, the co-ordination with the Government of Pakistan of the conduct of banking business.

15. The law for insurance and the regulation of the conduct of insurance business.

16. Stock-exchange and future markets with object and business not confined to the areas comprising Gilgit-Baltistan. .

17. Corporations, that is to say, the incorporation regulation and winding up of trading corporations including banking, insurance and financial corporations, but not including corporations owned or controlled by the Provincial Government of Gilgit-Baltistan and carrying on business, co-operative societies, and of corporations, whether trading or not, with object not confined to the Gilgit-Baltistan, but not including universities.

18. Planning for economic coordination, including planning

and coordination of scientific and technological research.

19. Highways, continuing beyond the territory of the Gilgit-Baltistan excluding roads declared by the Government of Pakistan to be strategic importance.
20. Council surveys including geological surveys and Council meteorological organizations.
21. Works, lands and buildings vested in, or in the possession of the Council, for the purpose of the Council (not being Military, Naval or Air Force works), but as regards property situated in the Gilgit-Baltistan, subject always to law made by the Legislative Assembly, save in so far as law made by the Council otherwise provides.
22. Census.
23. Establishment of standards of weights and measures.
24. Extension of the powers and jurisdiction of members of a police force belonging to the Gilgit-Baltistan or any Province of Pakistan to any area in such Province or the Gilgit-Baltistan, but not so as to enable the police of the Gilgit-Baltistan or such province to exercise powers and jurisdiction in such Province or the Gilgit-Baltistan without the consent of the Government of that Province or the Gilgit-Baltistan; extension of the powers and jurisdiction of members of a police force belonging the Gilgit-Baltistan or a Province of Pakistan to railway areas outside the Gilgit-Baltistan or that Province.
25. Election to the Council.
26. The salaries, allowances and privileges of the members of the Council and Advisors.
27. Railways.

28. Mineral oil natural gas; liquids substances declared by law made by the Council to be dangerously inflammable.
29. Development of industries, where development under Council control is declared by law made by Council to be expedient in the public interest.
30. Removal of prisoners and accused persons from the Gilgit-Baltistan to Pakistan or from Pakistan to the Gilgit-Baltistan.
31. Measures to combat certain offences committed in connection with matters concerning the Council and the Government and the establishment of police force for that purpose or the extension to the Gilgit-Baltistan of the jurisdiction of police force established in Pakistan for the investigation of offences committed in connection, with matters concerning the Government of Pakistan.
32. Prevention of the extension from the Gilgit-Baltistan to Pakistan or from Pakistan to the Gilgit-Baltistan of infections or contagious diseases or pests affecting men, animals or plants.
33. Boilers.
34. Electricity and bulk water storage.
35. Newspapers, books and printing presses.
36. Works, lands and buildings vested, or in the possession of Government for the purpose of Gilgit-Baltistan Council (not being air force, military or navel works) save in so far as the Council Act otherwise provides.
37. Curriculum, syllabus, planning, policy, centers of excellence and standards of education.
38. Sanctioning of cinematography films for exhibition.

39. Tourism.

40 Forest.

41 Minerals and Mineral Wealth.

42. Duties of customs, including export duties.

43. Duties of excise, including duties on salt but not including duties on alcoholic liquors, opium and other narcotics.

44. Taxes on income other than agricultural income.

45. Taxes on corporations.

46. Taxes on the sale and purchases of goods and services imported, exported, produced, manufactured or consumed.

47. Taxes on the capital value of the assets, not including taxes on capital gains on immovable property.

48. Taxes and duties on the production capacity of any plant, machinery, under taking, establishment or installation in lieu of the taxes and duties specified in entries 42 and 43 or in lieu of either or both of them.

49. Terminal taxes on goods or passengers carried by railway or air, taxes on their fares and freights.

50. Fees in respect of any of the matters enumerated in this list, but not including fees taken in any court.

51. Jurisdiction and powers of all courts with respect to any of the matters enumerated in this list.

52. Offences against laws with respect to any of the matters enumerated in this list.

53. Inquires and statistics for the purpose of any of the matters enumerated in this list.

54. Matters which under the Act are within the legislative competence of the Council or relates to the Council.

55. Matter incidental or ancillary to any of the matters enumerated in this list.

بھارت اور سرینگر کے انتظامی رشتوں کی تفصیل ماہ و سال کی روشنی میں

منقسم کشمیر کے دونوں حصوں پر قبضے کے بعد اپنے قبضے کو مستحکم کرنے اور اس کی جوازیت برقرار رکھنے کے لیے دونوں ممالک نے اپنے زیر قبضہ علاقوں میں قائم ہونے والی حکومتوں سے معاہدے کیے۔ بھارت نے 1947ء سے لیکر 1975ء تک ریاست جموں وکشمیر پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے حالات سے فائدہ اٹھا کر یا جبر کے ذریعے جو آئینی رشتے قائم کیے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

معاہدہ الحاق ہندوستان:

ہز ہائی نس مہاراجا آف جموں وکشمیر کا خط بنام ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل ہندوستان، مورخہ 26/اکتوبر 1947ء:

مائی ڈیئر ماؤنٹ بیٹن!

میں جناب والا کو اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ میری ریاست میں شدید ہنگامی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس کی بنا پر میں آپ سے فوری مدد کی درخواست کرتا ہوں۔

جناب والا اس سے آگاہ ہیں کہ ریاست جموں وکشمیر نے ہندوستان یا پاکستان کسی ایک سے بھی الحاق نہیں کیا ہے۔ جغرافائی لحاظ سے میری ریاست دونوں ہی مملکتوں سے ملحق ہے اور دونوں ہی کے ساتھ اس کے اہم اقتصادی اور ثقافتی رشتے ہیں۔

علاوہ ازیں میری ریاست کی سرحدیں روس اور چین سے بھی ملتی ہیں اور ہندوستان و پاکستان دونوں مملکتیں اپنے خارجہ تعلقات میں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے کے لیے وقت درکار تھا کہ میں کسی مملکت کے ساتھ الحاق کروں یا کیا یہ صورت دونوں مملکتوں ہی کے مفاد میں بہتر نہ ہوگی کہ میں آزاد رہوں اور دونوں ہی سے دوستانہ تعلقات رکھوں؟

چنانچہ میں نے پاکستان اور ہندوستان کی مملکتوں سے معاہدات قائمہ کی درخواست کی۔ حکومت پاکستان نے اس معاہدے کو تسلیم کر لیا، لیکن حکومت ہندوستان نے میری حکومت کے نمائندے سے مزید بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جس کا مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر میں انتظام نہ کر سکا۔ بہر حال اس معاہدہ کی رو سے حکومت پاکستان ریاست کی اندرونی ڈاک و تار کا نظام کر رہی ہے۔

اگرچہ پاکستان کے ساتھ معاہدہ قائمہ کر چکے ہیں، اس کے باوجود حکومت نے اشیائے خورد و نوش، نمک اور پٹرول کی سپلائی بند کر دی ہے۔

آفریدیوں، سادہ لباس میں ملبوس سپاہیوں اور جدید اسلحہ سے لیس لوگوں کو ریاست میں گھسنے دیا گیا ہے۔ یہ لوگ پہلے پونچھ سے داخل ہوئے، پھر سیالکوٹ کی طرف سے اور آخر میں ضلع ہزارہ سے ملحق علاقے رام کوٹ کی جانب سے گروہ در گروہ پہنچتے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محدود تعداد میں ریاستی سپاہ کو مختلف جگہوں پر تقسیم کر دینا

پڑا اور انہیں ایک ہی وقت میں کئی مقامات پر دشمن کا مقابلہ کرنا پڑا۔اب جان و مال کی تباہی اور لوٹ مار سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مہورا کا بجلی گھر جو تمام سرینگر کو بجلی سپلائی کرتا ہے، جلا دیا گیا ہے۔ مغویہ اور عصمت دریدہ عورتوں کی تعداد مجھے خون کے آنسو رلا رہی ہے۔ وحشی قوتیں جو ریاست میں در آئی ہیں، موسم گرما کے دارالحکومت سرینگر کی جانب تیزی سے اس مقصد کی خاطر بڑھ رہی ہیں کہ پوری ریاست پر قبضہ کیا جا سکے۔

شمال مغربی سرحد کے دور دراز علاقوں سے بڑی تعداد میں باقاعدگی کے ساتھ مانسہرہ اور مظفرآباد کی سڑک پر سے ٹرکوں پر بیٹھ کر قبائلیوں کا ریاست میں داخل ہونا اور جدید اسلحہ سے پوری طرح لیس ہو کر آنا یقیناً شمال مغربی سرحدی صوبے کے صوبائی حکام اور حکومت پاکستان کے علم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میری حکومت کی طرف سے بار بار کی درخواستوں کے باوجود ان حملہ آوروں کو روکنے یا ریاست میں داخل ہونے سے منع کرنے کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ بلکہ ریڈیو پاکستان اور پاکستانی پریس ان واقعات کا ذکر بھی کر رہے ہیں۔ پاکستان ریڈیو نے تو ایک کہانی یہ بھی گھڑی ہے کہ کشمیر میں ایک عارضی حکومت قائم کر دی گئی ہے۔ لیکن میری ریاست کے عوام نے، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان اس میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

چنانچہ میری ریاست میں پیدا ہونے والی موجودہ صورتحال اور شدید ہنگامی حالات کے پیش نظر میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ میں مملکت ہندوستان سے امداد طلب کروں۔ قدرتی طور پر مجھے یہ مدد اس وقت تک نہیں مل سکتی، جب تک میری ریاست ہندوستان سے الحاق نہیں کر لیتی۔ چنانچہ میں نے الحاق کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس خط کے ہمراہ الحاق کے کاغذات آپ کی حکومت کی منظوری کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔ میرے لیے دوسرا راستہ یہ ہے کہ میں ریاست کو حملہ آوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔ ظاہر ہے کہ اس بنیاد پر کوئی مہذب حکومت قائم یا برقرار نہیں رہ سکتی۔ یہ راستہ میں اس وقت تک اختیار کرنا پسند نہیں کروں گا جب تک اس ریاست کا حکمران میں ہوں اور اپنے ملک کو بچانے کے لیے زندہ ہوں۔

میں جناب والا کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میرا ارادہ ہے کہ فوری طور پر ایک عبوری حکومت قائم کروں اور شیخ محمد عبداللہ سے کہوں کہ وہ میرے وزیراعظم سے مل کر اس ہنگامی حالت میں ذمہ داری سنبھال لیں۔

اگر میری ریاست کو بچانا چاہتے ہیں تو سرینگر کو فوری مدد کی ضرورت ہے۔ مسٹر مینن تمام صورتحال سے آگاہ ہیں اور اگر مزید کسی استفسار کی ضرورت ہو تو وہ آپ کو بتا دیں گے۔ یہ تحریر بہت جلدی میں لکھی گئی ہے۔

بصد احترام:

آپ کا مخلص
ہری سنگھ
محل جموں

26/اکتوبر 1947ء

دفعہ 370

17/اکتوبر 1949ء کو بھارت کی مجلس منتخبہ اور قانون ساز اسمبلی (پارلیمنٹ) نے آئین ہند کی دفعہ 370 کو تسلیم کیا۔ اس دفعہ کی رو سے بھارت اور ریاست جموں وکشمیر کے رشتوں اور تعلقات کو حتمی شکل دی گئی، اس کی رو سے ریاست کو ایسا تحفظ حاصل ہوا، جو بھارت کی کسی دوسری ریاست کو حاصل نہیں، یہ بھارت کی جانب سے ''دستاویز الحاق'' میں تسلیم شدہ وعدوں کی تکمیل کا ایک ثبوت تھا۔

اس دفعہ کے تحت ریاست کو جو سب سے بڑی حیثیت ملی، وہ یہ تھی کہ اس ریاست کا اپنا ایک علیحدہ آئین ہوگا، یہ حیثیت بھارت میں کسی اور ریاست کو حاصل نہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بھارت اس ریاست میں شرط وشرائط کے تحت موجود ہے، اسی قانون کی رو سے ریاست کو اپنا الگ جھنڈا رکھنے کا حق حاصل ہوا، اس کی رو سے بھارت نے یہ بھی تسلیم کیا کہ بھارتی پارلیمنٹ کو ریاست میں اپنے قوانین نافذ کرنے کا محدود اختیار حاصل ہوگا، یعنی وہ صرف انہی معاملات میں مداخلت کرسکتی ہے، جن کو دستاویز الحاق میں تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی قانون کے تحت ریاست کا اپنا وزیر اعظم بھی ہوتا تھا، جو سیاستدانوں کی بعد کی غلطیوں یا پھر خودغرضانہ ''سیاسی مجبوریوں'' کی وجہ سے گھٹ کر ''وزیر اعلیٰ'' تک محدود ہوگیا۔

دفعہ 370 کا متن

1۔ ریاست جموں وکشمیر کے حوالے سے (بھارت کی) عارضی شرائط:

(a) (بھارتی آئین کی) دفعہ 238 کی شرائط کا اطلاق ریاست جموں وکشمیر پر نہیں ہوگا۔

(b) بھارتی آئین کا دائرۂ اختیار مذکورہ ریاست کے لیے قانون بنانے اور انہیں وہاں نافذ کرنے کے حوالے سے (مندرجہ ذیل شرائط کے تحت) محدود ہوگا۔

(I) ایسے معاملات جو کہ وفاقی فہرست میں شامل ہیں اور مشترکہ فہرست میں شامل ہیں، یعنی دستاویز الحاق کی رو سے تسلیم شدہ ہیں، کے حوالے سے وہ قوانین، جن کو لاگو کرنا صدر ہند کے دائرۂ اختیار میں ہے، کو ریاستی حکومت کی وساطت سے ہی لاگو کیا جاسکتا ہے۔

(II) ایسے معاملات، جو کہ ان فہرستوں میں شامل ہیں، اور جن کے بارے میں ریاستی حکومت کا اشتراک ضروری ہے، کے حوالے سے صدر ہند ایک حکمنامے کے ذریعے جانکاری دیں گے۔

وضاحت: اس دفعہ کے حوالے سے، ریاستی حکومت کا مطلب وہ شخص ہوگا، جسے صدر وقتی طور پر منتخب کرے گا، جیسے کہ صدر ہند کی ہدایت پر ریاست کے مہاراجا نے کونسل آف منسٹرس کی ہدایت پر وقتی طور پر اپنے دفتر کا کام کاج جاری رکھا تھا (مورخہ 5/مارچ 1948ء)

(c) آئین کی دفعہ نمبر ایک اور مذکورہ دفعہ کی شرائط کا اطلاق ریاست کے ساتھ (بھارت

کے)رشتوں پر ہوگا۔

(d) آئین کی باقی دفعات کا اطلاق ریاست پر صدر مملکت کی طرف سے نشاندہی شدہ تحفظات اور تبدیلیوں کی حد تک ہی ہوگا، اور صدر ہند کی طرف سے کوئی ایسا حکم نامہ تب تک جاری نہیں کیا جائے گا، جس کا تعلق دستاویزِ الحاق کی شق نمبر 1 کی زیریں شق نمبر (b) میں تسلیم شدہ شرائط کے ساتھ ہو، جب تک کہ اس حوالہ سے ریاستی حکومت کو اعتماد میں نہ لے لیا جائے، علاوہ ازیں یہ بھی شرط ہوگی کہ کوئی بھی حکمنامہ، جس کا تعلق اس دستاویز کے ساتھ نہ ہو، تب تک لاگو نہیں کیا جائے گا، جب تک کہ اس کی منظوری ریاستی سرکار نہ دے۔

2۔ اگر ریاستی حکومت کی منظوری، شق نمبر 1 کی ذیلی دفعہ 2 کے پیراگراف (II) یا پھر Second Provision کے Sub-Clause کے حوالے سے ضروری ہو تو ریاستی قانون ساز اسمبلی اس پر غور و خوض کرنے کے بعد اس کی منظوری دے سکتی ہے، اس حوالہ سے جو فیصلہ اسمبلی کرے گی، وہی قابل تسلیم ہوگا۔

(3) یہ دفعہ اور اس میں شامل تمام شرائط اور باتیں تب تک لاگو رہیں گی، جب تک کہ اس حوالہ سے صدر باضابطہ پبلک نوٹیفکیشن جاری نہ کریں کہ یہ دفعہ فلاں تاریخ سے پوری طرح یا بعض تبدیلیوں کے ساتھ لاگو رہے گی، لیکن اس کے لیے شرط یہ ہوگی کہ اس کے لیے ریاست کی قانون ساز اسمبلی کی جانب سے سفارشات موصول ہوں (جیسا کہ شق نمبر 2 میں درج ہے) اور ایسا صدر ہند کی جانب سے نوٹیفکیشن جاری کرنے سے پہلے ضروری ہوگا۔

اے جی نورانی نے اس موضوع پر اپنی کتاب "Nehru's Legacy in Foreign Affairs" میں کچھ اس طرح سے روشنی ڈالی ہے:

''یہ نہرو ہی تھا، جس نے بھارتی آئین کی دفعہ 370 کو منسوخ کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا، جو کہ اب محض برائے نام ہی رہ گئی ہے، اس بات کا اشارہ نہرو کے اپنے ہی اس بیان سے ملتا ہے، جو انہوں نے لوک سبھا کے ایک اجلاس سے، 27/نومبر 1963ء کو خطاب کرتے ہوئے دیا تھا اور جس میں انہوں نے کہا تھا، ''یہ دفعہ (370) ختم ہو چکی ہے، اس حوالے سے پچھلے چند برسوں کے دوران بہت کچھ کیا جا چکا ہے، جس سے ریاست جموں و کشمیر اور بھارت کے رشتوں میں دوریاں کافی حد تک کم ہو چکی ہیں، اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کشمیر اب مکمل طور پر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے، مجھے لگتا ہے کہ اس دفعہ کو دھیرے دھیرے پوری طرح سے ختم کرنے کا سلسلہ جاری رکھا جانا چاہیے، اس ضمن میں کچھ تازہ اقدامات بھی کیے جا رہے ہیں اور انہیں اگلے ایک یا دو مہینوں کے دوران مکمل کر لیا جائے گا۔ مجھے لگتا ہے اس طرح کے اقدامات کو جاری رکھا جانا چاہیے لیکن میرے خیال سے اس دفعہ کو پوری طرح سے ختم نہیں کیا جانا چاہیے بلکہ اسے اس طرح سے غیر مؤثر کیا جانا چاہیے کہ یہ محض برائے نام باقی رہ جائے۔ ہمیں اس حوالے سے کسی حتمی نتیجہ پر پہنچنے کے لیے کشمیری عوام کے فیصلے کا ہی انتظار کرنا چاہیے۔ (یعنی ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ خود کشمیری حکومت اس دفعہ کے خاتمے کے لیے بھارت

سے رجوع کرے) اور ہمیں اس فیصلے کو تسلیم کر لینا چاہیے اور یہ عمل جاری ہے......ہم اس حوالے سے ریاستی حکومت اور عوام کی مدد سے کوئی بھی تبدیلی کرنے کے مجاز ہیں، اور یہی سب سے بڑی بات ہے۔''

پنڈت نہرو، جنھوں نے اقوام متحدہ میں کشمیر کے مسئلہ کو پیش کر کے پاکستان کو ایک حملہ آور اور بھارت کو ریاست کا ''نگران'' قرار دیا تھا اور بھارتی آئین میں اس ریاست کے مستقبل کے تحفظ کے لیے دفعہ 370 کو شامل کروایا تھا، صرف ڈیڑھ دہائی گزرنے کے بعد اس قدر بدل چکے تھے کہ ریاست اور مرکز کے درمیان ہوا گزرنے کی جگہ بھی باقی نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ وہ ایک ایسے خاموش اور سست قسم عمل میں مصروف تھے، جس کا مقصد ریاست کو آخر کار بھارتی یونین کا ناقابل تنسیخ حصہ بنانا اور اس کی ہر اُس خصوصی پوزیشن کو ختم کرنا تھا، جس کی وجہ سے دلی اور سری نگر کے درمیان کوئی خلیج یا خلل باقی رہے۔''

اے جی نورانی اپنی کتاب میں آگے لکھتے ہیں:

''یہ نہرو کا انداز تھا کہ وہ کس طرح سے اپنی 'ضد اور ہٹ دھرمیوں' کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ ان کا ہر معاملے میں یہی طریقہ کار تھا، نہرو نے نہ صرف شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کا حکم صادر کیا تھا، بلکہ اس نے اس بات کو بھی یقینی بنایا کہ کچھ وقت کے لیے ان سے کوئی بھی نہ مل سکے اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی راحت حاصل ہو سکے...... یہ بھی نہرو ہی تھا، جس نے تین ایسے انتخابات کی سر پرستی کی، جن میں دھاندلیاں کر کے مرکز نے اپنے من پسند لوگوں کو کرسی پر بٹھایا تا کہ وہ اپنے ارادوں اور منصوبوں میں رنگ بھر سکے۔ ان میں سے پہلا الیکشن 1951ء کا تھا، جس میں شیخ محمد عبداللہ کو جتوایا گیا، دوسرا 1957ء اور تیسرا 1962ء کا تھا، جس میں نہرو نے اپنے منظورِ نظر بخشی غلام محمد کو کرسیٔ اقتدار پر بٹھایا'' 1951ء کے انتخابات، جن میں شیخ محمد عبداللہ کو 75 میں سے 73 نشستیں (بلا مقابلہ) حاصل ہوئی تھیں اور اسی قانون ساز اسمبلی نے ریاست کا آئین بھی ترتیب دیا تھا۔ اس الیکشن کے نتائج پر تبصرہ کرتے ہوئے نہرو نے کہا تھا ''کشمیری عوام نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ نیشنل کانفرنس اور بھارت کے ساتھ ہیں'' لیکن اس کے چند برس بعد 1957ء میں جب 75 نشستوں کا انتخاب ہوا تو اس میں سے وادی کی 41 نشستیں بخشی غلام محمد کی نیشنل کانفرنس نے بلا مقابلہ جیت لیں۔ اس وقت شیخ محمد عبداللہ سلاخوں کے پیچھے تھے۔ اس وقت نامزدگی کے کاغذات کو 'کمزور' بنیادوں پر مسترد کر دیا گیا، بخشی کو 75 نشستوں کے ایوان میں 68 نشستوں کی بھاری اکثریت دلائی گئی۔ 1962ء کے انتخابات میں بخشی کی این سی نے 70 نشستیں حاصل کیں، جن میں سے 32 بلا مقابلہ جیت لی گئیں، اس کے بعد 1967ء میں کانگریس حکومت کی سرپرستی کرتے ہوئے غلام محمد والی قیادت کا بیشتر حصہ اسی انتخابی بدعنوانی کا نتیجہ تھا، جس نے اس 'جمہوری عمل' میں حصہ لیا تھا۔ اس الیکشن میں این سی کو 39 سیٹیں ملی تھیں، کانگریس (I) کو 24، مسلم متحدہ محاذ کو صرف چار (جن میں آج کے حریت رہنما سید علی گیلانی، محمد سعید شاہ اور غلام نبی سمجھی بھی شامل تھے) آزاد امیدواروں کو چار نشستیں ملی تھیں اور بی جے پی کو دو۔''

ان سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس بات میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں بچتا کہ آئین کی دفعہ 370 جس کو ریاست جموں وکشمیر کو ایک خصوصی پوزیشن عطا کرنے کی غرض سے اس میں شامل کیا گیا تھا، کو ایک

منصوبہ بند طریقے سے ختم کرنے کا ایک سست رفتار مگر طویل سلسلہ اس دفعہ کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو کر برابر آج تک جاری ہے۔ جو شیخ محمد عبداللہ 1947ء میں بھارت کا واحد غمخوار، مگر طاقتور دوست بن کر سامنے آیا اور کشمیر کو ایک مسلم اکثریتی ریاست ہونے کے باوجود بھارت کا معاون ثابت ہوا، وہی 1957ء میں صرف دس برس بعد بھارت کا سب سے بڑا دشمن بن چکا تھا، اور اسے ہرانے اور نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اسے جیل میں ڈال کر بخشی غلام محمد کو میدان میں اتار دیا گیا اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اسے مضبوط حکومت بنا کر دی گئی اور آگے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا گیا تا کہ ریاستی حکومتوں کو اس بات کے لیے استعمال کیا جائے کہ وہ مرکز اور ریاست کے درمیان حائل اس دیوار، جس کا نام دفعہ 370 تھا کو ختم کرنے میں مددگار ثابت ہو سکیں اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ریاستی حکومتیں وقتاً فوقتاً یہ کام انجام دیتی رہیں اور مرکز کے کام کو آسان بنانے میں ان کا کافی ہاتھ شامل رہا۔

جہاں تک شیخ محمد عبداللہ کا تعلق ہے، انہوں نے 1952ء کے دہلی ایگریمنٹ کے فوراً بعد اس بات کو محسوس کر لیا تھا کہ ریاست کی خودمختاری کو بھارتی وفاق میں تحلیل کرنے کا عمل ایک ''قانونی غلطی'' ہوگی، اس لیے انہوں نے اس معاہدے کو اہمیت دینے میں کافی احتیاط سے کام لیا، انہوں نے دلی حکومت سے اصرار کیا کہ وہ اس معاہدے پر نظرِ ثانی کرے یا پھر اسے سرے سے ہی کالعدم تصور کرے، لیکن دہلی والوں نے ان کی ایک نہ مانی اور ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ پہلے سے نافذ العمل دہلی معاہدے پر عملدرآمد کریں اور یہی وہ بنیادی اختلاف تھا، جس کی وجہ سے شیخ محمد عبداللہ اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان دوریاں پیدا ہونے لگیں۔ پرویز دیوان اس حوالے سے لکھتے ہیں، 'دونوں کے درمیان اس قدر اختلافات بڑھ گئے کہ) 9 اگست 1953ء کو بھارت سرکار نے ڈاکٹر کرن سنگھ، جو کہ اس وقت صدر ریاست تھے، کو حکم دیا کہ وہ شیخ محمد عبداللہ کو وزیر اعظم کے عہدے سے برطرف کر دیں، ان کی گرفتاری عمل میں لائیں اور ان کی جگہ بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم بنا دیا جائے، اس دوران شیخ محمد عبداللہ کے قریبی ساتھی مرزا محمد افضل بیگ کی گرفتاری بھی عمل میں لائی گئی۔ اس وقت خود بخشی بھی کابینہ میں شامل تھے۔

دھلی ایگریمنٹ:

1952ء میں مقبوضہ ریاست جموں کشمیر کے نمائندگان نے نئی دہلی میں حکومت ہندوستان کے نمائندوں سے طویل مذاکرات کیے جن میں ریاست کے ہندوستان سے آئینی رشتہ کے متعلق اہم معاملات طے پائے۔ اس سمجھوتے کو دہلی ایگریمنٹ کا نام دیا گیا۔ اس عہد نامہ کو شیخ محمد عبداللہ نے کشمیر اسمبلی میں پیش کر کے نمائندوں سے حمایت حاصل کی۔ اس عہد نامہ میں حکومت ہند نے یہ نقطہ نظر اپنایا کہ 26/اکتوبر 1947ء کو معاہدہ الحاق ہند کے بعد اب ریاست جموں و کشمیر ہند یونین کا ایک آئینی حصہ ہے۔ ریاست جموں کشمیر کی حکومت نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ریاست اور ہند یونین کے مابین آئینی تعلقات کو آخری شکل دینے کا اختیار بطور خاص جموں کشمیر آئین ساز اسمبلی کو حاصل ہوگا۔ دفاع، کرنسی، مواصلات اور امور خارجہ کی ذمہ داری مرکزی حکومت کے سپرد ہوگی۔ باقی اندرونی معاملات میں ریاست با اختیار ہوگی۔ عہد نامے کے اہم نکات حسب ذیل

ہیں:

۱۔ ریاست جموں کشمیر کا ہر باشندہ ہندوستان کا شہری ہوگا۔

۲۔ آئین ہند میں ہندوستانی باشندوں کو جو حقوق حاصل ہیں وہ جموں کشمیر کے باشندوں کو کلی طور پر عطا نہیں کیے جائیں گے۔

۳۔ مقدمات کی سماعت کے لیے عدالت اعلیٰ سپریم کورٹ آف انڈیا ہوگی۔

۴۔ ریاست کشمیر کا اپنا الگ جھنڈا ہوگا لیکن ہند یونین کے جھنڈے کو فوقیت حاصل ہوگی۔

۵۔ ریاستی مجرموں کے لیے موت کی سزا کو التواء میں ڈالنے یا عمر قید میں تبدیل کرنے کا اختیار صدر ہند کو حاصل ہوگا۔

۶۔ صدر ریاست کا عہدہ وراثتی نہیں ہوگا۔

۷۔ ریاست جموں کشمیر اور ہند یونین مالی معاملات باہمی تعاون سے چلائیں گی۔

۸۔ ہنگامی حالات میں ریاست جموں کشمیر کا براہ راست کنٹرول مرکز اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔

1963ء میں ہندوستان نے ریاست جموں کشمیر کے اپنے مقبوضہ علاقوں میں صدر اور وزیراعظم کے عہدے کو ہندوستانی آئین کی روشنی میں گورنر اور وزیراعلیٰ کے نام دے دیے۔ اس اقدام کے بعد اہم بھارتی اداروں کسٹم، آڈٹ، مالیات، سپریم کورٹ اور الیکشن کمیشن کے دائرۂ کار کو جموں کشمیر تک کر دیا گیا۔ 27 نومبر 1963ء کو نہرو نے کہا کہ جموں کشمیر کی خصوصی حالت کو بتدریج معمول کے مطابق ڈھال دیا جائے گا۔ یہ معمول کیا تھا؟ یہ معمول ایسے ہی تھا جیسے دہلی، کلکتہ ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ہندوستان نے دسمبر 1964ء میں اپنے آئین کی دفعہ 357، 356 کے مطابق علاقائی حدود کو بڑھا دیا تاکہ کشمیر میں پارلیمنٹ، صدارتی راج اور قانون سازی کے لیے اختیارات حاصل ہوسکیں۔ یوں ہندوستان نے ریاست جموں کشمیر پر اپنے اختیار کو مزید وسعت دے دی۔

کشمیر ایکارڈ:

13/نومبر 1974ء کو نئی دہلی میں مرزا محمد افضل بیگ اور مسٹر جی پرتھا سارتھی نے ''کشمیر ایکارڈ'' کی دستاویز پر دستخط کیے۔ اس دستاویز میں فریقین جن باتوں پر متفق ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ ریاست جموں و کشمیر، جو ہند یونین کا ایک جزو ہے، کے یونین کے ساتھ تعلقات برابر آئین ہند کی دفعہ 370 ہوں گے۔

۲۔ قانون سازی سے متعلق بقایا اختیارات برابر ریاست کے دائرہ اختیار میں رہیں گے، تاہم ہند کی علاقائی سالمیت اور خود مختاری کو جھٹلانے، اس پر انگلی اٹھانے یا اس میں تفرقہ ڈالنے یا ہند کے کسی حصے کو الگ کرنے یا ہند کے کسی حصے کو یونین سے الگ کرنے یا ہند کے قومی پرچم، قومی ترانے اور آئین کی توہین کرنے کی کارروائیوں کا

تدارک کرنے سے متعلق قانون بنانے کا اختیار برابر پارلیمنٹ کو ہوگا۔

۳۔ اگر آئین کی کوئی مد ریاست جموں کشمیر پر مناسبت یا تبدیلی کے ساتھ لاگو کی گئی ہو تو ایسی مناسبت یا تبدیلی دفعہ 370 کے تحت صدر کے ایک حکمنامے کے ذریعے تبدیل یا منسوخ کی جاسکتی ہے۔اس سلسلے میں ہر منفرد تجویز کی افادیت پر غور کیا جائے گا۔لیکن آئین ہند کی جو کلازیں پہلے ہی کسی مناسبت یا تبدیلی کے بغیر ریاست جموں کشمیر پر لاگو کی گئی ہیں ان میں تبدیلی کی گنجائش نہیں۔

۴۔ ریاست جموں کشمیر کو اپنے خصوصی حالات کے موافق فلاحی اقدامات، ثقافتی معاملات، سماجی تحفظ، پرسنل لاء، اور ضابطہ قوانین جیسے معاملات سے متعلق اپنے قانون وضع کرنے کی آزادی کی یقین دہانی کے طور پر اس بات پر اتفاق کیا جاتا ہے کہ ریاستی حکومت کنکریٹ لسٹ سے متعلق پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے یا ریاست پر 1953ء کے بعد لاگو کیے گئے قوانین کا از سر نو جائزہ لے سکتی ہے اور اپنی رائے کے مطابق فیصلہ کرسکتی ہے کہ ان میں سے کن میں ترمیم یا منسوخی کی ضرورت ہے۔اس کے بعد آئین ہند کی دفعہ 254 کے تحت صحیح اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔ ایسی قانون سازی پر صدر کی منظوری کے سلسلے میں ہمدردانہ غور کیا جائے گا۔ یہی طریقہ کار اس دفعہ کی کلاز شق دو کے تحت مستقبل میں پارلیمنٹ کی طرف سے بنائے گئے قوانین کے بارے میں بھی اپنایا جائے گا۔ایسے کسی قانون کے ریاست پر لاگو کرنے کے بارے میں ریاستی حکومت سے مشورہ کیا جائے گا اور ریاستی حکومت کے خیالات پر پورا غور کیا جائے گا۔

۵۔ دفعہ 368 کے تحت جو کچھ طے پایا گیا ہے،اس کے باہمی انتظام کے لیے ریاست پر لاگو شدہ اس دفعہ میں صدارتی حکمنامے کے تحت موزوں تبدیلی کی جانی چاہیے کہ ایسا کوئی قانون جو ریاست جموں کشمیر قانون سازیہ نے مندرجہ ذیل معاملات سے متعلق ریاست جموں کشمیر کے آئین کی کسی بھی شق میں تبدیلی لانے کی غرض سے بنایا ہو اس وقت تک مؤثر نہیں ہوگا، جب تک وہ بل جسے صدر کی منظوری کے لیے مخصوص رکھا گیا ہو، صدر کی منظوری حاصل نہیں کرتا۔ یہ معاملات ہیں:

الف۔ گورنر کی تقرری، اختیارات، خدمات، فرائض، استحقاق اور استثنیٰ۔

ب۔ انتخابات سے متعلق مندرجہ ذیل معاملات جن کے نام ہیں: ہند کے الیکشن کمیشن کی طرف سے انتخابات کی دیکھ بھال، ہدایت اور کنٹرول بلا لحاظ امتیاز انتخابی فہرستوں میں اندراج کی اہلیت بالغ رائے دہی اور قانون ساز کونسل کی تشکیل۔ یہ معاملات ریاست جموں کشمیر کے آئین کی

دفعات 138، 139، 140 اور 50 میں درج ہیں۔

۶۔ گورنر اور وزیراعلیٰ کے ناموں پر کوئی تصفیہ نہیں ہو سکا ہے۔ لہٰذا یہ معاملہ سربراہوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔

دستخط
مرزا محمد افضل بیگ

دستخط
جی پارتھا سارتھی

نئی دہلی...... بتاریخ 13 نومبر 1974ء

مناسب وقت پر غور کرنے کے لیے مخصوص کیے گئے معاملات:

مندرجہ ذیل مخصوص سوالات مزید غور کرنے کے لیے الگ رکھے گئے:

۱۔ ریاست کے آئین کے تحت گورنر کی تقرری پر ریاستی حکومت کے ساتھ تبادلہ خیال کے لیے کیا قول و قرار ہونا چاہیے؟

۲۔ کیا ریاست پر آل انڈیا سروسز سکیم کے اطلاق کی توسیع میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے؟

دستخط
مرزا محمد افضل بیگ

دستخط
جی پارتھا سارتھی

نئی دہلی...... بتاریخ 13 نومبر 1974ء

★★★

باب ششم

گلگت بلتستان کا آئینی اور تاریخی مقدمہ

گلگت بلتستان کا 28 ہزار مربع میل سے زائد علاقہ 28 اپریل 1949 کو معاہدہ کراچی کے تحت عارضی طور پر حکومت آزاد کشمیر نے پاکستان کے انتظام میں دیا تھا' تاہم یہ علاقہ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور پاکستان اور بھارت کے مقدمے کی روشنی میں ریاست جموں کشمیر کا حصہ ہے۔ گزشتہ صدی کی 8 ویں دہائی میں ضیاءالحق نے جو مارشل لاء لگایا اس کو گلگت بلتستان میں بھی نافذ کر دیا گیا حالانکہ گلگت بلتستان پاکستان کی جغرافیائی حدود کا حصہ نہیں تھا۔ 2009 میں گلگت بلتستان کو نیم صوبائی حیثیت دی گئی آج تک آزاد کشمیر حکومت کے مطالبے کے باوجود گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کو ون یونٹ نہیں بنایا گیا آیئے دیکھتے ہیں گلگت بلتستان کے بارے میں حقائق کیا ہیں

1۔ چار ہزار سال قبل سے لے کر آج تک یہ علاقے مملکت کشمیر کا ایک حصہ رہے ہیں۔

2۔ 1324ء کے بعد یہاں اسلام پھیلا اور مسلمان حکومت کرنے لگے۔ مسلمان حکمرانوں نے شاہ میری خاندان اور پھر چک خاندان، جنہوں نے اڑھائی سو سال سے زائد عرصہ کشمیر پر آزاد، خودمختار حکمرانوں کی حیثیت سے حکومت کی ہے، ان کے سارے دورِ اقتدار میں یہ علاقے مسلسل مملکتِ کشمیر میں رہے۔

3۔ 1568ء سے مغلیہ دورِ حکومت میں اور 1757ء سے افغانوں کے دورِ حکومت میں گلگت بلتستان اور لداخ کے علاقے گورنر کشمیر ہی کے ماتحت تھے۔ (ممتاز احمد ہاشمی، گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں؟، صفحہ نمبر 7)۔

4۔ 1810ء سے 1842ء کے دوران مملکتِ کشمیر کمزور ہو جانے کے باعث اندرونی طور پر معرکہ آرائی اور انقلابات کا شکار رہی۔ مگر 1842ء میں ان علاقوں کو سکھوں نے پھر کشمیر کی مملکت میں شامل کر لیا۔ (یوسف صراف)۔

ریاست جموں کشمیر کی حکومت کی Civil List (ششماہی) نمبر 111 مطبوعہ 1941ء صفحہ 122 کے مطابق 1941ء میں گلگت بلتستان اور لداخ پر مشتمل سرحدی صوبے کے نام، اراکین اسمبلی کے نام اور حلقہ ہائے متعلقہ حسب ذیل تھے:

51	لداخ وزارت (بدھ)	مسٹر جگمت دادول	لہیہ
52	لداخ وزارت (بدھ)	نونو چیونگ رنچن	لہیہ
53	سکردو تحصیل (مسلم)	مسٹر فتح علی خان	سکردہ

54 کرگل تحصیل (مسلم) مسٹر احمد علی خان سکردو

55 گلگت تحصیل (مسلم) راجہ غلام رضا خان استور

متحدہ کشمیر کی آخری قانون ساز اسمبلی میں درج ذیل افراد شمالی علاقوں کی نمائندہ کر رہے تھے: (بحوالہ تحریک حریت کشمیر جلد سوم از رشید تاثیر)۔

1۔ فتح علی خان، سکردو، 2۔ احمد اللہ خان، کرگل، 3۔ راجہ سلطان محمد شاہ، استور، 4۔ چوونگ رنچن، لہیہ، 5۔ صونم ٹزن، زنسکار

ڈوگرہ دورِ حکومت میں گلگت بلتستان اور لداخ کے دفاعی، انتظامی، مالیاتی اور عدالتی معاملات ریاست جموں کشمیر کی حکومت کے دائرۂ اختیار میں تھے۔ محکمہ مال کے متعدد ریاستی افسران گلگت میں سرکاری فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ ان سب کی تقرری اور تعیناتی حکومت جموں کشمیر کے احکامات کے تحت عمل میں آتی رہی ہے۔

جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ گزٹ 19 مئی 1890ء کے دوسرے حصے (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گلگت بلتستان اور لداخ کے اضلاع میں ایک ایک مسلم بریگیڈ بھیجا جاتا تھا اس کے علاوہ غیر مسلم ریاستی فوجی افسران بھی گلگت بلتستان اور لداخ میں تعینات کیے جاتے تھے۔ جموں اینڈ کشمیر سٹیٹ گزٹ 19 مئی 1890ء کے دوسرے حصے (ملٹری ڈیپارٹمنٹ) کا ضمیمہ نمبر 6۔ص ٦

جنرل سٹاف جموں	جنرل سٹاف سرینگر	جنرل سٹاف گلگت
مہیان سنگھ کمیدان جموال	شنکر سنگھ میاں پٹھانیہ	پنجاب سنگھ میاں
(کمانڈنگ بریگیڈ میجر)	(جنرل کمانڈنگ)	(جنرل کمانڈنگ)
کالو مل اجیٹن	بھاگ سنگھ میاں دیتیہ	صفا چند دت برہمن
(مصاحب)	(بریگیڈ میجر)	(بریگیڈ میجر)

ڈوگرہ دور حکومت میں جموں کشمیر ہائی کورٹ میں مقدمات کی سماعت کا دائرہ اختیار گلگت بلتستان اور لداخ تک وسیع تھا۔ جموں اینڈ کشمیر ہائی کورٹ آف جوڈیکچر کے ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان علاقوں کے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن ججوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں جموں کشمیر ہائی کورٹ میں دائر کی جاتی تھیں۔ ملاحظہ کیجیے جموں اینڈ کشمیر گورنمنٹ گزٹ 7 ماگھ 1989 بکرمی کا حصہ اول اے:

ہز ہائینس گورنمنٹ جموں اینڈ کشمیر......آرڈرز
ہائی کورٹ آف جوڈیکچر
نوٹیفکیشنز .... 11 جنوری 1933ء

کشمیر ہائی کورٹ آف جوڈیکچر نے یہ حکم صادر فرمایا ہے کہ صرف مندرجہ ذیل تحصیلداران کو اب سے مجسٹریٹ درجہ اوّل کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

تحصیلدار...........(1) میر پور (2) کوٹلی (3) بھمبر (4) راجوری
نائب تحصیلدار......(5) نوشہرہ (6) کشتواڑ (7) کرگل (8) لداخ (9) گلگت
دوسرے تمام تحصیلداران بلحاظ عہدہ بحیثیت مجسٹریٹ درجہ دوم اپنے اختیارات عمل میں لایا کریں گے۔

دستخط......رام ناتھ شرما
رجسٹرار ہائی کورٹ آف جوڈیکچر

گلگت

گلگت ابتدائی زمانے سے ہی ریاست جموں کشمیر کی جغرافیائی حدود میں شامل رہا ہے۔ کلہن نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''راج ترنگنی'' میں گلگت اور اس سے ملحقہ علاقوں میں مشہور کشمیری فاتح للتادتیہ (595-732) کی فتوحات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ شاہ میری خاندان کی حکومت کے زوال کے بعد کچھ عرصہ کے لیے یہ علاقے ریاست جموں کشمیر سے کٹ گئے لیکن غازی چک (1552-62) نے یہ علاقے دوبارہ فتح کر کے ریاست جموں کشمیر میں شامل کر لیے۔ گکھڑوں کے چیف کو اپنے زیرنگین لانے کے علاوہ اس نے سکردو، گلگت، کشتواڑ، Pakhli اور Mungli کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور ان علاقوں کا انتظام چلانے کے لیے گورنر مقرر کیے۔ 1842ء میں کشمیر کے سکھ حکمرانوں کے عہد میں بھی گلگت ریاست جموں کشمیر میں شامل تھا۔ میاں جواہر سنگ کو گلگت کا پہلا وزیر وزارت مقرر کیا گیا جس نے 1916ء کے سرکاری تخمینے کے مطابق اس علاقے کی اراضی کے مالیہ کا تخمینہ 7842 روپے لگایا۔

(Assessment Report Jammu and Kashmir State 1916)

مسٹر ممتاز ہاشمی نے اپنی تصنیف ''گلگت بلتستان میں ایجنسی نظام کیوں'' میں لکھا ہے:

''چیلاس، گوپس، یاسین اور اشکومن پولیٹیکل علاقہ جات تھے۔ ان کے حاکم گورنر کہلاتے تھے جنہیں ریاست جموں کشمیر کی حکومت مقرر کرتی تھی، انہیں اور ان کی فوج کو تنخواہ بھی ریاست جموں کشمیر کی حکومت ہی دیا کرتی تھی۔ کوہ اور غذر کا علاقہ گوپس کی گورنری میں شامل تھا جبکہ داریل اور تانگیر میں ایک ایک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ ریاست جموں کشمیر کی حکومت کے ماتحت کام کیا کرتا تھا۔ ہنزہ، نگر اور پونیال کے جاگیردار خاص برطانوی مقاصد کے لیے پولیٹیکل ایجنٹ کے ماتحت ہوتے تھے لیکن انتظامی اور سیاسی معاملات میں ریاست جموں کشمیر کی حکومت کی مکمل عملداری تھی۔''

ریاست جموں کشمیر کے آئین کی سیکشن 24 کی دفعہ سی کی رو سے گلگت ایجنسی کے معاملات کے اختیارات مہاراجا کو حاصل تھے۔

مسٹر R.C.F Schomberg نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے:

"The Settlement of Gilgit is actually administered by the officials of Maharaja of Kashmir."

(Between the oxus and the Indus ...... Page 15)

مسٹر Shomberg نے اپنی اسی تصنیف کے صفحہ 180 پر لکھا ہے:

"As matters are now there are two authorities in Gilgit, the Wazir-e-Wazarat of Kashmir Governor and secondly, the British Political Agent who lives where he not rule and who is in the position of a cnsul in a country of ten politically estranged."

مہاراجا پرتاب سنگھ کی وفات کے بعد 1925ء میں ہری سنگھ ریاست جموں کشمیر کا حکمران بنا۔ وہ گلگت پر ریاست جموں کشمیر کے اقتدار اعلیٰ اور حکمرانی کے حق پر بطور خاص قائم رہا۔ اس کے دور حکومت میں گلگت ایجنسی میں شامل تمام علاقوں پر صرف ریاست جموں کشمیر کا پرچم لہرایا جاتا رہا۔ اس سے قبل ریاست جموں کشمیر کے پرچم کے ساتھ یونین جیک بھی لہرایا جاتا تھا، لیکن مہاراجا ہری سنگھ نے انگریزوں کو یونین جیک لہرانے کا سلسلہ ختم کر دینے پر مجبور کر دیا۔ اب روس میں سرخ انقلاب آ چکا تھا۔ انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں گلگت کے راستے کمیونزم کی تحریک برصغیر کے تمام علاقوں تک نہ پہنچ آئے۔ چنانچہ شمالی سرحدوں پر نظر رکھنے کے لیے انگریزوں نے اپنے Lent افسر کرنل Colvin (جسے مہاراجا نے 1932ء میں اپنا وزیر اعظم مقرر کیا تھا) کی وساطت سے مہاراجا ہری سنگھ کو ترغیب دی کہ وہ گلگت کا کچھ علاقہ ہند کی برطانوی حکومت کو Lease پر دے دے۔ 26 مارچ 1935ء کو Lease Deed پر دستخط کر دیے گئے۔ کشمیر دربار کی طرف سے مہاراجا ہری سنگھ نے اور انگریزی حکومت کی طرف سے کشمیر میں برطانوی ریزیڈنٹ L.E. Lang نے دستخط کیے اور وائسرائے ہند لارڈ ولنگٹن نے 3/اپریل 1935ء کو اس معاہدے کی توثیق کر دی۔ اس طرح برطانوی حکومت نے گلگت کے شمال اور شمال مغرب میں چیلاس، گوپس، یاسین، اشکومن، داریل اور تانگیر کے بالکل آخر میں سرحد کے ساتھ پھیلی ہوئی Strip کا صرف 1480 مربع میل علاقہ ساٹھ سال کے لیے پٹہ پر حاصل کر لیا۔ معاہدے کے رو سے اس علاقے کا عارضی انتظام اپنے ذمہ لینے کے باوجود ہند کی برطانوی حکومت نے واضح کیا کہ یہ علاقہ مہاراجا کشمیر کی سلطنت اور ریاست جموں کشمیر کی علاقائی حدود میں حسب سابق شامل رہے گا اور اس علاقے پر ریاست جموں کشمیر اور اس کے حکمران مہاراجا کا اقتدار اعلیٰ اور حکمرانی کا حق برقرار رہے گا۔ معاہدے کا متن یہ ہے:

Article-1

The Viceroy and Governor General of India may at any time after the ratification of this agreement assume the civil and military adminstration of so much of the Wazart of Gilgit Province of the State of Jammu and Kashmir as lies beyond the right bank of the river Indus, but not with standing any thing in this agreement the

daisterritory shall continue to be included within the dominions of His Highness the Maharaja of Jammu and Kashmir.

Article-2

In recognition of the fact thaty the said territory continues to be included within the dominions of His Highness the Maharaja of Jammu and Kashmir, salutes and customary honours shall be paid in the said territory by the administration on the accasions of the birthday of His Highness, Baisakhi, Dussehra, Basant, Panchmi and as such other occasions as may be agreed upon by His Highness and the Viceroy and the Governor General of India. The flag of His Highness will be flown at the official headquarters of the Agency thorughout the year.

Article-3

In Normal Circumstances on British or British India troops shall be despatched through that portion of the Wazarat of Gilgit Province which lies beyond the left bank of the river Indus.

Article-4

All rights appertaining to mining are reserved to His Highness the Maharaja of Jammu and Kashmir. The rant of prospecting licences and mining leases will not be made during the period of agreement mentioned below.

Article-5

This agreement shall remain in force for sixty years from the date of its ratification and the pease will terminate at the end of that period.

اس معاہدے سے واضح ہوتا ہے کہ مہاراجا کشمیر اس علاقے پر جو پٹہ پر دیا گیا تھا اپنے اقتدار اعلیٰ اور حکمرانی کے سرعام اظہار کے سلسلے میں بہت ہوشیار اور باخبر رہا۔ چنانچہ گلگت قلعے کے پھاٹک اور بڑے دروازے میں یونین جیک کے ساتھ ساتھ ریاست جموں کشمیر کا پرچم بھی لہرایا جاتا رہا۔ اگرچہ یہ معاہدہ ساٹھ سال کے لیے Valid تھا لیکن دوسری جنگ عظیم نے برطانوی سامراج کی بنیادیں ہلا دیں۔ ہندوستان میں

آزادی کی تحریک نے زور پکڑا اور برطانیہ نے ہندوستان سے دست بردار ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ اس فیصلے کی براہ راست اتمام تکمیل کے طور پر پٹہ کے معاہدہ کے صرف بارہ سال بعد انگریزوں کو برصغیر سے واپس برطانیہ جانا پڑا۔ تقسیم ہند کے ساتھ ہی برطانوی حکومت اور ہندوستانی ریاستوں کے درمیان تمام معاہدے اور سمجھوتے کالعدم ہوگئے اور برطانوی بالادستی کا خاتمہ ہوگیا۔ برطانوی حکومت نے پٹہ کی باقی میعاد Terminate کر کے گلگت ایجنسی کا حفاظتی انتظام ریاست جموں کشمیر کی حکومت کے حوالے کر دیا۔ برطانیہ نے تقسیم برصغیر سے دو ہفتے قبل گلگت میں اپنی ایجنسی ختم کر دی۔ مہاراجا کشمیر نے اپنے ایک فوجی افسر بریگیڈیر گھنسارا سنگھ کو گلگت کا گورنر مقرر کیا۔ سرکاری ریکارڈ کے مطابق مہاراجا ہری سنگھ کے حکم سے وزیراعظم کشمیر رام چندر کاک نے گھنسارا سنگھ کو زیرفرمان حکومت نمبر بی۔47/1480 پی۔ بی گلگت اور سرحدی علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ یہ حکم 17/جولائی 1947ء کو جاری ہوا۔ مذکورہ حکم کا اصل متن یہ ہے:

The Jammu and Kashmir Government Gazette 16th Sawan 2004. No.

Part-1(A)

His Highness Government Jammu and Kashmir - Orders

CHIEF SECRETARIAT --- POLITICAL

ORDER NO. B. 480/47-P.B

17TH JULY 1947

His Highness the Maharaja Bahadur has been pleased to comment that:-

1. The administration of the entire Gilgit territory i.e. former Gilgit Wazarat north of the Indus and all political Districts be taken over on 1st August.

2. The above together with Bunji will form the Gilgit Frontier Province.

3. A post of Governor in the grade of 700-40-900 with the usual Frontier Allowance and sumptuary allowance of Rs. 200 p.m. is sanctioned.

4. Brigadier Ghansara Sing is appointed Governor. He will draw his personal pay Rs. 1,000 together with Frontier and sumptuary allowances.

5. For revenue and general administration work 3 officials - one Revenue Assistant and to Naib Tehsildars - are sanctioned. These officers will draw Frontier allowances according to rules. Brigadier Ghansara Sing will personally select the able officers.

6. Services of two British officers - one as Assistant Governor chiles and one as commandant Gilgit Scouts be taken over for a period of one year each. The emoluments of these officers will be sanctioned later when we know the class of officers we are getting.

7. The Company stationed at Bunji may be re-inforced by one more company.

8. The Budget for the Gilgit Frontier Province will be sanctioned when full details are known and have been sanctioned.

By Command,

(sd) R.C. KAK,

Prime Minister

Published for General Information

(sd) S.L. Dor

DEPUTY CHIEF SECRETARY (Policital)

Orders dated 17th July, 1947 appeared in the J&K Government Gazette, 16th Sawan 2004.

بریگیڈیر گھنسارا سنگھ نے گورنری کا چارج 31 جولائی 1947ء کو سنبھال لیا۔ اسی دن یونین جیک کو اتار دیا گیا۔ اس طرح یکم اگست 1947ء کو گلگت ایجنسی کا 1480 مربع میل رقبے کا پولیٹیکل کنٹرول پولیٹیکل ایجنٹ سے واپس لے لیا گیا۔ چنانچہ یکم اگست 1947ء کے بعد گلگت بلتستان اور لداخ کا ایک انچ رقبہ بھی ریاست جموں کشمیر کی حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں تھا۔ یکم اگست کو ساری ریاست جموں کشمیر میں اس Re-union کی تقریبات منانے کے لیے سرکاری طور پر چراغاں کرنے اور جشن منانے کا حکم دیا گیا۔ دیوان نرسنگ داس نرگس نے جشن کی تفصیل یوں بیان کی ہے:

''برطانوی اقتدار ہندوستان سے اٹھ رہا تھا۔ جولائی 1947ء کو نئی دہلی سے سری نگر آ کر

Residence کے دفاتر کا فرنیچر اور دیگر سامان نیلام کر دیا گیا۔ اور اسسٹنٹ ریزیڈنٹ کو اپنا دفتر سیالکوٹ لے جانے کی ہدایت کی۔ مہاراجا بہادر ہری سنگھ نے احکام جاری کیے کہ یکم اگست 1947ء کو جب گلگت اور سرحدی علاقہ جات ریاست کو واپس مل جائیں گے تو اس روز ریاست میں عام تعطیل کی جائے۔ ان علاقوں کے نظم ونسق کا چارج لیتے وقت جموں، سرینگر، ہنزہ، نگر، چیلاس، یاسین، پونیال، غذر، اشکومن، داریل، تانگیر اور بونجی میں بیس ہزار روپے سرکاری طور پر خیرات کیے جائیں اور سرینگر، جموں، گلگت، بونجی، لداخ اور چیلاس میں چراغاں کیا جائے۔

(تاریخ ڈوگرہ دیش صفحہ 27-926)

اردو ڈائجسٹ شمارہ مارچ 1983ء کے صفحہ نمبر 108 پر کرنل حسن خان لکھتے ہیں:

''1846ء ہی سے گلگت بلتستان اور لداخ کے وسیع وعریض علاقے مہاراجا کشمیر کے زیرنگین تھے۔ وہ کہیں براہ راست اور کہیں بالواسطہ حکومت کرتا تھا۔ ان کی تسخیر کے وقت چونکہ انگریز افسروں نے بھی ڈوگرہ جرنیلوں کے ساتھ بطور مشیر حصہ لیا تھا اس لیے بعض سرکاری علاقے جو چین اور افغانستان سے متصل تھے، ان کا انتظام مہاراجا کی طرف سے انگریز چلاتے تھے۔ باقی علاقوں پر ڈوگرہ وزیر وزارت تعینات تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کشمیر میں ریزیڈنٹ کی وساطت سے مہاراجا کے سامنے جواب دہ تھا۔ نگر، ہنزہ، یاسین، گوپس، پونیال، اشکومن، چیلاس، داریل اور تانگیر پولیٹیکل ایجنٹوں کے ماتحت تھے۔ جبکہ بلتستان، لداخ، سب ڈویژن استور اور گلگت پر وزرائے وزارت کی حکمرانی تھی۔ مقامی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کا عروج وزوال مہاراجا کی مرضی پر منحصر تھا۔ یہ تمام علاقے مہاراجا کشمیر کی عدالتوں کے دائرہ کار میں شامل تھے۔''

ہنزہ (Hunza)

ریاست جموں کشمیر کی حکومت کی Civil List 111 مطبوعہ 1941ء اور ریاست جموں کشمیر کی حکومت کی Hand Book of Jammu and Kashmir مطبوعہ 1940ء کے مطابق ہنزہ اور نگر کے میروں کو جموں کشمیر کی حکومت کی طرف سے یہ علاقے جاگیروں کی شکل میں عطا کیے گئے تھے۔ یہ میر ریاست جموں کشمیر کی حکومت کو سالانہ نذرانہ اور باج دیا کرتے تھے۔

Memoranda of Indian States - 1937 کے صفحہ 147 کے مطابق میر آف ہنزہ سولہ تولے پانچ ماشے سونا اور میر آف نگر سترہ تولے ایک ماشہ سونا کشمیر دربار کو دیا کرتے تھے۔ ہنزہ کے چیف کا رویہ مہاراجا کشمیر کے ساتھ معاندانہ رہا۔ وہ کبھی ریاست یاسین کے ساتھ مل کر اور کبھی دوسری چھوٹی چھوٹی ''ریاستوں'' کے تعاون سے گلگت پر حملے کرتا رہا، لیکن مہاراجا کشمیر رنبیر سنگھ نے بغاوت کو ہمیشہ کے لیے کچل دیا۔ جس کا ثبوت اس سند سے ملتا ہے جو جموں کشمیر کے مہاراجا نے محمد ناظم خان آف ہنزہ کو عطا کی۔ سند کا اصل متن کچھ یوں ہے:

Sanad granted by his highness Maharaja of Jammu and Kashmir to Mohammad Nazim Khan of Hunza.

Whereas the State of Hunza has recently been in armed rebillion against my authority, and whereas in consequene thereof, Raja Safdar Ali Khan, has just forfieted any rights which he may have possessed as ruler of the State.

And whereas the said Safdar Ali Khan, has fled from Hunza, and has not returned or made submission to me or to the Government of India, and whereas, I never the less desire to continue the Chiefship of the said state of Hunza in the person of a member of the ruling family of the said State.

Now therefore, I have, with the approval and the authority of Vogernor General of India in Council, selected you, to be the ruler of sid State of Hunza, The Chiefship of the Hunza State will be hereditary in your family will descent in the direct line by primogeniture provided that in each case the sucession is approved by the Maharaja of Jammu and Kashmir for the time being and by the governfment of India.

As annual tribute to the following amounts, that is to say; 25 Tolas of gold equal to 16 Tolas and 5 Mashas, will be paid by you, your sucessors to the State of Jammu and Kashmir.

Further, you are informed that the permanence of this grant conveyed by the Sanad will depend upon the ready fulfillment by you and by your successors of all orders given by the Jammu and Kashmir State with regard to the conduct of relations between the State of Hunza and the States and Tribes adjoining it, the administration of your territory, the prevention of raiding and main-steaing, the construction of roads through your country, the composition of such troops as you may be permitted to retain, and any other matters in which the Jammu and Kashmir State may be pleased to intervene.

Be assured that so long as your house is loyal to the State of Jammu and Kashmir and to the British Government, and faithfull to the conditions of the Sanad, you and your successors will enjoy favour and protection.

ہنزہ کے علاقے طویل عرصہ سے ریاست جموں کشمیر کے انتظامی دائرہ اختیار میں شامل تھے۔اس بات کا ثبوت اس معاہدے سے ملتا ہے جو میر آف ہنزہ اور کشمیر دربار کے مابین 1870ء میں طے پایا۔ دیکھیے مذکورہ معاہدے کا اصل متن:

By the Holy Quran .....

I am Raja Ghazan Khan son of Raja Ghazanfar Khan and grandson of the late Raja Saleem Khan of Hunza.

Where my father late Ghazanfar Khan remained under the control of Kashmir from a long time, especially the deceased Raja was Obejient to the Maharaja, I also agree to remain obedient and present the tribute in same manner. Hence, I on my own accord, without force or pressure, depute my Motabir, Wazir Fazal Khan and accept the following terms:

i. The following Nazrana will be paid by me to the Maharaja annually:

    Gold -- 12 Tolas, Horses -- 2

    In return, a Khilat Fakhira and 2000 Srinagari coins will be granted to me and also a Khilat to my Wazir.

ii. The revenue of Chaprot, that has been fixed from old times will be paid annually at Gilgit.

iii. One Motabir of mine will always remain present in Gilgit and he will be paid rupees 30 per month by the State and one Motabir will yearly present to the Maharaja the annual Nazrana.

iv. The friends of the Maharaja will be my frinds and

his enemies will be my anemies.

v. If a force be required in Gilgit, I shall place my troops at the disposal of Maharaja for service and I shall not spare my effort in doing the service.

As this agreement has been written, after swearing the Holy Quran, no change whatsoever will take place on my part.

میر آف ہنزہ کی طرف سے کشمیر دربار کو آخری وقت تک مقررہ باج اور نذرانہ باقاعدگی سے ادا کیا جاتا رہا۔ 1935ء میں گلگت کا کچھ علاقہ انگریزوں کو پٹہ پر دینے اور گلگت پولیٹیکل ایجنسی قائم ہو جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ جب ہری سنگھ تخت نشین ہوا تو رسم تاج پوشی میں شرکت کرنے کے لیے میر آف ہنزہ خود سرینگر گیا اور مقررہ نذرانے کے علاوہ خصوصی تحائف بھی ہری سنگھ کو پیش کیے۔ ہری سنگھ نے میر آف ہنزہ کو ایک عبائے شاہی عطا کیا۔ 1935ء میں گلگت کو پٹہ پر انگریزوں کے حوالے کرتے وقت ایک باضابطہ طریقہ کار طے کیا گیا تا کہ میر آف ہنزہ کی طرف سے کشمیر دربار کو مقررہ باج اور نذرانہ دینے کا سلسلہ جاری رکھا جا سکے۔ میر آف ہنزہ کو کشمیر دربار کی طرف سے دو ہزار روپے سالانہ دیے جاتے رہے۔

نگر

R.C. Schomberg نے اپنی تصنیف Between the oxus and the Indus کے صفحہ نمبر 159 پر لکھا ہے۔ "Indeed in 1848 Nagir Acknowledged the suzerainty of Kashmir."

تاہم دستیاب ریکارڈ کے مطابق نگر کا راجہ 1867ء سے جموں کشمیر کے مہاراجا کو نذرانہ اور باج ادا کرتا رہا ہے۔ کشمیر دربار کی طرف سے ہر سال ایک بیش قیمت تحفہ نگر کے راجہ کو دیا جاتا تھا۔ یہ باجگزار ریاست 1867ء سے 1947ء تک ریاست جموں کشمیر کے حکمران کے تابع اور زیر انتظام رہی ہے۔ اس بات کا ثبوت اس Undertaking سے ملتا ہے جو نگر کے نمائندوں اور کشمیر دربار کے مابین 1870ء میں طے پایا۔ فارسی زبان میں Undertaking کا انگریزی متن یہ ہے:

i. We undertake to confer with Gazen Khan the Raja of Hunza that his son, as also the son of his Wazir should remain in attendance on the Maharaja of Kashmir and in case he does not agree, we shall send our forces against him.

ii. If any Motabir of Hunza comes for secret work into our State, we shall kill him.

iii. We shall ask Raja Ghazen Khan to hand over the forts of chaprot, and Nomal, if he agrees well and good; if not, we shall march against him and take their possession by fighting out.

iv. That one of us four, Shah Murad, Mohammad Shah, Mirza and Nadlu will always remain in attendance at Gilgit turn by turn.

v. Inter Communication between the Gilgit and the Nagar Subjects of the Maharaja and other will continue. If any loss occurs, we shall be held responsible.

vi. One real son of the Raja of Nagar and one son of the Wazir will remain always in the service of Maharaja.

vii. Friends of Maharaja of Kashmir will be considered friends and his enemies taken as enemies.

viii. In case, the Maharaja of Kashmir will demand any force, the same will be supplied without any hesitation well-equipped.

ix. The in the return for the Khilat granted to Raja Jafar Khan, annually, the following Nazrana will be presented:

Horses - 2, Gold - 21 Tolas, Apricots - 5 Loads.

نگر کی چھوٹی سی باجگزار ریاست کی طرف سے مذکورہ معاہدے کی باقاعدہ پابندی کی جاتی رہی اور ریاست نگر کی طرف سے مہاراجا کشمیر اور ریاست جموں کشمیر کو مقررہ باج باقاعدگی سے ادا کیا جاتا رہا۔ نگر کے راجہ جعفر خان کو ریاست جموں کشمیر کے مہاراجا نے جو سند عطا کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نگر کشمیر دربار کو سالانہ نذرانہ ادا کرنے والی باجگزار ریاست تھی۔ دیکھیے سند کا اصل متن

Sanad granted by His Highness The Maharaja of Jammu and Kashmir to Raja Jafar Khan of Nagar

Whereas, the State of Nagar has recently beed in armed rebellion against my authority, and whereas, in consequence thereof, you, Raja Jafar Khan, has justly forfeited any rights which you may have possessed as the ruller of the said state;

And whereas by reason of your submission and in consideration of your promise to abide by the following conditions, it is though desirable, as an act of clemency, to re-appoint you as ruler of the said state.

Now, therefore, I have resolved, with the approval and authority of GFovernor General of India in council, to re-appoint you, Raja Jafar Khan, as ruler of the said State of Nagar and you are hereby appointed to be Raja of Nagar.

The Chiefship of the Nagar State will be hereditary in your family, and will decend in the direct line by primogeniture, provided that in each case the succession is approved by the Maharaja of Jammu and Kashmir for the time being and by the Government of India.

An Annual tribute of the following amounts, that is to say;

Twenty Six Tolas of Gold, equal to 17 Tolas and one Masha, will be paid by you and your successors to the state of Jammu and Kashmir.

Further, you are informed that the permanence of the grant conveyed by the Sanad will depend upon the ready fulfillment by you and your successors, of all orders given by the Jammu and Kashmir State, with regard to the conduct of relations between the ?State of Nagar and the States and Tribes adjoining it, the administration of your territory, the construction

of roads through your country, the composition of such troops as you may be permitted to retain, and any other matters in which the Maharaja of Jammu and Kashmir for the time being may be pleased to intervene.

Be assured that, so long as your house is loyhal to the State of Jammu and Kashmir and to the British Government and faighful to the conditions of the Sanad, you and your successors will enjoy favour and protectin.

پونیال (Punyal)

R.C.F. Schemberg نے اپنی تصنیف Between the Oxus and the The Indus کے صفحہ 266 پر لکھا ہے۔

"From 1860 Punyal was generally recognised as the property of Kashmir State."

مسٹر Schomberg نے اسی صفحہ پر مزید لکھا ہے

"In 1880 it (Punyal) finally came into the possession of Kashmir who gave it to Raza is a Bagdur, according to Drew."

سکردو (Skardu)

سکردو ریاست جموں کشمیر کا اٹوٹ حصہ ہے اور مسلسل ریاست جموں کشمیر کی حکومت کے زیر انتظام رہا۔ 1846ء کے معاہدہ لاہور کی Clause چار کی رو سے مہاراجا گلاب سنگھ نے یہ علاقہ اپنے کنٹرول میں لیا تھا۔ اس معاہدے کی 1846ء کے معاہدہ امرتسر کی دفعہ ایک میں توثیق کی گئی جو برطانوی حکومت اور مہاراجا گلاب سنگھ کے درمیان طے پایا۔ بلتستان کے اس مرکزی قصبے میں ریاست جموں کشمیر کی حکومت نے ایک وزیر وزارت مقرر کر رکھا تھا۔ کرگل کی تحصیل اس کے علاقائی دائرہ اختیار میں شامل تھی۔ ریاست جموں کشمیر کے عدالتی اور Revenue کے نظام کا دائرہ کار بھی سکردو تک وسیع تھا۔ Assessment اور Settlement کی رپورٹوں میں اس علاقے سے حاصل ہونے والی آمدنی اور مالیہ کی وصولی کے طریقہ کار اور مقدار کا ذکر ملتا ہے۔ مثال کے طور پر مہاراجا پرتاب سنگھ کی حکومت کے مقرر کردہ Settlement کمشنر میجر J.L. Kaye کی Assessment Report کے صفحہ چھے پر لکھا ہے۔

"The cost of settlement of these lands should be recovered from the Rajas under the usual rules. The Rajas will with their allowances, all be in receipt of an income or Rupees

300 a year."

14 اگست 1948ء تک سکردو شیخ عبداللہ مرحوم کی سربراہی میں قائم حکومت کشمیر کے زیرِ انتظام رہا ہے۔ جموں کا ایک افسر Amar Nath Pragal سکردو کا آخری وزیرِ وزارت تھا۔ تمام مقامی انتظامیہ ریاست جموں کشمیر کے مختلف علاقوں کے افسران پر مشتمل تھی۔ ان میں سے اکثر کو گلگت میں مسلح بغاوت کے دوران کشمیری مجاہدین نے قیدی بنا لیا۔ جنہیں بعد میں ہندوستان یا پاکستان کے درمیان سیاسی قیدیوں کے تبادلے میں واپس لیا گیا اور انہیں ریاست جموں کشمیر کے مختلف کیڈرز میں کھپایا گیا۔

چترال (Chitral)

1864ء سے چترال کا مہتر امان الملک اپنے نمائندوں کے ذریعے اور بعض اوقات اپنے بھائی کے ذریعے کشمیر کے مہاراجا کو نذرانہ اور باج دیا کرتا تھا۔ H.C. Thompson نے لکھا ہے۔

"In 1878 Aman-Ul-Mulk, being afraid of aggression by the Amir of Aghanistan, placed Chitral under the suzerainty of the Maharaja of Kashmir, whose province of Gilgit borders upon Yasin. He managed also to extract a considerable amount of profit out of the connection, and was for many years in receipt of a subsidy both from teh Government of India and from the Maharaja of Kashmir in return for his acknowledgement of suzerainty."

(A Narrative of Events in Chitral, Swat and Bajour -- P. 2)

1876ء میں چترال کے مہتر نے مہاراجا کشمیر سے رابطہ قائم کیا اور افغانستان کے امیر کے دھمکی آمیز رویے کے خلاف مہاراجا کشمیر سے تحفظ کی التجا کی۔ جس کے نتیجے میں دونوں کے درمیان حسب ذیل معاہدہ طے پایا۔ معاہدے کے اصل متن کا انگریزی ترجمہ یہ ہے:

"This agreement is made on behalf of myself and my children.

a. I hereby agree that I shall over endeavour to obey and comply with orders of Maharaja and consider his well-wishers as my friends and his enemies as my enemies and in recognition of sovereignty, pay the following Nazrana:-

   Horse -- 3, Hawks -- 5, Hounds --5

b. One Motabir of the Maharaja will always emain at Kashgar and one in Yasin and they will be duly

honored and respected. Similarly one Motabir of mine will remain in the Durbar of the Maharaja and another on behalf of the Hakim of Yasin in Gilgit for execution of orders.

c. I shall receive a yearly subsidy of reupees 1,2000 from the Maharaja in observance of the above conditions, and it instead of the Motabir, any of my sons take up the place, he will receive a separate allowance from the Maharaja.

1914ء میں حکومت ہند نے چترال کے مہتر کی خواہش پر ایک معاہدے کے تحت Mastuj اور Laspur کے علاقے اسے منتقل کر دیے۔ اس معاہدے پر چترال کے مہتر نے 2 اپریل 1914ء کو دستخط کیے تھے۔ اس معاہدے کی پہلی Clause یوں ہے:

1. I acknowledge the suzerainty of the Maharaja of Jammu and Kashmri and in taken thereof will resume the annual payment of following Nazrana.

Horses - 3, Hawks - 5, Tazi Dogs - 6

اس معاہدے کی ایک اور شق دیکھیے:

"In consideration of my acceptances of the above conditions, the subsides now paid to me and certain officials viz rupees a year by the Government of India and rupees 12560 a year paid by the Kashmir provision that the payment at present aggregating rupees 4560 a year make by the letter to certain officials and headmen will gradually close as the present recipients die or removed from office."

چترال ریاست جموں کشمیر کے مہاراجا کو مقتدر اعلیٰ تسلیم کرتے ہوئے ایک باجگزار ریاست کی حیثیت سے ہر سال مقررہ مالیہ باقاعدگی سے ادا کرتا رہا ہے۔ یہ سلسلہ اکتوبر 1947ء تک جاری رہا۔

آیئے دیکھتے ہیں آزاد کشمیر کے بانی صدر سردار ابراہیم گلگت بلتستان کے بارے میں کیا کہتے ہیں:

''پھر لداخ، گلگت اور ریاست کے دوسرے حصوں میں بھی بغاوت ہو گئی۔ پونچھ میں چھ اکتوبر سے بغاوت کا آغاز ہو چکا تھا۔ ریاست کا بیشتر حصہ بغاوت کرنے سے آزاد ہو گیا۔ لداخ اور گلگت مکمل آزاد ہو گئے۔

جب جنوری 1948ء میں سلامتی کونسل میں مقدمہ گیا تو ریاست کا 3/2 حصہ آزاد حکومت کے پاس تھا۔''
(متاعِ زندگی صفحہ 65-164)

جب آزاد کشمیر کی انقلابی حکومت کے قیام کا اعلان ہوا تو گلگت بلتستان کے عوام نے نہ صرف اس کا خیر مقدم کیا بلکہ پلندری میں قائم ہونے والی حکومت آزاد کشمیر کے ساتھ اپنی وفاداری کا اعلان بھی کیا۔ گلگت میں بھی جمہوریہ آزاد جموں وکشمیر کے قیام پر جشن آزادی منایا گیا۔ شیخ عزت اللہ ایڈیٹر نوائے اقبال لاہور نے لکھا ہے:

"Gilgit provice of Kashmir State revolted against the Dogra regime and all the Dogra official were put behind the bars. The entire populace joined this rebellion and the Muslim officials of the State forces set up a provisional government to owe their allegiance to the Azad Kashmir Government established at Palandari."

شیخ عزت اللہ نے اپنی اسی تصنیف میں آزاد کشمیر کی اوّلین انقلابی حکومت کے صدر سردار محمد ابراہیم خان کا وہ خط بھی نقل کیا ہے جو انہوں نے 1948ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے صدر کو لکھا تھا۔ اس خط سے بھی مذکورہ شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) پر حکومت آزاد کشمیر کے آئینی اور انتظامی کنٹرول کا ثبوت ملتا ہے۔ سردار ابراہیم نے اپنے خط میں لکھا تھا:

"The authority of Azad Kashmir Government already extends over Gilgit, Poonch, Muzaffarabad, Mirpur, Bhimbar and Riasi which comprise more than half of Kashmir State."

جب تحریک آزادی کشمیر کے راہنماؤں نے جمہوریہ آزاد جموں کشمیر کی حکومت قائم کی تو گلگت بلتستان کے علاقے بھی اس حکومت کے علاقائی دائرہ اختیار میں شامل تھے اور گلگت میں قائم ہونے والے عبوری انتظامیہ آزاد کشمیر حکومت کی وفادار تھی۔

''ریاست کشمیر کے صوبہ گلگت میں جمعہ کے روز ڈوگرہ حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا گیا اور تمام ڈوگرہ ملازمین کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے نمائندہ مقیم پشاور نے لاہور آفس کو ہفتہ کی رات مزید بتایا کہ اس خطہ کی تمام آبادی نے باغیوں کا ساتھ دیا اور ریاست کی افواج کے مسلمان افسروں نے ایک عبوری انتظامیہ قائم کی ہے جو آزاد کشمیر کی حکومت کی وفادار ہوگی جو پلندری میں قائم ہو چکی ہے۔''
(پاکستان ٹائمز 2 نومبر 1947ء)

گلگت بلتستان 1947ء کے بعد:

مسئلہ کشمیر کے متعلق پاکستان کے مؤقف کی وضاحت کرتے ہوئے پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر

ظفراللہ خان نے جنوری 1948ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''کشمیری عوام اس تحریک آزادی کی حمایت کرتے ہیں اور حکومت آزاد کشمیر کے پاس ریاست کا نصف سے زیادہ علاقہ ہے جس میں مظفرآباد، پونچھ، میرپور، ریاسی اور گلگت کے سرحدی اضلاع شامل ہیں۔''

(Political Background of the Kashmir Liberation Movement -- P. 38)

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کے فیصلوں کے مطابق گلگت بلتستان اور لداخ بھی اسی طرح متنازعہ ہیں جس طرح ریاست جموں کشمیر کے دوسرے علاقے، اور ریاست جموں کشمیر کے سیاسی مستقبل کا حتمی فیصلہ ہونے تک گلگت بلتستان اور لداخ کو ہندوستان یا پاکستان کا حصہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے سلسلہ میں صورت حال کا جائزہ لینے اور مناسب تجاویز پیش کرنے کے لیے یہ کمیشن 20/جنوری 1948ء کو قائم کیا تھا۔ کمیشن کے اراکین نے ریاست جموں کشمیر کے دوسرے علاقوں کے علاوہ گلگت کا بھی دورہ کیا اور 13/اگست 1948ء کو اپنی منظور کردہ ایک قرارداد میں واضح طور پر کہا:

''ریاست میں تمام بیرونی افواج کے انخلاء کے بعد ریاست کے عوام اپنی آزادانہ رائے سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔''

آزاد شدہ علاقوں (موجودہ آزاد کشمیر بشمول گلگت بلتستان) کے نظم ونسق کے لیے کمیشن نے سفارش کی کہ مقامی حکومت آزاد کشمیر اقوام متحدہ کے کمیشن کی نگرانی میں ان علاقوں کا انتظام سنبھالے گی۔ یکم جنوری 1949ء کو جنگ بندی عمل میں آگئی اور 27 جولائی 1949ء کو کمیشن کی نگرانی میں حد متارکہ جنگ کی نشاندہی کا سمجھوتہ طے پا گیا لیکن کمیشن اپنی قرارداد کے آخری حصے یعنی ریاست سے بیرونی افواج کے انخلاء کے پروگرام پر عملدرآمد نہ کرا سکا۔ ہندوستان و پاکستان کے مابین اختلافات پیدا ہو گئے۔ چنانچہ 3 دسمبر 1949ء کو کمیشن نے سلامتی کونسل کو اپنی ناکامی کی رپورٹ پیش کر دی جس کے بعد سلامتی کونسل کے جنرل میکناٹن کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اختلافی امور کا تصفیہ کرانے کے لیے ثالث مقرر کیا گیا۔ جنرل میکناٹن نے جو تجاویز پیش کیں ان میں بھی کہا گیا تھا۔

''شمالی علاقوں (گلگت بلتستان) کو بھی فوجوں کے انخلاء کے پروگرام میں شامل کیا جائے اور اس کا نظم ونسق اقوام متحدہ کی نگرانی میں موجودہ مقامی حکومت آزاد کشمیر ہی کے ہاتھ میں رہے۔''

چنانچہ 14/مارچ 1950ء کو سلامتی کونسل نے جو قرارداد منظور کی وہ جنرل میکناٹن کی انہی تجاویز پر مبنی تھی۔

پاک چین سرحدی سمجھوتہ

1963ء میں پاکستان کے سابق صدر مرحوم ایوب خان کے دور میں جب پاک چین سرحدی سمجھوتے کے بارے میں دونوں ممالک کی حکومتوں کے درمیان مذاکرات ہوئے تو معلوم ہوا کہ حکومت چین گلگت بلتستان و لداخ سمیت تمام شمالی علاقوں کو ریاست جموں کشمیر کے علاقے تصور کرتی ہے اور اسی وجہ سے

حکومت پاکستان کے ساتھ مذاکرات کرنے سے ہچکچا رہی ہے۔ مرحوم ایوب خان نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے:

''ہمارے وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر نے یہ معاملہ چینی سفیر کے سامنے اٹھایا اور اس سے پوچھا کہ کیا ان کی حکومت کشمیر کی متنازعہ حیثیت کی وجہ سے گریز کر رہی ہے۔ وزیر خارجہ نے یہ تاثر لیا کہ چین کی حکومت ہندوستان کے ساتھ کسی اور جھگڑے میں الجھنا نہیں چاہتی۔ بہر حال ہم چین کی حکومت کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئے کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان واضح حد بندی پر اتفاق ہو جائے۔ اس کے بعد اس لائن کے شمال کا علاقہ چین کا علاقہ کہلائے گا جب کہ اس لائن سے جنوب کے علاقے کی حیثیت کا تعین کرنے کی ابھی ضرورت نہیں البتہ جنوبی علاقے کے دفاع کی ذمہ داری حکومت پاکستان سنبھالے گی اور شمالی علاقے کا دفاع حکومت چین کی ذمہ داری ہو گی۔ اس کے بعد چین نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ بات چیت کے لیے تیار ہے۔''

(Friends, Not Masters -- P. 163)

مذاکرات کے نتیجے میں پاکستان اور چین کے درمیان طے پانے والے سرحدی سمجھوتے میں بھی مذکورہ شمالی علاقوں کو متنازعہ قرار دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کے بارے میں حتمی فیصلہ ہونے کے بعد مجاز اور متعلقہ خود مختار Authority کشمیر کی سرحدوں کے بارے میں حکومت چین کے ساتھ از سر نو مذاکرات کرے گی۔ پاک چین سرحدی سمجھوتے کی دفعہ چھ ملاحظہ کیجیے:

China - Pakistan Final Agreement

Delimitation and Demarcation of Sinkiang - Kashmir Border

Article No. 6

The two parties have agreed that after the settlement of the Kashmir Dispute between Pakistan and India the sovereign authority concerned will reopen negotiations with the Governmnet of the Peoples Republic of China and the boundary of Kashmir as described in article two of the present agreement so as to sign a boundary Treaty to replace the present agreement."

(Twenty Years of Pakistan by Altaf Gauhar - P. 674)

تاریخ کیا کھتی ھے

تاریخی، سیاسی، انتظامی، مالیاتی، عسکری اور آئینی دستاویزات کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام پاکستان سے ہزاروں سال پہلے بھی گلگت بلتستان اور لداخ سمیت تمام شمالی علاقے ریاست جموں کشمیر کے وفاق میں شامل تھے۔

جسٹس یوسف صراف اپنی تصنیف Kashmiris Fight for Freedom کی جلد دوم

کے صفحہ 1363 پر لکھتے ہیں۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقے (گلگت بلتستان) ریاست کشمیر کا حصہ ہیں اور ایک معاہدے کے تحت حکومت پاکستان کے زیر انتظام ہیں۔''

ڈاکٹر صوفی کی کتاب ''کشیر'' میں (جسے 1949ء میں پنجاب یونیورسٹی نے شائع کیا تھا) دیے گئے نقشے میں گلگت بلتستان ولداخ کو ریاست جموں کشمیر کی جغرافیائی حدود میں شامل دکھایا گیا ہے۔اس کے علاوہ E.F. Knight نے اپنی کتاب Where three empires meet میں اور مسٹر گورورا ؤ اپنی تصنیف Legal aspect of Kashmir Problem میں اور K.M. Panikar نے اپنی تصنیف The Founding of Kashmir State میں ان علاقوں کی تاریخ کو کشمیر کے حوالے سے ہی بیان کیا ہے۔مسٹر کے ایچ خورشید اپنی تصنیف ''مسئلہ کشمیر اور پاکستان'' کے صفحہ 21 تا 23 پر لکھتے ہیں۔

''گلگت وبلتستان کا علاقہ تقسیم سے قبل ریاست جموں کشمیر کا حصہ تھا اور 1948ء میں جنگ بندی کے بعد جنگ بندی لائن کے شمال مغرب میں واقع ہے اس میں گلگت ایجنسی جس میں پونیال، کوہ گرا، یاسین، اشکومن، چیلاس کے علاقے، ہنزہ اور نگر کی ریاستیں اور بونجی اور استور کا علاقہ شامل ہے۔ان کے علاوہ ریاست کشمیر کے ضلع لداخ کی تحصیل سکردو اور تحصیل کرگل کا بیشتر علاقہ جو حد متارکہ جنگ کے شمال میں واقع ہے، سارے کا سارا ریاست کشمیر میں آتا ہے۔''

(مسئلہ کشمیر اور پاکستان صفحہ 22-21)

History of struggle for freedom in Kashmir کے مصنف پریم ناتھ بزاز نے اپنی تصنیف کے صفحہ 217 اور 218 پر لکھا ہے۔

''1943ء میں جموں کشمیر نیشنل کانفرنس کی طرف سے جاری کردہ منشور ''نیا کشمیر'' میں ریاست جموں کشمیر کے لیے مجوزہ آئینی خاکے میں جو مہاراجا ہری سنگھ کو پیش کیا گیا تھا دردستان کی علاقائی زبان دردی اور بلتستان کی علاقائی زبان بلتی کو بھی ریاست جموں کشمیر کی قومی زبانوں میں شمار کیا گیا تھا۔''

Kashmiris fight for freedom by Muhammad Yousuf Saraf - P. 644

1948ء میں حکومت پاکستان نے ایک کتابچہ Basic information in maps شائع کیا تھا جس میں ریاست جموں کشمیر کے تینوں صوبوں (1) جموں (2) کشمیر (3) سرحدی صوبہ گلگت کے الگ الگ نقشے دیے گئے ہیں۔سرحدی صوبے میں گلگت، ہنزہ، سکردو، چیلاس اور لداخ شامل ہیں۔اسی طرح پروفیسر عبداللہ ملک کی تصنیف ''تحریک وتاریخ پاکستان میں جموں کشمیر جنگ بندی کے بعد'' یکم جنوری 1949ء کے زیر عنوان جو نقشہ دیا گیا ہے، اس میں بھی مذکورہ تمام شمالی علاقے ریاست جموں کشمیر میں شامل ہیں۔ پاکستان کے سابق صدر مرحوم ایوب خان کی تصنیف Friends, Not Masters میں شامل ایک نقشے میں ''پاکستان اور اس کے ہمسائے'' کے زیر عنوان بھی مذکورہ تمام شمالی علاقوں کو ریاست جموں کشمیر کے وفاق میں شامل دکھایا گیا ہے۔یہ محض چند مثالیں ہیں ورنہ آج تک پاکستان، ہندوستان اور بیرونی ممالک میں ریاست جموں کشمیر یا برصغیر کے جتنے بھی Maps شائع ہوئے ہیں ان سب میں مذکورہ شمالی علاقوں کو ریاست جموں کشمیر

کے علاقے قرار دیا گیا ہے۔ تاریخ کی تمام مستند کتابوں کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام علاقے ریاست جموں کشمیر کے وفاق میں شامل رہے ہیں، جیسا کہ کشمیری قوم پرستوں کی طرف سے 1953ء میں ریاست جموں کشمیر کے لیے وفاقی اصولوں کی روشنی میں تیار کردہ آئین سے ظاہر ہے۔ جس میں مجوزہ فیڈریشن کی اکائیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ریاست کو (جس میں آزاد کشمیر کے علاقے بھی شامل ہیں) پانچ اکائیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ (1) جموں، بشمول جموں، کٹھوعہ، اودھم پور اور ڈوڈہ کے اضلاع (2) کشمیر، بشمول سرینگر، بارہ مولہ اور اننت ناگ کے اضلاع (3) پونچھ، بشمول پونچھ، میر پور اور مظفر آباد کے اضلاع (4) لداخ، بشمول کرگل، سکردو اور لہیہ کی تحصیلیں (5) گلگت (تفصیل کے لیے پریم ناتھ بزاز کی تصنیف History of struggle for freedom in Kashmir صفحہ 583 اور 584 کا مطالعہ کیجیے) مسٹر بزاز نے اپنی اسی تصنیف کے صفحہ 584 اور 585 میں لکھا ہے:

"The Plan said that for the present and till the settlement of accession dispute the state would have only three provinces:

(1) Kashmir (2) Jammu (3) Ladakh

1968ء میں مرحوم ایوب خان صدر پاکستان نے اپنے دس سالہ دور کی کارکردگی اور اقتصادی ترقی کے بارے میں مختلف جائزہ رپورٹیں شائع کیں۔ ایک الگ رپورٹ میں جسے حکومت پاکستان کے امور کشمیر ڈویژن نے شائع کیا۔ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں ترقیاتی سرگرمیوں کا جائزہ پیش کیا گیا۔ اس رپورٹ کے صفحہ 17 پر لکھا ہے۔

''یکم اگست 1947ء کو برطانوی پولیٹیکل ریزیڈنٹ نے گلگت ایجنسی کا چارج کشمیر دربار کے حوالے کیا اور مہاراجا نے اس علاقے کا انتظام سنبھالنے کے لیے بریگیڈیر گھنسارا سنگھ کو گورنر مقرر کیا۔ مقامی آبادی میں بے چینی پیدا ہوگئی اور جب مہاراجا نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا تو حالات اور خراب ہو گئے کشمیر سٹیٹ انفنٹری گلگت سے تیس میل جنوب مشرق میں بونجی کے مقام پر متعین تھی۔ انفنٹری، گلگت سکاؤٹس اور عام لوگوں میں بے چینی بڑھتی گئی حتیٰ کہ یہاں کے جفاکش اور بہادر عوام نے جموں کشمیر کے دوسرے علاقوں کے بھائیوں کی طرح مہاراجا کے آمرانہ راج کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔''

(Decade of progress published by Government of Pakistan)

اس کے بعد بقول ایوب خان مرحوم ''انقلابی کونسل کی درخواست پر'' اس علاقے کے تحفظ اور سلامتی کی خاطر ریاست جموں کشمیر کے سیاسی مستقبل کا حتمی فیصلہ ہونے تک حکومت پاکستان عارضی طور پر انتظامی ذمہ داریاں سنبھال لے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ عارضی انتظام حکومت آزاد کشمیر کے اس وقت کے صدر سردار محمد ابراہیم خان، مسلم کانفرنس کے صدر اور حکومت آزاد کشمیر کے Supreme Head چوہدری غلام عباس اور وزیر امور کشمیر حکومت پاکستان مشتاق احمد گورمانی کے درمیان 1949ء میں طے پانے والے ایک عبوری سمجھوتے کے تحت حکومت پاکستان نے سنبھال لیا تھا۔'' 1949ء سے قبل یہ علاقے حکومت آزاد کشمیر کے

علاقائی دائرہ اختیار میں شامل تھے۔جسٹس یوسف صراف لکھتے ہیں۔''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ علاقے ریاست کشمیر کا حصہ ہیں اور ایک سمجھوتے کے تحت حکومت پاکستان کے پاس ہیں۔'' (Kashmiris Fight for Freedom Vol 2 -- P. 1363)

پاکستان کا دعویٰ اور حقائق

پاکستان کے تینوں دساتیر (1956ء، 1962ء 1973ء) میں مذکورہ شمالی علاقوں (گلگت، بلتستان اور لداخ) کا کہیں ذکر نہیں۔اس لیے ان علاقوں کو پاکستان کا حصہ قرار دینا غلط ہے۔

''وہ علاقہ جس کا پاکستان کے آئین کے آرٹیکل ایک میں ذکر نہیں، غیر ملک کہلائے گا۔''

(PLD-1966 P-88 Supreme Court of Pakistan)

پاکستان کے قوانین بالخصوص پاکستانی کا شہریت ایکٹ مذکورہ شمالی علاقوں میں نافذ نہیں ہے۔

ریکارڈ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمام علاقے پاکستان کی عدالتوں کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔1971ء میں بھارتی مسافر بردار طیارہ ''گنگا'' کے اغوا کے مقدمے کی سماعت کے لیے قائم کردہ خصوصی عدالت نے (جس کے سربراہ پاکستان کے اس وقت کے چیف جسٹس یعقوب علی تھے) گلگت بلتستان کی آئینی حیثیت پر روشنی ڈالنے کے لیے حکومت پاکستان کے اٹارنی جنرل مسٹر یحیٰ بختیار کو عدالتی گواہ کے طور پر طلب کیا تھا۔چنانچہ یحیٰ بختیار نے 30 نومبر 1972ء کو عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا کہ وہ گلگت بلتستان کو پاکستان میں ضم کرنے کے لیے وہ کسی دستاویز الحاق یا اعلامیے کا حوالے نہیں دے سکتے۔مزید یہ کہ گورنر جنرل کے آرڈر مجریہ 1949ء کی رو سے قبائلی علاقوں پر پاکستان کی حاکمیت نافذ تھی مگر گلگت بلتستان پر نہیں، اس سلسلے میں کوئی اعلامیہ جاری نہیں ہوا۔اگر کوئی کشمیری ان علاقوں کو ریاست جموں کشمیر میں شامل کرنے کا مطالبہ کرے تو یہ مطالبہ کسی جرم کی تعریف میں نہیں آتا۔''

(روزنامہ جمہور لاہور، یکم دسمبر 1972ء، روزنامہ امروز لاہور، یکم دسمبر 1972ء)

پاکستان کی سپریم کورٹ نے پی ایل ڈی 1966ء کے صفحہ نمبر 88 کے مطابق گلگت بلتستان کو غیر ملکی علاقہ قرار دیا ہے جب کہ لاہور ہائی کورٹ میں دائر کردہ رٹ پٹیشن نمبر ب 5961 سال 1971ء کے آرڈر شیٹ محررہ 16 مئی 1981ء میں شمالی علاقوں کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ یہ پاکستان کی حدود میں نہیں آتے۔

باب ہفتم

پاکستان، ہندوستان، چین اور روس کے سیاسی تناظر میں ریاست جموں کشمیر:

بھارت کا کشمیر کے بارے میں مؤقف

''کشمیر ہمارا اٹوٹ انگ ہے''، بھارت

26/اکتوبر 1947ء کو نہرو نے برطانوی وزیراعظم کو ایک تار بھیجا،

''کشمیر کی سرحدیں افغانستان، روس اور چین کے ساتھ مشترک ہیں۔ کشمیر کی سلامتی کا دارومدار وہاں کے اندرونی سکون پر ہے۔ اور ایک مستحکم حکومت انڈیا کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ خصوصاً جب کشمیر اور انڈیا کی سرحدیں مشترک ہوں۔ اس صورت میں کشمیر کی مدد کرنا خود انڈیا کے اپنے مفادات کے لیے ضروری ہے۔''

ہندوستانیوں کے نزدیک ریاست جموں کشمیر ہندوستان کی ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ ہندو انقلاب کی دعویدار بھارتیہ جن سنگھ اور بھارتیہ جنتا پارٹی نے 15/جنوری 1948ء کو اعلان کیا کہ تاریخی اعتبار سے کشمیر ہندوستان کا حصہ رہا ہے۔ جن سنگھ نے نہرو کے استصواب رائے کے نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے 1952ء میں تحریک آزادی کشمیر کی بنیاد ڈالی، بلکہ ہندوستان کے آئین کی دفعہ 370 کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔ جن سنگھ کے پارلیمانی لیڈر شیام پرشاد مکرجی نے 20/جون 1952ء کو سوال اٹھایا کہ کشمیر کی حیثیت ریاست کے اندر ایک اور ریاست کے طور پر تسلیم کی جارہی ہے، کیا ہم انڈیا کے چار کونوں کے اندر خود مختار ریاستیں قائم کرنے پر آمادہ ہوگئے ہیں؟

(وی چوہدری ''ڈاکٹر راجندر پرساد'' جلد 15 صفحہ 62-361)

راشٹریہ سیوک سنگھ کے صدر گولوالکر نے 24/اگست 1953ء کو کشمیر کے مسئلے کا قابل عمل حل بتاتے ہوئے کہا کہ،

''اس کا حل محض کشمیریوں پر نہیں چھوڑا جاسکتا۔ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں پورے ملک کی رائے لینا ضروری ہے۔''

(پریم ناتھ بزاز "History of Struggle for Freedom in Kashmir" صفحہ 695)

اپریل 1957ء میں بھارتی جن سنگھ نے اپنے نظریہ کا اظہار کیا کہ ''کشمیر ہر حال میں بھارت کا حصہ ہے، جس پر کوئی دوسری رائے نہیں۔ اصل مسئلہ پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے علاقے آزاد کرانا ہے۔''

(بھارتیہ جن سنگھ پارٹی ڈاکومنٹ صفحہ 47-46)

1951ء کے دہلی سیشن میں اپنے صدارتی انتخاب میں نہرو نے کہا کہ کشمیر فرقہ وارانہ عدم تشدد کی

زندہ علامت ہے، جس میں پاکستان کے ساتھ وابستہ دوقومی نظریے کا شائبہ تک نہیں۔''

(اے ایم زیدی کانگریس صدارتی خطاب جلد 15 صفحہ 183)

پنڈت نہرو نے ایک دوسرے موقعہ پر کہا کہ،

''کشمیر ایک علامت ہے جو ہمارے سکیولر نظام کا منہ بولتا ثبوت ہے اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کے باوجود اپنی آزادانہ مرضی اور خواہش سے انڈیا کے ساتھ شامل ہے۔''

(انڈین پارلیمنٹ سے نہرو کا خطاب 17 ستمبر 1953ء)

26 / جولائی 1962ء کو نہرو کہتے ہیں،

''کشمیر عملاً پورے ہندوستان کو اپنے سکیولرازم سے متاثر کرتا ہے، کیونکہ اس کی بنیادیں یہاں (ہندوستان میں) اتنی مضبوط نہیں جتنی کشمیر میں ہیں۔''

ہندوستانی لیڈر پٹیل کہتے ہیں،

''کشمیر کی قیمت پر پاکستان سے امن نہیں خریدا جاسکتا۔''

(جی ایم نندورکر "Sardar's Letters - Mostly Unknown" جلد ایک، حصہ دوم صفحہ 176)

ہندوستان کے سیاسی تناظر میں ریاست جموں وکشمیر کے وجود کی طرح پاکستان میں بھی کشمیر کو اسی طرح دیکھا جاتا ہے۔

پاکستان کے سیاسی تناظر میں کشمیر کا وجود:

''کشمیر ہماری شہ رگ ہے''، پاکستان

جیسا کہ آپ نقشے میں دیکھ رہے ہیں کہ کشمیر پاکستان کے سر کی ٹوپی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر میں ہندوستان کو یہ ٹوپی سر پر رکھنے کے لیے کہوں تو ہم ہمیشہ ہندوستان کے رحم وکرم پر رہیں گے۔''

(لیاقت علی خان، ڈیوڈ للئن تھل، "Another Korea in the Making" صفحہ 57)

اگر کشمیر پر ہندوستان کا قبضہ ہو جاتا ہے تو دفاعی حکمت عملی کے پیش نظر پاکستان بھی ہندوستان کی ایک جاگیر کی حیثیت اختیار کر جائے گا۔

8 / فروری 1950ء کو پاکستان کے وزیر خارجہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے کہا،

''اس تمام علاقے کا دفاع اس بات پر منحصر ہے کہ کبھی اس لائن کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت کو مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ اگر انڈیا نے کشمیر پر قبضہ کر لیا تو ریڑھ کی یہ پوری ہڈی تباہ ہو جائے گی۔ اس کے بعد انڈیا نہ صرف تمام سرحدی علاقوں پر قابض ہو جائے گا بلکہ افغانستان پر بھی۔''

("The Struggle for Kashmir" صفحہ 47)

''انڈیا کے ساتھ معمول کے تعلقات کا مطلب ہرگز نہیں کہ پاکستان کشمیریوں کے حقوق کا تحفظ ترک کردے۔''

(ذوالفقار علی بھٹو کا شملہ معاہدے کے پانچ سال بعد بیجنگ میں اعلان)

جب شیخ عبداللہ کو پہلی مرتبہ بھارت نے معزول کیا تو کراچی میں فاطمہ جناح نے مظاہروں کی قیادت کی۔

("The Dawn"17 اگست 1953ء)

عبدالستار نیازی نے کہا،

''کشمیر کی آزادی کی لیے جہاد پاکستان پر قرض ہے۔''

(8 فروری 1993ء، آل پارٹیز کانفرنس سے خطاب)

نواز شریف عملاً جہاد کونسل کی مدد کرتے رہے۔ بے نظیر نے 1994ء میں اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کے لیے کال دی۔

پرویز مشرف نے کہا کہ کشمیر ہماری رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔

مسئلہ کشمیر اور عوامی جمہوریہ چین:

مسئلہ کشمیر کے بارے میں عوامی جمہوریہ چین کا رویہ ابتدا سے مثبت رہا۔ چین نے اس دور میں بھی جب ''ہندی چینی بھائی بھائی'' کے نعرے لگائے جا رہے تھے، کشمیر کے مسئلے پر کبھی بھارت کی حمایت نہیں کی۔ چینی حکومت اس معاملے میں بڑی حد تک غیر جانبدار رہی۔ اس بات کی تائید میں ہمیں تاریخ سے بہت مثالیں ملتی ہیں۔

- ☆ 1951ء میں چین کے ایک ثقافتی وفد نے جو بھارت کے دورے پر گیا تھا کسی وضاحت کے بغیر کشمیر جانے کا پروگرام منسوخ کر دیا۔
- ☆ 1955ء میں عوامی جمہوریہ چین نے کشمیر کے مسئلہ پر بھارت کی حمایت کرنے پر سوویت یونین سے ناراضی کا اظہار کیا۔
- ☆ ستمبر 1956ء میں پاکستان کے وزیراعظم حسین شہید سہروردی سے بات چیت کرتے ہوئے چو این لائی نے کہا کہ چین کشمیر کو ایک متنازعہ مسئلہ سمجھتا ہے اور غیر جانبداری پر عمل کرتا ہے۔

  (''شِن ھُوا'' (چینی اخبار) 24/ اکتوبر 1956ء)
- ☆ 9/ دسمبر 1956ء کو وزیراعظم چو این لائی نے ایک پریس کانفرنس میں اس بات کا اعادہ کیا کہ چین کشمیر کو بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک متنازعہ مسئلہ سمجھتا ہے۔

  (''شِن ھُوا'' (چینی اخبار) 9/ دسمبر 1956ء)
- ☆ چند ہفتے بعد چو این لائی نے اپنے دورۂ پاکستان کے دوران پاکستان کو یقین دلایا کہ چین کشمیر کے بارے میں بالکل غیر جانبدارانہ پالیسی اختیار کیے ہوئے ہے اور چین کی خواہش ہے کہ پاکستان اور بھارت دوطرفہ پرامن مذاکرات کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کریں اور کسی بیرونی مداخلت کو قبول نہ کریں۔

  (''شِن ھُوا'' (چینی اخبار) 24/ دسمبر 1956ء)

☆ 5؍فروری 1957ء کو سری لنکا کی وزیر اعظم بندرانائیکے کے ساتھ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں چواین لائی نے بھارت اور پاکستان دونوں سے اپیل کی کہ وہ مسئلہ کشمیر کو پرامن بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی کوشش کریں۔

(روزنامہ ''ہندو'' 6؍فروری 1957ء)

☆ پولینڈ کے پرائم منسٹر سائی ران کی وز (Cyrankiewiewz) کے ساتھ 11؍اپریل 1957ء کو ایک مشترکہ اعلانیہ میں چواین لائی نے کہا،

''بھارت اور پاکستان کو کشمیر کا مسئلہ پرامن مذاکرات کے ذریعے حل کر لینا چاہیے اور کسی بیرونی طاقت کو یہ اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ اس میں مداخلت کر کے کوئی نیا تناؤ پیدا کریں۔

(''ٹریبیونا لیوڈو'' 12؍اپریل 1957ء)

☆ جون 1957ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے برملا طور پر یہ اعلان کیا کہ چین کشمیر کے معاملے میں بالکل غیر جانبدار حکمت عملی اپنائے ہوئے ہے۔ انہوں نے سوویت یونین اور دوسرے کمیونسٹ ممالک سے اپیل کی کہ وہ بھی اس معاملہ میں مکمل غیر جانبداری کا اعلان کریں۔

(روزنامہ ''ڈان'' کراچی 21؍جون 1957ء)

☆ چیئرمین ماؤ کے اس بیان کا خیر مقدم کر کے پاکستان کے وزیر خارجہ فیروز خان نون نے اعلان کیا کہ اگر روس بھی چین کی طرح غیر جانبداری کا رویہ اپنائے اور بھارت کی حمایت میں سلامتی کونسل کی قراردادوں کو ویٹو نہ کرے تو مسئلہ کشمیر کسی تاخیر کے بغیر حل ہو سکتا ہے۔

(کے سرور حسن ''ڈاکیومنٹ، چائنہ انڈیا اینڈ پاکستان'' 1968ء صفحہ 365-364)

☆ 1958ء کے موسم گرما میں بھارتی حکومت کے علم میں یہ بات آئی کہ چینی حکومت نے سنکیانگ کو مغربی تبت سے ملانے کے لیے اقصائے چن کے علاقے میں سے ایک شاہراہ تعمیر کی ہے۔ اس سڑک کی تعمیر کا کام 1954ء میں شروع ہوا اور 1957ء میں اختتام کو پہنچا۔ جب بھارت نے احتجاج کیا تو چواین لائی نے جواب دیا کہ سنکیانگ تبت روڈ خالصتاً چینی علاقے میں سے گزرتی ہے۔ بھارت نے چین کے اس دعوے کو مسترد کر دیا۔

(''وائٹ پیپر'' نمبر 1۔ 1959-1954 صفحہ نمبر 54-52)

☆ 1959ء میں چین کی کشمیر پالیسی کے بارے میں ایک تبدیلی آئی۔ اپریل 1959ء میں چین کی کمیونسٹ پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کے کئی اجلاسوں میں اس موضوع پر بحث مباحثے کے بعد فیصلہ کیا گیا

کہ کشمیر کے بارے میں ایک نئی اپروچ اپنائی جائے تاکہ بھارتی لیڈرشپ کو سبق سکھایا جاسکے۔

"It was decided to take a new approach towards the Kashmir issue to teach a lesson to the Indian leadership."

اس طرح کشمیر کے مسئلے کو ایک سٹریٹجک اہمیت حاصل ہوگئی۔

1959ء کے موسم خزاں میں لداخ میں بھارتی فوجیوں اور چین کے سرحدی محافظوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ 21 اکتوبر 1959ء کو نئی دہلی میں یہ خبر موصول ہوئی کہ چینی اور بھارتی دستوں میں جھڑپ کے نتیجے میں 9 بھارتی فوجی ہلاک ہوگئے ہیں اور 10 کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔

اس واقعہ سے بھارت کے اندر اور باہر عوامی سطح پر ملا جلا ردعمل ظاہر ہوا۔ سوویت یونین نے ابتدا میں تو کھل کر بھارت کی حمایت کی اور چینی اقدام کی مذمت کی لیکن بعد میں خروشچیف نے ہند، چین سرحدی تنازعہ کے بارے میں مکمل غیر جانبداری کا اعلان کیا۔

(''پراودا'' Pravda۔ یکم نومبر 1959ء)

بھارت کی کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) کی رائے دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ کمیونسٹ لیڈر ڈانگے نے بھارتی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے چینی اقدامات کی مذمت کی اور نہرو کو کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) کی طرف سے مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ کچھ صوبائی شاخوں نے بھی ڈانگے کے نقطۂ نظر کی تائید کی۔ لیکن مغربی بنگال کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار سوادھنا تا (Swadhinata) نے لداخ کے واقعے کے بارے میں چینی نکتۂ نظر کی حمایت کی اور چین کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار رن من رباؤ (Rinmin Ribao) میں 24 اکتوبر کو چھپنے والی مکمل رپورٹ اپنے اخبار میں شائع کی۔ اخبار نے جیوتی باسو (Jyoti Basu) کا بیان بھی شائع کیا جس میں چینی مؤقف کی مکمل حمایت کی گئی تھی۔

(ہیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 65)

پاکستان کے صدر ایوب خان نے 23 اکتوبر 1959ء کو اعلان کیا کہ حکومت پاکستان عنقریب جمہوریہ چین کے ساتھ سرحدی معاملات پر بات چیت کا آغاز کرنے والی ہے۔ ایک ماہ کے اندر یہ تجویز باقاعدہ حکومت چین کو بھیج دی گئی۔ اس دوران حکومت پاکستان کو چین کی طرف سے ایک نقشہ موصول ہوا جس میں ہنزہ کو چین کا حصہ دکھایا گیا تھا۔ پاکستان کا دفتر خارجہ اس سلسلے میں مصدقہ اور بین الاقوامی طور پر قابل قبول مواد اکٹھا کر رہا تھا تاکہ پاکستان اور چین کے درمیان صحیح خطوط پر سرحدوں کی نشاندہی کی جاسکے۔

(''پاکستان ٹائمز'' 25 اکتوبر 1959ء)

پاکستان میں چین کے سفیر نے ان خبروں کو بے بنیاد قرار دیا کہ چین نے پاکستان کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ بھارت اور چین کے درمیان سرحدی معاملات پر مذاکرات کے دوران چین نے قراقرم کے مغرب میں پاکستان کے زیر کنٹرول کشمیر کی سرحدوں کے بارے میں کوئی بات کرنے سے صاف انکار کردیا جب تک مسئلہ کشمیر کا حتمی فیصلہ نہ ہوجائے۔

☆ 15/جنوری 1961ء کو پاکستان کے وزیرخارجہ منظور قادر نے طلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ چین نے اس بات سے اصولی طور پر اتفاق کر لیا ہے کہ چین اور پاکستان کے درمیان سرحدوں کی نشاندہی کی جائے۔انہوں نے کہا کہ ہماری بات چیت جاری ہےاور سرحدوں کی نشاندہی اس وقت عمل میں لائی جائے گی جب دونوں حکومتیں معاہدہ پر دستخط کر دیں گی۔ پانچ دن بعد ایوب خان نے بون میں اعلان کیا کہ چین اور پاکستان کے درمیان غیر متعین سرحدیں موجود ہیں۔ہم نے چین سے درخواست کی ہے کہ باہم مل کر ان سرحدوں کا تعین کیا جائے۔ہمیں ایسے اشارے ملے ہیں کہ چین ہماری تجویز کو قبول کرنے پر تیار ہے۔

(روزنامہ ''ڈان'' کراچی 20/جنوری 1961ء)

بھارت نے پاکستان سے احتجاج کیا کہ کشمیر نے 1947ء میں بھارت کے ساتھ الحاق کر لیا ہے اور پاکستان کی چین کے ساتھ کوئی سرحد نہیں ملتی جس کی نشاندہی کی جائے۔جموں کشمیر سارے کا سارا بھارت کا حصہ ہے۔

(Statesman ''سٹیٹس مین'' 17/جنوری 1961ء)

صدر ایوب خان نے بھارت کا احتجاج مسترد کر دیا اور چین کی حکومت کے ساتھ سرحدوں کی نشاندہی کا کام جاری رکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

☆ دسمبر 1961ء میں پاکستان نے چین کے سفیر ڈنگ گویو (Ding Guoyu) نے صدر ایوب خان کے ساتھ ملاقات کر کے سرحدوں کے تعین کی بات چیت کا آغاز کیا۔ساتھ ہی چین کی حکومت نے سرکاری طور پر کشمیر کے بھارت کے ساتھ الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔اور واضح کیا کہ درّہ قراقرم کے مغرب میں کشمیر کی چین کے ساتھ سرحدوں کے بارے میں بھی بات چیت نہیں کرے گا۔

(''ایشین ریکارڈر'' 1961ء صفحہ 38-39)

چین کے اس دوٹوک اظہار نے بھارت میں زبردست ردعمل پیدا کیا اور بھارت نے اقصائے چن میں اپنی عسکری پوزیشن کو مضبوط بنانا شروع کر دیا۔ بھارت نے سری نگر سے لہیہ تک اپنی سپلائی لائن کو مستحکم کرنے کا آغاز کیا اور درّہ قراقرم کے قریب سنکیانگ اور وسط ایشیا کے داخلے کے مقام پر ایک نئی چوکی قائم کی۔

نومبر 1961ء میں چین نے بھارت کو خبردار کیا تھا کہ وہ لداخ میں اپنی موجودہ سرگرمیوں کو بند کرے جو کہ خطرناک صورتحال پیدا کر رہی ہے۔

1962ء کے بہار میں بھارت اقصائے چن میں اپنی فوجی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے تھا، جس سے اس خطے کی عسکری صورتحال میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ بھارت نے اس علاقے میں 43 نئی چوکیاں قائم کیں۔

12/فروری 1962ء کو چین نے پاکستان کو اطلاع دی کہ وہ سرحدوں کی نشاندہی پر بات چیت

کرنے کے لیے تیار ہے۔ پاکستان نے چین کے اس پیغام کو سرحدی معاہدے کے سلسلے میں آگے کی طرف ایک قدم قرار دیا۔

(روزنامہ ''ڈان'' 27/اپریل 1962ء)

3/مئی 1962ء کو چین اور پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ چین کے علاقہ سنکیانگ اور پاکستان کے زیر کنٹرول کشمیر کی درمیانی سرحدوں کی نشاندہی پر متفق ہو گئے ہیں۔ یہ معاہدہ مسئلہ کشمیر کے حل ہونے تک قائم رہے گا اور مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کے بعد اس علاقے کی با اختیار حکومت کے ساتھ یہ معاملہ حتمی طور پر طے کر لیا جائے گا۔

(اخبار ''شن ہوا'' (Xinhua) 3/مئی 1962ء)

بھارت نے چین اور پاکستان دونوں سے زبردست احتجاج کیا اور پاکستان کے اس اختیار کو چیلنج کیا جس کے تحت وہ کشمیر کے اس علاقے کی سرحدوں کا چین کے ساتھ مل کر تعین کر رہا ہے، جو اس وقت اس کے کنٹرول میں ہیں۔ چین نے بھارت کے اس احتجاج کو مسترد کرتے ہوئے واضح کیا کہ:

''چین نے کبھی کشمیر پر بھارت کے استحقاق کو تسلیم نہیں کیا۔''

چین نے بھارت کو چیلنج کیا کہ ایسی کوئی دستاویز یا تحریری ثبوت پیش کرے جس میں چین نے کشمیر کو بھارت کا حصہ قرار دیا ہو۔

(''وائٹ پیپر نمبر vi'' صفحہ 102-99)

اس دوران چین اور پاکستان کے درمیان مذاکرات جاری رہے۔ جولائی 1962ء میں بیجنگ اور راولپنڈی کے درمیان نقشوں کا تبادلہ ہوا۔ 13/اکتوبر کو با قاعدہ مذاکرات کا آغاز ہو گا۔ 26/دسمبر 1962ء کو چینی حکومت نے اعلان کیا کہ اصولی طور پر چین اور پاکستان کے درمیان مکمل اتفاق رائے ہے۔ ایک معاہدہ طے پا گیا ہے۔ دو دن بعد اعلان کیا گیا کہ سرحدی معاہدہ پر عنقریب دستخط ہو جائیں گے۔

(روزنامہ ''ڈان'' کراچی 29/دسمبر 1962ء)

آخر کار 2/مارچ 1963ء کو چین اور پاکستان نے سرحدی معاہدے پر دستخط کر دیے۔ معاہدے کے آرٹیکل نمبر 6 میں کہا گیا ہے۔

Article No. 6

"The two parties have agreed that after the settlement of the KASHMIR DISPUTE between Pakistan and India the

sovereign authority concerned will reopen negotiations with the Government of the Peoples Republic of China on the boundary of Kashmir as described in the article 2 of the present agreement so as to sign a boundary treaty to replace the present agreement."

پاک چین سرحدی معاہدے پر عوامی حلقوں میں زبردست خوشی کا اظہار کیا گیا۔ بیجنگ میں ریلی سے خطاب کرتے ہوئے وزیر خارجہ ''چن ژی'' (Chen Yi) نے کہا اس معاہدے میں کشمیر کے سوال پر خصوصی توجہ دی گئی۔ کشمیر کا مستقبل ابھی تک حل طلب ہے۔ چینی حکومت توقع رکھتی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پُر امن طریقے سے طے کر لیا جائے گا۔

(''شِن ہُوا'' (Xinhua) 2/مارچ 1963ء)

پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو سے ایک ملاقات میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے کہا:

''مجھے افسوس ہے کہ جب اکتوبر 1962ء میں چینی افواج بھارت کے اندر دباؤ ڈال رہی تھیں، پاکستان نے کشمیر کو آزاد کرانے کا موقع ضائع کر دیا، کیونکہ وہ امریکہ کی طرف دیکھتا رہا۔''

(''انڈین ایکسپریس'' 28/جولائی 1963ء)

1964ء میں وزیر اعظم چو این لائی اور وزیر خارجہ چن ژی نے پاکستان کا دورہ کیا۔ دورے کے اختتام پر ایوب خان کے ساتھ ایک مشترکہ اعلامیہ میں چو این لائی نے یہ امید ظاہر کی:

''کشمیر کا تنازعہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل کر لیا جائے گا۔''

(''شِن ہُوا'' 24-25 فروری 1964ء)

1947ء سے 1964ء تک مسئلہ کشمیر کے بارے میں عوامی جمہوریہ چین کے سرکاری نقطۂ نظر کی عکاسی کی گئی ہے۔ ان میں سے چند باتیں خاص طور پر خصوصی توجہ کی طالب ہیں، جن میں چین کی اعلیٰ قیادت نے کشمیر کے بارے میں اپنے بے لاگ اور دوٹوک مؤقف کی وضاحت کی ہے:

☆ جون 1957ء میں چیئرمین ماؤزے تنگ نے سوویت یونین سے اپیل کی کہ وہ کشمیر کے بارے میں غیر جانبداری کا رویہ اپنائے۔

☆ 1961ء میں عوامی جمہوریہ چین کی حکومت نے سرکاری طور پر بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

☆ 1962ء میں چین کی حکومت نے واضح الفاظ میں اعلان کیا کہ وہ کشمیر پر بھارت کے استحقاق کو تسلیم نہیں کرتی۔

☆ 1964ء میں وزیر اعظم چو این لائی اور وزیر خارجہ چن ژی کے دورہ پاکستان کے اختتام پر صدر ایوب خان کے ساتھ ایک مشترکہ اعلامیہ میں یہ الفاظ درج کرائے گئے کہ ''کشمیر کا تنازعہ کشمیری

عوام کی مرضی کے مطابق حل کر لیا جائے گا۔''

☆ پاک چین سرحدی معاہدے کی شق نمبر 6 میں یہ بات ریکارڈ پر لائی گئی کہ سرحدوں کے بارے میں حتمی معاہدہ (Treaty) مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کے بعد متعلقہ مقتدر حکومت کے ساتھ طے کر لیا جائے گا۔

وزیر اعظم چواین لائی سے شیخ عبداللہ کی ملاقات:

30 / مارچ 1965ء کو شیخ عبداللہ کی چینی وزیر اعظم چواین لائی سے الجزائر میں ملاقات ہوئی اس ملاقات کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب ''آتش چنار'' میں ان الفاظ میں کیا ہے:

''میری چواین لائی سے علیک سلیک ہوئی۔ انہوں نے بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملایا اور شام کو مجھے الگ ملنے کے لیے وقت دیا۔ چنانچہ جب میں اور بیگ صاحب وقت مقررہ پر ان کی قیام گاہ پر پہنچے تو وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

ہم نے ان سے اس معاہدے کے متعلق دریافت کیا جو ان ہی دنوں چین اور پاکستان کے مابین گلگت کے سرحدی معاملات کے متعلق ہوا تھا۔ چواین لائی نے ٹھہر ٹھہر کر لیکن مستحکم لہجے میں جواب دیا کہ ''چین اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانا چاہتا ہے اس لیے وہ تمام جھگڑوں کو جن میں سرحدوں کے جھگڑے بھی شامل ہیں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ ہنسی خوشی نبھانا چاہتا ہے۔ کشمیر کے شمال کی طرف گلگت پاکستان کی تحویل میں ہے، اس کی سرحد چونکہ چین کے ساتھ ملتی ہے اس لیے اس کا تعین چین کے نکتہ نگاہ سے ضروری تھا لیکن اس معاہدے میں ہم نے ایک شرط یہ لگا دی ہے کہ یہ معاہدہ اس وقت تک برقرار رہے گا جب تک کہ گلگت پاکستان کی تحویل میں ہے۔ اگر کسی سمجھوتے کی وجہ سے آئندہ حالات بدل جائیں تو ہندوستان یا کسی اور فریق کو جو گلگت کا والی بن جائے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس معاہدے میں ترمیم اور تبدیلی کا مطالبہ کرے۔

اس کے بعد چین اور ہندوستان کے تعلقات پر بات چلی اور ہم ان کی وسعت مطالعہ پر دنگ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ''ہندوستان خود ایک توسیع پسند ذہنیت رکھتا ہے لیکن الٹا الزام چین پر تھوپتا ہے۔ چین اتنا وسیع ملک ہے اور اس کے پاس اس قدر علاقہ ہے کہ مزید زمین ڈھونڈنے کی نہ ضرورت ہے اور نہ فرصت۔''

انہوں نے جواہر لعل نہرو کی لکھی ہوئی کتابوں کے کچھ اقتباسات کا حوالہ دیا اور کہا کہ نہرو خود تحریری طور پر ہندوستان کے توسیع پسندانہ عزائم کا خاکہ کھینچ چکے ہیں اور اب ہندوستان ان خاکوں میں رنگ بھرنے کے لیے کوشاں ہے۔ وہ اپنے اردگرد کے علاقوں تک ہی کیا، جاوا اور سماٹرا کو بھی اپنے سامراجی محور کے علاقے خیال کرتے ہیں اور اپنی ظاہری روشن خیالی کے غلاف میں قدیم ہندو راج کی تجدید اور توسیع کرنے کے خواب دیکھتے ہیں۔

چواین لائی نے ہم سے سوال کیا، ''کیا آپ کبھی چین گئے ہیں؟'' ہم نے نفی میں جواب دیا تو انہوں

نے بڑا تعجب ظاہر کیا اور کہا ''چین تو آپ کا اس قدر قریبی پڑوسی ہے کہ آپ اپنے مکان کی چھت سے اس کے پہاڑوں کی چوٹیاں گن سکتے ہیں۔ اور پھر چین اور کشمیر کے ماضی میں بہت سے روابط رہے ہیں۔''

انہوں نے ہمیں چین آ کر وہاں کی سیر کرنے اور کشمیر سے متصل چینی علاقوں کے حالات دیکھنے کی دعوت دی۔ چواین لائی نے ہمیں صلاح دی کہ ہم انڈونیشیا پہنچ جائیں۔ وہاں سے ہمیں چین پہنچنے میں آسانی ہو گی۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ چین جانے کا شوق کس کو نہیں ہے۔ مناسب وقت پر ہم ضرور چین دیکھنے کے لیے وقت نکالیں گے۔ ملاقات ایک خوشگوار انداز میں ختم ہوئی اور چینی وزیر اعظم نے مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں رخصت کیا۔

بھارت کے مشہور اخبار ''ہندو'' نے شیخ عبداللہ-چواین لائی ملاقات کے بارے میں حسب ذیل تبصرہ شائع کیا:

''17 / مارچ 1965ء کو شیخ عبداللہ نے لندن سے لال بہادر شاستری کے نام ایک خط میں کشمیر میں اندھیر گردی کا الزام لگایا اور چین کی طرف سے کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت پر خوشی کا اظہار کیا، جس کا اعلان 3 / مارچ 1965ء کو چواین لائی اور ایوب خان کے ایک مشترکہ اعلامیے میں کیا گیا ہے۔

30 / مارچ 1965ء کو الجزیرہ میں شیخ عبداللہ کی چواین لائی سے ملاقات ہوئی اس ملاقات میں شیخ عبداللہ نے چینی وزیر اعظم سے ''خود مختار کشمیر'' کے منصوبہ کی تائید اور حمایت کی درخواست کی۔ چواین لائی نے یقین دلایا کہ عوامی جمہوریہ چین کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کی حمایت کرتا رہے گا۔ چواین لائی نے شیخ عبداللہ کو چین کا دورہ کرنے کی دعوت دی، جسے انہوں نے قبول کر لیا۔

ہندوستانی حکومت کو شیخ عبداللہ کے چین نواز اور پاکستان نواز طرز عمل سے بہت پریشانی لاحق ہوئی اور انہیں بھارت کے لیے ایک تشویش ناک خطرہ قرار دیا جانے لگا۔ چنانچہ جب وہ ہندوستان واپس آ گئے تو انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔''

(روزنامہ ''ہندو'' 7 / اپریل 1965ء)

مذہب کے نام پر مسلح جد و جہد پر چین کے تحفظات

چین شروع سے ہی ریاست جموں کشمیر کی مکمل آزادی کا حامی تھا۔ شیخ عبداللہ سے چینی راہنماؤں کی جو بھی گفتگو ہوئی، اس میں خود مختار کشمیر کی حمایت شامل ہے۔ پاکستان سے جو سرحدی معاہدہ ہوا، اس میں بھی کہا گیا کہ حد بندی کا مستقل تعین تنازعۂ کشمیر کے حل ہونے کے بعد دوبارہ ہوگا۔ انتہا پسندانہ اجنبی جہاد کی وجہ سے 1990ء کے بعد چین کے تحفظات بھی سامنے آئے۔ ریاست کا علاقہ اقصائے چن، لداخ، چین کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس علاقے سے تبت کے دارالحکومت ''لاسہ'' سے رابطہ ہے۔

اگر یہ علاقہ چین کے پاس نہیں رہتا تو چین کا تبت سے زمینی رابطہ کٹ جاتا ہے۔ کشمیر میں جو جہاد شروع ہوا، وہ افغانستان سے برآمد کیا گیا تھا۔ افغان جہاد کے بارے میں ساری دُنیا کو معلوم ہے کہ امریکہ اس کی پشت پر ہے۔ چین کا مسلم اکثریتی صوبہ سنکیانگ، وسطی ایشیا کا حصہ ہے۔ سرحد کے قریب مسلح مذہبی جنگ کے اس پر اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ویسے بھی چین کا خیال ہے کہ امریکہ کشمیر کو چین کے خلاف لانچنگ پیڈ کے طور پر استعمال کرے گا۔

یکم جنوری 1994ء کو برطانی اخبار ''ٹیلی گراف'' نے جب اسلام آباد میں خارجہ سیکرٹریوں کی سطح پر پاک، بھارت مذاکرات ہو رہے تھے، ایک خبر شائع کی، جس کے مطابق:

''دسمبر 1993ء چین کے اعلیٰ سطحی فوجی وفد نے پاکستان اور بھارت کے دورے کے دوران چینی وفد نے دونوں ممالک پر زور دیا کہ وہ باہمی مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کریں۔ چین خود مختار کشمیر کی ہر صورت میں مخالفت کرے گا۔''

کشمیر میں کسی دوسرے ملک کی طرف سے جہادی سرگرمیوں سے چین کو خطرہ ہے کہ خود مختار کشمیر اس کے جنوبی علاقے کے خلاف امریکی اڈا بن جائے گا۔ افغانستان، تاجکستان اور کشمیر میں مسلم انتہا پسند امریکہ کی ایما پر تبت اور سنکیانگ میں اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں گے۔ افغانستان طرز کے جہاد کو کشمیر میں شروع کرنے سے ایران کے بھی تحفظات سامنے آئے۔ 1995ء میں ایرانی صدر ہاشمی رفسنجانی نے بھارت کو پیش کش کی کہ وہ مل کر امریکی مداخلت کو روکیں۔ ایران کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ افغان جنگجو عناصر کے پیچھے امریکہ اور پاکستان تھے، اور اب کشمیر میں جو جنگ شروع ہوئی، اس کے پیچھے پاکستان تھا۔ جس طرح روس کے خلاف ان جنگجو عناصر کو استعمال کیا گیا اسی طرح کشمیر میں استعمال کیا جائے گا، جو ایران کے لیے بھی خطرناک ہوگا۔ اگر یہ جہاد کشمیریوں کے اپنے ہاتھ میں ہوتا تو چین اور ایران کی حمایت سے ہم محروم نہ ہوتے۔

مسئلہ کشمیر پر روس کا طرز عمل

بھارت نے یکم جنوری 1948 کو مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش کیا۔ بھارت کی شکایت یہ تھی کہ ''کشمیر نے جائز طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کر لیا ہے، پاکستان اس خطے میں گڑبڑ پیدا کر رہا ہے۔ سلامتی کونسل پاکستان سے کہے کہ وہ اپنے شہریوں اور قبائیلیوں کو ریاست میں داخل ہونے سے روکے۔'' پاکستان نے اپنے جواب میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو چیلنج کیا اور کہا کہ وہ قبائیلیوں کی کوئی مدد نہیں کر رہا۔

اقوام متحدہ میں ابتدا میں سوویت روس نے بالکل غیر جانبداری کا رویہ اپنائے رکھا۔ انہوں نے بھارت کے ایسے نقشے شائع کیے جن میں کشمیر کو بھارت اور پاکستان دونوں سے الگ ریاست ظاہر کیا گیا تھا۔

(ھیمن رے ''ہاؤماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 10)

22 جنوری کو جب سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کا نام بدل کر ''ہند پاک'' مسئلہ بنا دیا گیا، تو روسی نمائندے نے کونسل کے صدر کے اس اختیار کو چیلنج کیا کہ مسئلہ پر کونسل میں بحث کے بغیر ہی بدل دیا گیا۔

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 9)

بھارت کی کمیونسٹ پارٹی نے نہرو حکومت پر جو کہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی نمائندہ تھی الزام لگایا کہ وہ کشمیر کے معاشی طور پر دولت سے مالا مال خطے کا استیصال کرنے کے لیے قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ وہ کشمیر کو فوجی طاقت سے تقسیم کرنے کا خیال چھوڑ دیں۔ اور کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا آزادانہ فیصلہ کر کے خود مختار ملک بننے دیں۔

(''کراس روڈز'' 6 رجنوری 1956ء صفحہ نمبر 4)

دسمبر 1951ء میں سلامتی کونسل کا اجلاس ڈاکٹر گراہم کی رپورٹ پر بحث کرنے کے لیے منعقد ہوا۔ روس کے نمائندے جیکب ملک نے امریکہ اور برطانیہ پر الزام لگایا کہ وہ اپنے مفادات کے لیے کشمیر کے مسئلہ میں مداخلت کر رہے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ کشمیر کا مسئلہ اب تک کیوں حل نہیں ہو رہا۔ اور امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے پیش کی گئی تجاویز کیوں نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ان تجاویز کا مقصد کشمیر کے مسئلے کو حل کرنا نہیں، بلکہ ان کے ذریعہ یہ دونوں ممالک اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کشمیر کو اینگلو امریکن نوآبادی بنا دینا چاہتے ہیں۔

(سلامتی کونسل کا سرکاری ریکارڈ، 60واں اجلاس 1962)

جیکب ملک نے کہا:

''سوویت روس کی حکومت یہ سمجھتی ہے کہ کشمیر کا مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا ہے کہ کشمیر کے عوام کو یہ موقع دیا جائے کہ وہ کشمیر کی آئینی حیثیت کا فیصلہ بغیر کسی بیرونی مداخلت کے اپنی رائے سے خود کریں۔''

(سلامتی کونسل کا سرکاری ریکارڈ، 60واں اجلاس 1962)

اس سے قبل 1948ء میں پاکستان نے سوویت یونین کے ساتھ سفارت قائم کرنے کی تجویز پیش کی تو اس سے سٹالن کو بہت خوشی ہوئی۔ ماسکو اور کراچی دونوں جگہ بہت مسرت کا اظہار کیا گیا۔ سٹالن نے پاکستان کی ہمدردیاں جیتنے کے لیے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو دورہ ماسکو کی دعوت دی لیکن لیاقت علی خان وہاں نہ گئے۔ قدرتی طور پر سٹالن کو اس پر سخت حیرت ہوئی اور رنج بھی۔ گرم جوشی کا یہ ماحول زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا۔ پاکستان امریکہ کی طرف قدم قدم بڑھتا رہا۔ 1949ء میں لیاقت علی خان نے امریکہ کا دورہ کیا۔ حالانکہ سٹالن نے اس سے پہلے دورہ ماسکو کی دعوت دے رکھی تھی۔ لیاقت علی خان کے دورۂ امریکہ سے پاکستان کی پالیسی میں تبدیلی کا آغاز ہوگا۔

پاکستان نے پہلے بغداد پیکٹ اور پھر سیٹو (SEATO) میں شمولیت اختیار کی تو سوویت روس نے

اس اقدام کی سخت مذمت کی۔ نہرو نے بھی کوئی وقت ضائع کیے بغیر پاکستان کو خبردار کیا کہ امریکی اسلحہ کی اس خطے میں آمد سے پاک بھارت مسائل پر جاری مذاکرات، خاص کر مسئلہ کشمیر پر الٹا اثر پڑے گا۔ امریکی اسلحہ کی پاکستان میں آمد سے سوویت یونین کی پالیسی میں بھی زبردست تبدیلی آگئی۔ روس کے سرکاری ہفت روزہ ''نیو ٹائمز'' میں ایک مضمون شائع ہوا جس میں اعلان کیا گیا کہ:

''سوویت یونین کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ سمجھتا ہے اور بھارت کی کشمیر پالیسی کی مکمل حمایت کرتا ہے۔''

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 33)

دسمبر 1955ء میں سوویت روس کے رہنماؤں نیکیتا خروشچیف اور نکولائی بلغانن سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام طے کر چکے ہیں، کشمیر کے بارے میں سوویت یونین کا نکتۂ نظر بالکل واضح اور شفاف ہے کہ کشمیر جمہوریہ ہندوستان کے صوبوں میں سے ایک ہے۔''

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 34)

مارچ 1956ء میں روسی رہنما انستاس مکویاں (Anastas Mikoyan) نے بھارت کے دورے میں اعلان کیا کہ ''سوویت یونین کشمیر کو بھارت کا ایک حصہ سمجھتا ہے۔'' دلچسپ بات یہ ہے کہ صرف ایک دن پہلے مکویاں نے بھارت جاتے ہوئے کراچی میں ایک دن گزارا۔ وہاں اس نے اعلان کیا کہ:

''کشمیر کا فیصلہ ہمارا کام نہیں ہے، یہ کام کشمیری عوام کا ہے کہ وہ اپنے مستقبل کے بارے میں خود فیصلہ کریں۔''

(''پاکستان ٹائمز'' 20/مارچ 1956ء)

فروری 1957ء میں کشمیر کا مسئلہ پھر اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے سامنے آیا جب 14/فروری کو امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا اور کیوبا نے ایک قرارداد کا مسودہ سلامتی کونسل کے سامنے پیش کیا۔ 19 فروری کو روسی نمائندے سوبولیف (Sobolev) نے سلامتی کونسل کے سامنے اپنی حکومت کا نکتۂ نظر پیش کرتے ہوئے بتایا کہ ان کی نظر میں کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام خود حل کر چکے ہیں۔ اور وہ کشمیر کو بھارت کا ناقابل تقسیم حصہ سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے کو دوبارہ چھیڑنا بلاوجہ نئے جھگڑے کھڑے کرنے کے مترادف ہوگا۔ قرارداد میں یہ تجویز بھی شامل تھی کہ کشمیر سے بیرونی افواج کے انخلا (Demilitarization) کے لیے عارضی طور پر اقوام متحدہ کے فوجی دستے بھیجے جائیں۔ مسٹر سوبولیف نے اس پر بھی سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انہوں نے قرارداد کی ہر شق کو ہدف تنقید بنایا اور یو۔این چارٹر سے متصادم قرار دیا۔

آخر کار یہ قرارداد روس کے ہاتھوں ویٹو (Veto) ہوگئی۔

سوویت ویٹو کے بعد سلامتی کونسل کے تین ممالک آسٹریلیا، برطانیہ اور امریکہ نے ایک اور نرم قرارداد کا مسودہ سلامتی کونسل میں پیش کیا۔ 21/فروری 1959ء کو قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے روسی نمائندہ سوبولیف نے سلامتی کونسل کو خبردار کیا کہ مغرب کی طرف سے کسی ایسی کارروائی کو روکنے کے لیے جس کا مقصد

کوئی ایسی قرارداد عائد کرنا ہو جو ہندوستان کے لیے قابل قبول نہ ہو سوویت ویٹو ہر وقت موجود رہے گا۔

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 44)

مارچ 1958ء میں حکومت پاکستان نے ایک وفد اس غرض سے وزیراعظم چواین لائی کے پاس بیجنگ (موجودہ پیکنگ) بھیجا کہ وہ سوویت روس کی کشمیر کے بارے میں اپنی روش بدلنے پر آمادہ کریں۔

(روزنامہ ''ڈان'' 9/مارچ 1958ء)

لیکن سوویت یونین کی حکومت نے پاکستان کی خاطر چین کی ایسی کوئی تجویز ماننے سے انکار کر دیا جس کا مقصد کشمیر کے بارے میں بھارت نواز (Pro India) پالیسی کو ترک کرنا ہو۔

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 45)

مارچ 1959ء میں سوویت یونین نے اے آندریف (A. Andreev) کی زیر قیادت ایک وفد سری نگر بھیجا تا کہ ظاہر کیا جائے کہ روس کشمیر کو بھارت کا حصہ سمجھتا ہے۔ آندریف نے سری نگر میں بار بار یہ بات دہرائی کہ ''کشمیر جمہوریہ ہند کا ایک لازمی حصہ ہے۔''

27/اپریل 1962ء کو کشمیر کا سوال ایک بار پھر سلامتی کونسل میں زیر بحث آیا۔ اس اجلاس میں حسب سابق روسی نمائندے ''پلیٹون موروزوف'' (Platon Morozov) نے بھارت کی مکمل حمایت کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ''کشمیر جمہوریہ ہند کا ایک لازمی حصہ ہے اور کشمیر کا مسئلہ کشمیری عوام کی طرف سے حتمی طور پر طے ہو چکا ہے۔ رائے شماری آج سے 14 سال پہلے تو ہو سکتی تھی، لیکن اب یہ زائد المیعاد ہو چکی ہے۔ سوویت روس ایسی کوئی تجویز برداشت نہیں کرے گا جس سے زندگی کی حقیقتوں میں خلل پیدا ہو۔''

(ھیمن رے ''ہاؤ ماسکو سیز کشمیر'' صفحہ 47)

21/جون 1962ء کو سلامتی کونسل کے اجلاس میں مسئلہ کشمیر پھر زیر بحث آیا۔ امریکی نمائندے نے اراکین کونسل کی آراء سننے کے بعد قرار دیا کہ کونسل کے ممبران میں کئی معاملات میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے جن میں یہ امور شامل ہیں:

۱۔ فریقین کے یقین دہانی کہ وہ طاقت کے استعمال سے گریز کریں گے۔
۲۔ سلامتی کونسل اور UNCIP کی قراردادیں قابل عمل (Applicable) ہیں۔
۳۔ بھارت اور پاکستان کو پُرامن مذاکرات کا آغاز کرنا چاہیے۔
۴۔ کسی غیر جانبدار تیسرے فریق کی خدمات حاصل کی جانی چاہئیں۔
۵۔ اس معاملے میں سلامتی کونسل کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہے۔

بحث جاری تھی کہ آئرلینڈ کے نمائندے نے ایک قرارداد کا مسودہ پیش کیا۔ برطانوی نمائندے نے اس کی تائید کی۔ اس قرارداد کا حشر اس وقت ظاہر ہو گیا جب روسی نمائندے نے اس کی مکمل مخالفت کا اعلان کیا۔ 23/جون کو جب آئرلینڈ کی قرارداد رائے شماری کے لیے پیش کی گئی تو سوویت روس نے اسے ویٹو کر دیا۔ پنڈت نہرو نے آئرلینڈ کی قرارداد کو ویٹو کرنے پر سوویت روس کا شکریہ ادا کیا۔

(''دی ہندو'' 29/جون 1962ء)

جنوری 1964ء میں صدر ایوب خان نے سوویت روس کی حکومت کو خط لکھا جس میں ان سے مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں لانے کے لیے ان کی مدد کی درخواست کی۔

ماسکو نے صدر پاکستان کی تجویز کو مسترد کر دیا اور حکومت پاکستان پر واضح کیا کہ سوویت روس کی کشمیر پالیسی بالکل واضح ہے کہ ''کشمیر بھارت کا ایک ناقابل تقسیم حصہ ہے۔''

ماسکو نے صدر پاکستان کو یہ بھی مشورہ دیا کہ انہیں ہندوستان کے ساتھ اپنے مسائل کا پرامن حل اپنے پرانے دوستوں (امریکہ) اور نئے دوستوں (چین) کی مداخلت کے بغیر ڈھونڈ نکالنا چاہیے۔

(''ہندوستان ٹائمز'' 28/جنوری 1964ء)

اپریل 1964ء میں کلکتہ میں روس کے کونسل جنرل وائینوف (Voinof) نے بیان دیا کہ ان کی حکومت کشمیر کو بھارت کا لازمی حصہ سمجھتی ہے اور ہمیشہ بھارت کی علاقائی سلامتی کے تحفظ میں اس کا ساتھ دے گی۔ جولائی 1964ء میں بھارت کے وزیر تعلیم چھاگلہ نے روس کا دورہ کیا تو روس کے وزیر خارجہ گرومیکو نے انہیں یقین دلایا کہ ماسکو کشمیر کے معاملے میں ہمیشہ بھارت کی حمایت کرتا رہے گا۔

(''ٹائمز آف انڈیا'' 31/جولائی 1964ء)

نومبر 1964ء میں ماسکو میں روس کے نئے وزیراعظم الیکسی کوسی جن نے بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کو یقین دلایا کہ کشمیر کے بارے میں روس کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور ''ہم کشمیر کو بھارت کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔''

(''ہندوستان ٹائمز'' 29/نومبر 1964ء)

روس نے ابتدا میں ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کے حق خودارادیت کی حمایت کی تھی تاہم پاکستان کے امریکہ کی طرف جھکاؤ اور ہندوستان کی مضبوط خارجہ پالیسی کی وجہ سے 1955ء کے بعد روس اپنے مؤقف میں دوٹوک اور واضح پالیسی لایا۔ تنازعۂ کشمیر کے حوالے سے پاکستانی حکمرانوں کی احمقانہ پالیسیوں کی وجہ سے ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کے حق خودارادیت کے ایک بڑے حمایتی نے اپنے مؤقف میں واضح تبدیلی لائی۔ 1947ء میں تنازعۂ کشمیر کو ایک بین الاقوامی مسئلہ سمجھنے والے روس کا مؤقف اب کچھ اس طرح ہے:

۱۔ کشمیری عوام کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ وہ بھارت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اب کشمیر کا کوئی مسئلہ باقی نہیں ہے۔

۲۔ سوویت روس کی حکومت کشمیر کو بھارت کا ایک لازمی حصہ سمجھتی ہے اور اس کی حمایت کرتی ہے۔

★★★

باب ہشتم

مسئلہ کشمیر کے حوالے سے ریاست کی جماعتوں اور سیاستدانوں کا کردار

''میں شیخ محمد عبداللہ جس کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا ہے، حلفیہ عہد کرتا ہوں کہ میں ہز ہائی نس راجیشور مہاراج و ہراج شری مہاراجا ہری سنگھ بہادر اندر مہندر سپر سلطنت انگلشیہ والی جموں کشمیر کے وارثین اور جانشینوں کا وفادار رہوں گا اور جو فرائض مجھے تفویض کیے جا رہے ہیں، ان کو مکمل دیانت داری سے پورا کرتا رہوں گا۔''

(30 راکتوبر 1947ء کو شیخ عبداللہ کا بھارتی مقبوضہ کشمیر کا بحیثیت نگران اعلیٰ حلف)

''ہم سرزمین کشمیر پر آپ کی جنگ لڑ رہے ہیں، یہ جنگ تمام ملت اسلامیہ کی جنگ ہے۔ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک ہمارا آخری بچہ زندہ ہے، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کی مدد کے بغیر ہم کشمیر کی حسین و جمیل وادی کو تباہی اور غارت گری سے نہیں بچا سکیں گے۔''

(یکم مارچ 1948ء کو سوچیت گڑھ کے راستے پاکستان آنے کے بعد چوہدری غلام عباس کا خطاب)

شیخ عبداللہ اور چوہدری غلام عباس گزشتہ صدی ریاست جموں کشمیر کے دو بڑے قدآور سیاستدان۔ ایک حلفیہ اقرار کرتا ہے کہ میں مہاراجا ہری سنگھ کے وارثین اور جانشینوں کا وفادار رہوں گا، اور دوسرا سیاستدان کہتا ہے کہ ہم سرزمین کشمیر پر آپ کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ شیخ عبداللہ، چوہدری غلام عباس، بخشی غلام محمد، فاروق عبداللہ، سردار ابراہیم، سردار عبدالقیوم سمیت جتنے بھی سیاستدان تھے انہوں نے قومی آزادی سے زیادہ اقتدار کو ترجیح دی۔

یہ سیاستدان ایک وقت میں ایک بات کرتے، دوسرے وقت پر دوسری، ایک ماہ قبل ان کا مؤقف ایک ماہ بعد کے مؤقف سے مختلف ہوتا تھا۔ کشمیر کے بارے میں بھی انہوں نے یہی کیا۔

1947ء سے قبل کی اگر تاریخ اٹھائی جائے تو ان سیاستدانوں کا حیرت انگیز کردار سامنے آئے گا۔ کبھی یہ سیاستدان خودمختار کشمیر کی بات کرتے، کبھی الحاق پاکستان کی اور کبھی الحاق ہندوستان کی۔

11 جون 1939ء کو چوہدری غلام عباس نے کہا تھا کہ نیشنل کانفرنس ریاست کی باہر کی سیاست میں غیر جانبدار رہے گی۔ مسلم لیگ یا کانگریس کی حمایت یا مخالفت نہیں کی جائے گی۔ 17، 18، 19 اپریل 1942ء کے مسلم کانفرنس کے گیارہویں اجلاس میں انہوں نے کہا:

''ہم مہاراجا ہری سنگھ اور ان کے وزیراعظم کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ جموں وکشمیر کے لاکھوں مسلمان ریاست کو پاکستان کا لازمی حصہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے سوا اُن کو کوئی صورت قبول نہیں ہوگی۔''

اس بیان سے کشمیر کی وحدت پر کاری ضرب پڑی۔ ریاست میں بسنے والے 20 فیصد ہندو اور دیگر مذاہب کے لوگوں نے اپنے لیے خطرہ محسوس کیا۔

تقسیم برصغیر کے وقت چوہدری غلام عباس قید میں تھے۔ یکم مارچ 1948ء کو وہ پاکستان پہنچے اور یہاں سے ان کی سردار ابراہیم کے خلاف ایک نئی جنگ شروع ہوگئی۔

سردار ابراہیم جو مسلم کانفرنس کے سرکردہ رہنما نہیں تھے، انہیں آگے کر کے 19/جولائی 1947ء کی الحاق پاکستان کی قرارداد پاس کروائی گئی تھی، لہذا کم عمر ہونے کے باوجود وہ انقلابی حکومت کے بانی صدر ٹھہرے۔

پاکستانی مؤرخ زاہد چوہدری کے بقول سردار ابراہیم کی زیر قیادت آزاد کشمیر کی حکومت معرض وجود میں آنے کے بعد جو لوگ جنگ آزادی کی سیاسی رہنمائی کے ذمہ دار بنے، اُن میں سے اکثر انتہائی غیر ذمہ دار ثابت ہوئے۔ انہوں نے جنگ آزادی کی فتح کے لیے کوشش کرنے کے بجائے اپنی توجہ متروکہ جائیدادوں پر قبضہ کرنے کی طرف مبذول رکھی۔ بلکہ انہوں نے مری، ایبٹ آباد، سیالکوٹ، لاہور اور پنجاب کے شہری اور دیہی علاقوں کی متروکہ جائیدادوں پر قبضہ کرلیا۔

چوہدری غلام عباس نے پاکستان آتے ہی سردار ابراہیم کی جگہ مسلم کانفرنس کی صدارت کا عہدہ سنبھالا۔ 33000 مربع میل پر صدر ریاست کے عہدے پر سردار ابراہیم بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن عملی طور پر ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مسلح جدوجہد کی تحریک پر پاکستان کی فوج اور ایجنسیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ جو بھی آدمی ریاست کی حقیقی آزادی کی بات کرتا، اُسے بھارتی جاسوس قرار دے کر گرفتار کرلیا جاتا۔

جنوری 1949ء کو کشمیر میں جنگ بندی ہوئی، 28/اپریل 1949ء کو گلگت بلتستان کا جو حصہ پاکستان کے پاس تھا، اُس پر قبضہ کرنے کے لیے ایک معاہدہ تیار کر کے چوہدری غلام عباس اور سردار ابراہیم کے سامنے رکھا۔ قیادت کے دعویدار، بزدل حکمرانوں نے اس پر دستخط کر دیے۔ چوہدری غلام عباس نے مشروط دستخط کیے کہ مجھے معاہدے کی اُن باتوں سے اتفاق ہے جو مسلم کانفرنس کے متعلقہ ہیں۔ لیکن وہ پاکستانی

ایجنسیوں کے تیار کردہ اس معاہدے پر دستخط کرنے سے مکمل انکار نہ کر سکے۔ سردار ابراہیم ساری زندگی اپنے دستخطوں سے انکاری رہے، تاہم بحیثیت صدر ریاست وہ اس معاہدے کو بعد میں بھی ختم کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ مہاراجا ہری سنگھ نے انگریزوں کو جنگی تاوان ادا کر کے ریاست کے موجودہ جغرافیے کی بنیاد رکھی، اور مسلم کانفرنس کے ان سیاستدانوں نے 29 ہزار مربع میل علاقہ مفت میں دے دیا۔

2 / مارچ 1949ء کو غلام عباس نے سیالکوٹ میں مسلم کانفرنس کے ایک اجلاس میں ایک قرارداد منظور کروائی کہ آئندہ آزاد کشمیر کا صدر وہ ہوگا جسے مسلم کانفرنس نامزد کرے گی، اور وزراء بھی صدر مسلم کانفرنس کے مشورے سے صدر ریاست نامزد کریں گے۔ یہ سیاسی آمریت کی بدترین مثال تھی۔ بالفاظ دیگر مہاراجا سے آزادی حاصل کرنے والوں کی بھی وہی سوچ، جو مہاراجا کی سوچ تھی۔

ابراہیم ...... عباس تصادم میں طے شدہ تحریک آزادی کی بجائے اقتدار ترجیح اختیار کر گیا۔ مئی 1950ء میں غلام عباس نے سردار ابراہیم کو برطرف کر دیا، جس کے جواب میں پونچھ سے ردعمل ہوا۔ جس کے نتیجہ میں کرنل شیر احمد خان نے جو عارضی حکومت کے عہدیدار تھے نے استعفیٰ دے دیا۔

مسلم کانفرنس تین حصوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔ سردار ابراہیم، غلام عباس، میر واعظ یوسف اپنے اپنے گروپ کی نمائندگی کر رہے تھے، اصل مسلم کانفرنس کون سی ہے، اس بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ جسے وزارت امور کشمیر تسلیم کرے گی۔ اس دوڑ میں مسئلہ کشمیر کی جگہ اقتدار نے لے لی۔ جون 1951ء میں سردار ابراہیم نے آزاد کشمیر حکومت کے متبادل حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا اور اس کا دارالخلافہ پونچھ میں قائم کرنے کا اعلان کیا۔ وزارت امور کشمیر نے اپنی اجارہ داری قائم رکھتے ہوئے سردار ابراہیم اور عباس کو مذاکرات کی میز پر بٹھانے کی کوشش کی، چونکہ متبادل حکومت بھارت کے لیے بہترین خوراک تھی۔ مذاکرات کی میز پر مخلوط حکومت کی تجویز غلام عباس نے مسترد کر دی، جس پر غلام عباس نے اپنا استعفیٰ حکومت پاکستان کو پیش کیا، جو سیاسی نابالغ ہونے کی اعلیٰ ترین مثال تھی، جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ آزاد حکومت پاکستان کے کنٹرول میں ہے۔

بعد ازاں غلام عباس نے دوبارہ تحریک آزادی اور سیز فائر لائن کو توڑنے کی باتیں شروع کر دیں، سردار ابراہیم کا اس پر تبصرہ تھا:

''یہ تحریک ایک سیاسی تلوار ہے، جسے میری حکومت کی گردن کی تلاش ہے اور بس۔''

1947ء سے 1957ء تک سات صدور بنائے گئے۔ ہر ایک کشمیر کے مسئلے کے بجائے وزارت امور کشمیر کے آگے اقتدار کے لیے خود کو حقیقی نمائندہ ظاہر کر کے اختیارات پر سمجھوتہ کرتا رہا۔

30 / اکتوبر 1970ء کو آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے لیے انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات سے قبل سردار عبدالقیوم نے یحییٰ خان پاکستانی صدر کو اعتماد میں لے لیا تھا۔ سردار عبدالقیوم نے پاکستانی فوج کے ایک کور کمانڈر کے ذریعے جو ملاقات کی، اس میں ان کا مؤقف تھا کہ کے ایچ خورشید خود مختار کشمیر چاہتے ہیں، اور میں الحاق کا داعی ہوں، یوں یہ الیکشن سردار عبدالقیوم جیت گئے۔ انہوں نے آزاد کشمیر کی فوج کو پاکستانی فوج میں ضم کر دیا، آزاد کشمیر کا قومی پرچم تبدیل کر دیا، تعلیمی نصاب میں سے گلگت بلتستان اور بھارتی مقبوضہ کشمیر کے متعلق

دی جانے والی تعلیم کے اسباق خارج کر دیے، پاکستان کا جغرافیہ آزاد کشمیر کے نصاب میں شامل کیا گیا، ''کشمیر بنے گا پاکستان'' کا نعرہ سکولوں میں لازمی قرار دیا۔

آنے والے وقت میں بھٹو نے آزاد کشمیر میں ایکٹ 74ء نافذ کر دیا اور آزاد کشمیر میں پی پی کی حکومت بنا ڈالی۔ چونکہ اسلام آباد میں پی پی کا بانی بھٹو اقتدار میں تھا، اس لیے آزاد کشمیر میں سے قد آور سیاستدان پی پی میں شامل ہو گئے۔ سردار عبدالقیوم نے بھٹو کو رام کرنے کے لیے ایک مجلس میں کہا کہ میں باہر سے مولوی ہوں، اندر سے سوشلسٹ ہوں، حاضر جواب بھٹو کا جواب تھا، ''میں باہر سے سوشلسٹ ہوں اندر سے مولوی۔''

یہ حقیقت ہے جسے تاریخ کے اوراق درست ثابت کرتے ہیں کہ کشمیریوں کی سب سے بڑی قاتل جماعت مسلم کانفرنس ہے۔ مہاراجا اور نیشنل کانفرنس کا نمبر مسلم کانفرنس کے بعد آتا ہے۔ تقسیم کشمیر کی بنیاد مسلم کانفرنس نے رکھی۔ مہاراجا کا پاکستان سے معاہدہ قائمہ ہونے کے باوجود مسلح جدوجہد مسلم کانفرنس نے شروع کی۔ 23/اگست کا یوم نیلہ بٹ اگر سچ ہے تو یہی دن جموں وکشمیر کے لاکھوں لوگوں کے قتل و غارت کی ابتدا ہے۔ جب اگست 1947ء میں مہاراجا نے مسلم کانفرنس کی 14 جولائی کی قرارداد کے خلاف پاکستان سے معاہدہ کر لیا تو اس کے بعد اقتدار کے لیے جو بندوق اٹھائی گئی، اس سے آج تک ریاست کے لوگ مارے جا رہے ہیں۔ بھارتی فوجیں 22/اکتوبر کے قبائلی حملے کے بعد سرینگر میں اتریں، جموں کے مسلمانوں کا قتل عام نیلہ بٹ سے شروع ہونے والے کشمیری ہندوؤں اور سکھوں کے قتل عام کے بعد ہوا۔

پاکستان کے زیر انتظام آزاد کشمیر کے علاوہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بھی شیخ عبداللہ، بخشی غلام محمد اور دوسرے لیڈر اسی طرح کردار ادا کرتے رہے۔ منقسم لائن کے دونوں اطراف کشمیری قیادت 1947ء سے قبل جن سیاسی قلابازیوں کی عادی تھی، 1947ء کے بعد وہی وتیرہ رہا۔ جون 1944ء میں مسٹر جناح نے سرینگر کا دورہ کیا۔ اس موقع پر چوہدری غلام عباس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جموں کشمیر کے مسلمان آپ کے ادنیٰ اشارے پر ہر قسم کی قربانیوں کے لیے تیار ہیں۔ ایک اور کانفرنسی نے خوشامد کا وہ انداز اپنایا جو تاریخ بن گئی۔ یہ اللہ رکھا ساغر تھا، جس نے کہا کہ مسٹر جناح کے علاوہ کسی کو قائداعظم نہ کہا جائے، حالانکہ اس سے قبل کشمیر کے لوگ شیخ عبداللہ کو قائداعظم کہتے تھے۔ شیخ عبداللہ کے لیے یہ لفظ 11/نومبر 1934ء کو سوپور کے مقام پر میاں احمد یار نے استعمال کیا۔

کسی نے سچ کہا تھا کہ ریاست جموں وکشمیر کے لوگ اس قدر ذہین ہیں کہ یہ بند لفافے کو دیکھ کر اس کے اندر موجود عبارت کے بارے میں جان جاتے ہیں۔ مگر یہی ذہانت انہیں غلام رکھے ہوئے ہے۔ اپنی جگہ نئے نئے لفظ نکالنا، خطابت کے جوہر دکھانا کشمیری سیاستدانوں پر ختم ہیں۔

جولائی کے آخری عشرے کی ابتدا میں مسٹر جناح کا دورۂ کشمیر اختتام پذیر ہوا۔ کشمیر میں سیاستدانوں نے انہیں مسٹر جناح سے قائداعظم بنا کر لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں الوداع کیا۔ الوداع کرنے والوں میں مسلم کانفرنس کے زیادہ تر لوگ شامل تھے۔ جولائی کے آخری عشرے میں مہاراجا ہری سنگھ یورپ کے دورے

سے واپس آیا تو مسلم کانفرنس اور نیشنل کانفرنس ایک مرتبہ پھر لاکھوں لوگوں کو مہاراجا کے استقبال کے لیے سرینگر کی سڑکوں پر لے آئیں۔ مہاراجا کی جے، مہاراجا زندہ باد کے نعرے لگائے گئے۔ تبدیلی کی بات کرنے والے شیخ عبداللہ، غلام عباس مہاراجا کے ساتھ تھے یا مسٹر جناح کے ساتھ؟ جب گاندھی سرینگر آئے تو میر واعظ فیملی نے دو لاکھ لوگ استقبال کے لیے اکٹھے کیے۔ آج بھی کشمیر کے سیاستدان دہلی اور اسلام آباد والوں کا اسی طرح استقبال کرتے ہیں۔ شیخ عبداللہ قد آور سیاستدان تھے لیکن اُن کے قول میں اتنا تضاد تھا کہ خود تاریخ پریشان ہے۔ وہ جس جگہ جاتے وہاں کے ماحول کے مطابق اپنا چہرہ بنا لیتے۔

وہ کشمیر چھوڑ دو تحریک کی پاداش میں جیل میں گئے اور مہاراجا سے وفاداری کی شرط پر جیل سے نکلنے کے بعد انہوں نے 30 / اکتوبر 1947ء کو مہاراجا اور اس کے وارثین اور جانشینوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا۔

وہ منتشر الخیال تھے۔ ایک ہی وقت میں خودمختاری کی بات کرتے، کبھی ہندوستان کو ترجیح دیتے، کبھی مہاراجا کی وفاداری کا اعلان کرتے اور کبھی مہاراجا سے بغاوت کا اعلان، جیل میں جاتے تو شرائط مان لیتے، واپس آ کر اقتدار لیتے اور پھر اپنی بات کر کے جیل میں چلے جاتے۔ ان کی دوسری زندگی کا باب اندرا عبداللہ معاہدے کے بعد بند ہو گیا۔ 13 / نومبر 1974ء کو شیخ عبداللہ نے خود مکمل سپردگی کے تحت جو معاہدہ کیا اس بارے میں 2 / مارچ 1975ء میں لال چوک سرینگر کے جلسۂ عام میں ان کے الفاظ تھے:

''جس انقلاب کے لیے کشمیری قربانیاں دے رہے تھے، وہ مکمل ہو گیا ہے۔ اب کشمیری بھارت کے اندر بہت عزت سے رہیں گے۔''

27 / مارچ 1974ء کو اندرا گاندھی کشمیر کے دورے پر آئی تو شیخ عبداللہ نے کہا:

''ہمیں راستہ بدلنے کے لیے ایک رہنما کی ضرورت تھی، خوش قسمتی سے خدا تعالیٰ نے وہ رہنما ہمیں اندرا گاندھی کی شکل میں دے دیا ہے۔''

جس طرح آزاد کشمیر کے حکمرانوں کا دعویٰ ہے کہ پورا کشمیر آزاد کروا کر پاکستان کا حصہ بنایا جائے گا، بالکل اسی طرح 1975ء کے بعد شیخ عبداللہ نے آزاد کشمیر کو ریاست جموں و کشمیر کا حصہ قرار دے کر بھارت میں شامل کرنے کا دہلی سے مطالبہ کر دیا۔

شیخ عبداللہ دہلی جاتے تو کشمیر کو ہندوستان کا ناقابل تنسیخ حصہ قرار دیتے، سرینگر واپس آتے تو رائے شماری کی بات کرتے۔ 1952ء میں انہوں نے دہلی حکومت کے ساتھ معاہدہ دہلی کیا، اس معاہدے میں عبداللہ کی طرف سے بھیجے گئے وفد کی سربراہی مرزا افضل بیگ کر رہے تھے۔

اس معاہدے کے مطابق انہوں نے ایک شرط یہ بھی تسلیم کی کہ کشمیر کا مسئلہ بین الاقوامی نہیں، بلکہ صرف بھارت اور کشمیر کے درمیان ہے۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھ کے کشمیری سیاستدانوں کو بھارت بالکل اسی طرح استعمال کرتا رہا جس طرح آزاد کشمیر کے سیاستدان وزارت امور کشمیر کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ شیخ عبداللہ کو برطرف کیا جاتا تو بخشی غلام محمد اقتدار میں آ جاتا، اسے ہٹایا جاتا تو کوئی دوسرا آ جاتا۔ 1982ء میں شیخ عبداللہ کا بیٹا فاروق عبداللہ اقتدار میں آیا تو اس نے مقبول بٹ شہید کو پھانسی دینے کے حکم نامے پر دستخط

کیے۔آزاد کشمیر میں بھی یہی صورتحال رہی سوائے کے ایچ خورشید کے آزاد کشمیر میں جتنے بھی لوگ اقتدار میں آئے ان کے قول وفعل میں واضح تضاد تھا۔ وہ الحاق پاکستان کو اپنے ایمان کا حصہ قرار دیتے۔الحاق پاکستان کے حق میں لمبی لمبی تقریریں کرتے ، الحاق پاکستان کے لیے کی گئی اپنی جد و جہد کو باعث فخر سمجھتے ، لیکن دوسری طرف آزاد کشمیر میں پاکستانی مداخلت پر اعتراض کرتے ۔ جب بھی پاکستان کی طرف سے کوئی ایسا فیصلہ سامنے آتا کہ اس نے آزاد کشمیر کے کچھ معاملات کو اپنے پاس رکھ لیا ہے، ان سیاستدانوں کو کشمیر کی شناخت یاد آجاتی ہے۔آزاد کشمیر میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے یہ پاکستان کے پاس چل کر جائیں تو جائز، جب ان کا مدمقابل آزاد کشمیر کا کوئی اور سیاستدان جائے تو ناجائز۔غلام عباس، مولوی یوسف، سردار ابراہیم، سردار عبدالقیوم، سکندر حیات، ممتاز راٹھور، سلطان محمود، سردار عتیق، چوہدری مجید سب اس میں شامل ہیں۔ا یکٹ 1964ء کے نام سے پاکستان نے آزاد کشمیر میں ایک نیا قانون لاگو کر کے حاضر سروس جج جسٹس عبدالحمید کو جب صدر آزاد کشمیر بنایا تو غلام عباس کا کہنا تھا کہ یہ قانون آزاد کشمیر کی جداگانہ حیثیت کی نفی کرتا ہے۔ جب تک کشمیر کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، آزاد کشمیر نہ پاکستان کا حصہ ہے نہ غلام کشمیر بھارت کا، بلکہ کشمیر کی اپنی ایک خاص حیثیت ہے۔اس میں مداخلت نہیں ہونی چاہیے۔اس میں کسی قسم کی مداخلت نا قابل برداشت ہے۔

سردار عبدالقیوم اکتوبر 1970ء کے انتخابات میں صدر منتخب ہوئے تو انہوں نے اپنی پہلی تقریر میں کہا کہ وہ خودمختاری (آزادی) چاہنے والوں کو دریائے جہلم میں غرق کر دیں گے۔

اپنی کتاب ''کشمیر بنے گا پاکستان'' میں وہ لکھتے ہیں، '' کے ایچ خورشید کے بقول کہ جب کشمیر آزاد ہو جائے گا (جو بذات خود ایک خواب نیم روز ہے......) ''

چوہدری غلام عباس جو قائد ملت کہلواتے تھے اور سردار عبدالقیوم جنہوں نے کمال ہوشیاری سے تاریخ کے اوراق میں خود کو مجاہد اوّل کے نام سے داخل کروا دیا، دونوں بزدل آدمی تھے۔اقتدار کے پجاری تھے۔ دونوں کا خیال تھا کہ کشمیر آزاد ہو گیا تو پڑوسی ملک کھا جائیں گے۔ کے ایچ خورشید کے نظریہ کہ'' آزاد کشمیر کو مہاراجا کی جانشین حکومت تسلیم کر کے پاکستان خود اور عالمی برادری سے اسے تسلیم کروائے۔'' غلام عباس نے جو جواز یتیں دی ہیں، وہ بشیر احمد قریشی نے اپنی کتاب '' قائد کشمیر'' کے صفحہ نمبر 187 میں لکھتے ہیں۔

اسی سال صدر آزاد کشمیر نے آزاد کشمیر کو تسلیم کرانے کا نعرہ لگایا۔ جس کی چوہدری صاحب نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر مخالفت کی اور حکومت پاکستان کو جماعت کی طرف سے ایک یادداشت بھیجی:-

1۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس نے 1940ء سے ہی جبکہ قرارداد پاکستان لاہور میں منظور ہوئی تھی اسلامیان جموں و کشمیر کو پاکستان کا نعرہ دیا تھا۔اور اس کے لیے جد و جہد شروع کی تھی۔اس فیصلے کی توثیق 1942ء اور 1944ء کے سالانہ اجلاسوں اور جولائی 1946ء کے کنونشن اور 19 جولائی 1947ء کی قرارداد الحاق پاکستان کی شکل میں کی۔اور اس کے حصول کے لیے پہلے آئینی اور پھر مسلح جہاد کے ذریعے کشمیر کے ایک حصے کو آزاد کرایا۔

2۔ سکیورٹی کونسل نے آزاد کشمیر علاقہ کو ایک لوکل اتھارٹی تسلیم کیا ہوا ہے۔اس سلسلے میں سلامتی کونسل کی قراردادوں پر بھی فرق پڑے گا۔اور کشمیر کی ساری ریاست میں تسلیم شدہ رائے شماری کی قرارداد متاثر ہو سکتی ہے۔

3۔ اگر بالفرض محال آزاد کشمیر کو خودمختار الگ ریاست تسلیم کر لیا جائے تو پاکستان خود بخود اس منظر سے الگ ہو جاتا ہے۔اس بارے میں اگر بھارت کی طرف سے آزاد کشمیر پر حملہ کیا جائے تو پاکستان کس حیثیت سے اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بھارت کے پاس یہ جواز بھی ہوگا کہ یہ علاقہ مقبوضہ کشمیر کا ایک حصہ ہے۔ یہ اس سے الگ نہیں رہ سکتا۔

4۔ بھارتی حملے کی صورت میں اگر آزاد کشمیر کی کوئی بھی مدد کرنا چاہے تو کس راستہ سے ہو گی۔

5۔ اگر کسی وقت آزاد کشمیر پاکستان سے اپنے تعلقات ختم کرنا چاہے، تو اس وقت کیا پوزیشن ہوگی۔اس سلسلے میں مصر اور سوڈان کی مثال پیش کی۔

6۔ اس کے علاوہ گلگت بلتستان کی کیا پوزیشن ہوگی۔

7۔ شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کو سارے پاکستان اور آزاد کشمیر میں صرف اس لیے قابل ملامت سمجھا جاتا تھا کہ وہ خودمختار کشمیر کے حامی تھے۔ جبکہ وہ ابھی جیل میں نہیں ڈالے گئے تھے۔لیکن جب وہ پاکستان کی حمایت میں اٹھے اور سارا کشمیر ان کے ساتھ ہوا تو وہ جیل میں ڈالے گئے۔اس پر ان لوگوں پر کیا اثر ہوگا جو مقبوضہ کشمیر میں تحریک الحاق پاکستان کی خاطر اس وقت تکلیفیں برداشت کر رہے ہیں۔

8۔ اس نعرے کا مطلب یہ ہوگا کہ جموں و کشمیر کے مسلمانوں کو مزید کئی حصوں میں بانٹا جائے گا۔آزاد کشمیر کے موجودہ الیکشن کے نتائج سے صاف ظاہر ہے کہ باوجودیکہ ہر قسم کی دھاندلی کے سردار عبدالقیوم کو آزاد کشمیر میں اکثریت سے لوگوں نے ووٹ دیے جو کہ مسلم کانفرنس کا امیدوار تھا لیکن اس کے مقابلہ میں آزاد کشمیر کو الگ ریاست تسلیم کروانے والے امیدوار کو باوجود یہ کہ حکومت پاکستان، حکومت آزاد کشمیر کے علاوہ ہر قسم کی مالی امداد بھی حاصل تھی آزاد کشمیر میں بہت کم ووٹ ملے۔

9۔ اس نعرے کو تسلیم کرنے کی صورت میں وہ کون سی ایجنسی ہوگی جو آزاد کشمیر کی حکومت کے ساتھ تعلقات اور معاملہ میں بیچ میں آئے گی۔

10۔ نعرہ تسلیم کرنے کی صورت میں فوری طور پر آزاد کشمیر حکومت کس کے سامنے جوابدہ ہو گی۔آزاد کشمیر فوج، موجودہ انتظامیہ اور لینٹ آفیسروں کی کیا پوزیشن ہوگی۔

11۔ اس بارے میں رولز آف بزنس کو یا تو مسلم کانفرنس کی منظوری حاصل ہو۔ظاہر ہے کہ مسلم کانفرنس یہ قبول نہیں کرے گی۔دوسری صورت یہ ہے کہ بالغ رائے دہی پر ایک

نمائندہ اسمبلی قائم کی جائے جو اس بات کا فیصلہ کرے۔موجودہ حکومت کسی بھی صورت میں یہ فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔

12۔ اس نعرے کو تسلیم کرنے کا مطلب بھارت کو آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کی دعوت دینے کے مترادف ہے۔

13۔ اس وقت تک کسی بھی ملک نے یہ نہیں کہا کہ آزاد کشمیر کو خود مختار حیثیت دی جائے۔اور اگر یہ مطالبہ ماننے کے بعد بھی اس طرف کسی نے توجہ نہ دی تو پھر صورت حال کیا ہو گی۔

14۔ آزاد کشمیر کے عوام نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے لمبے عرصے سے بہت بڑی قربانیاں دی ہیں۔لیکن اس نئی حیثیت سے وہ سب خاک میں مل جائیں گی اور ایک نئی صورت حال پیدا ہوگی۔

15۔ آزاد کشمیر کا خود مختار علاقہ ایک طرف روس، چین اور دوسری طرف بھارت اور پاکستان میں گھرا ہوا ہے۔اس طرح یہ ایک سازشوں کا اڈا بن جائے گا۔

دوسری طرف سردار عبدالقیوم کشمیریوں کے مطالبہ آزادی کو بھارت کے خلاف سمجھتے ہوئے اسے درست نہیں سمجھتے۔مجاہد اوّل ہونے کے دعویدار، غازی آباد کے اس سردار کو اپنی قوم سے زیادہ بھارت سے کیوں محبت ہوگئی۔

انہوں نے اپنی کتاب میں کیا خوب لکھا کہ:

''خود مختاری (قومی آزادی) کی یہ تحریکیں ویسے بھی فتنہ ہیں، اور کوئی عجب نہیں کہ ان کے پیچھے ہمارے دشمنوں کا ذہن کارفرما ہو۔جبکہ یہ تحریکیں پاکستان اور بھارت دونوں کو ان کی سیاسی، معاشی، جغرافیائی قوت سے محروم کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔اگر یہ تحریکیں جاری رہیں تو پاکستان اور بھارت کی اپنی آزادی وخود مختاری نہ صرف محال نظر آئے گی بلکہ صاف طور پر خطرے میں پڑ جائے گی۔''

مان لیا، کشمیر بنے گا پاکستان اور الحاق پاکستان سردار عبدالقیوم کا سیاسی نظریہ ہے۔لیکن مجاہد اوّل بننا (جیسا کہ ان کا دعوٰی ہے) وہ جدوجہد بھارت کے خلاف تھی تو پھر اچانک بھارت جسے ہر کشمیری (خواہ وہ الحاق پاکستان کا حامی ہو یا خود مختار کشمیر کے نظریہ سے وابستہ ہو) غاصب سمجھتا ہے، اس سے محبت کیسے ہوگئی؟

سردار عبدالقیوم نے 1970ء میں اپنے صدارتی خطبے میں جو کہا تھا کہ وہ خود مختاری چاہنے والوں کو دریائے جہلم میں غرق کر دیں گے، 1992ء میں انہوں نے اس پر عمل کیا۔فروری 1992ء میں دریائے جہلم کے کنارے چناری کے مقام پر نصف درجن سے زائد قوم پرستوں کو شہید کر دیا۔

عظیم افریقی لیڈر نیلسن منڈیلا نے کہا تھا کہ سیاستدان آنے والے انتخابات کے بارے میں سوچتا ہے جبکہ رہنما آنے والی نسل کے بارے میں سوچتا ہے۔

گزشتہ صدی کا ریکارڈ اگر اٹھا کر دیکھا جائے تو شیخ عبداللہ، غلام عباس، مولوی یوسف، سردار

ابراہیم، سردار عبدالقیوم، سکندر حیات سمیت درجنوں سیاستدان تحریک آزادی کے نام پر اقتدار کے مزے لیتے رہے، لیکن کوئی بھی وطن پر قربان نہ ہوسکا، سوائے مقبول بٹ شہید کئے۔

سردار عبدالقیوم نے اپنی کتاب ''کشمیر بنے گا پاکستان'' میں کشمیر کو تسلیم کرنے والی ہر سوچ کی مخالفت کی۔ کے ایچ خورشید کی لبریشن لیگ، محاذ رائے شماری، جے کے ایل ایف، این ایس ایف، حتیٰ کہ جماعت اسلامی کے ''کشمیر بنے گا دارالسلام'' نعرے کی بھی مخالف کی۔ ان کی کتاب پڑھ کر عام آدمی اتنی بات سمجھ سکتا ہے کہ مسلم کانفرنس اقتدار میں رہے، آزادی کی بات کر کے اپنے اقتدار کو جاری رکھے تو سب ٹھیک، جب کوئی دوسری جماعت یا فرد ایسا کرے تو جرم عظیم۔ سردار کا اسلام قابل تحسین، جماعت اسلامی کا اسلام نا قابل قبول، سردار کی کشمیریت قابل فخر، کے ایچ خورشید کی کشمیریت غداری، سردار کے ترقیاتی منصوبے زندہ باد، حیات خان کا ترقیاتی عمل پاکستان دشمنی۔

اجتماعی حق خود ارادیت کی اپنی اپنی تشریح

تنازعۂ کشمیر حل نہ ہونے کی بنیادی وجہ ''آزادی'' کے اپنے اپنے معانی ہیں۔ ہر مکتبہ فکر کے پاس آزادی کا اپنا مفہوم ہے۔ آزاد کشمیر میں آزادی کے معنی ہیں ''الحاق پاکستان''۔ ریاست کی 2 کروڑ آبادی میں سے تقریباً 70 لاکھ لوگ آزاد کشمیر، گلگت بلتستان اور پاکستان میں مقیم ہیں۔ ان حصوں میں قائم حکومتوں (لوکل اتھارٹیز) کے نزدیک الحاق پاکستان ریاست جموں کشمیر کی آزادی ہے۔ پاکستان کے زیرِ انتظام اور زیرِ سایہ حکومتیں چونکہ پاکستان کی مرضی سے تشکیل پاتی ہیں، اس لیے ان کی آزادی کے متعلق جو سرکاری پالیسی ہوتی ہے وہ الحاق پاکستان ہے۔ یہ حکومتیں تنازعۂ کشمیر کے حوالے سے اپنے اُس موٗقف سے دستبردار ہو چکی ہیں جو اقوام متحدہ کی 13 اگست 1948ء کی قرارداد اور آزادی کے مفہوم پر پورا اترتا ہو۔ اگر مظفر آباد، اسلام آباد سے الحاق کو آزادی کا نام دیتا ہے، تو سرینگر دہلی سے الحاق کو آزادی کا نام دیتا ہے۔ تقسیم ہند کے بعد ریاست جموں کشمیر کی محدود آزادانہ حیثیت 15 اگست 1947ء کو مہاراجا ہری سنگھ کے پاکستان سے معاہدہ قائمہ کے بعد سامنے آتی ہے اور پھر 27 اکتوبر 1947ء کو بھارت سے الحاق کے بعد یہ حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ تب سے آج تک آزادی کے اپنے اپنے معانی ہیں۔ جو علاقہ پاکستان کے حصے میں آیا اس کی آزادی الحاق پاکستان کے نام سے سامنے آئی اور جو ہندوستان کے پاس گیا اس کی آزادی الحاق ہندوستان کے نام سے سامنے آئی۔ یوں سرینگر کی آزادی کا آزاد کشمیر، گلگت بلتستان سمیت سرینگر کا ہندوستان سے الحاق کا نام ٹھہرا اور مظفر آباد کی آزادی کا مطلب سرینگر، لداخ اور جموں کے بھارت کے زیرِ قبضہ علاقوں کا مظفر آباد سمیت پاکستان سے الحاق۔

پاکستان اور ہندوستان کے نزدیک ریاست جموں کشمیر کی آزادی کا نام ان دو ممالک میں سے ایک کے ساتھ الحاق ہے۔ دونوں ممالک کی نمائندہ حکومتیں منقسم کشمیر کے دونوں حصوں میں ان ہی کے ایجنڈے پر کام کر رہی ہیں۔ اس سارے ماحول میں جو لوگ حقیقی آزادی کی بات کرتے ہیں، پاکستان اور ہندوستان کی خواہش اور حکمت عملی کے مطابق ان کی آواز کو دبا دیا جاتا ہے۔

دونوں ممالک کی سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں نے تنازعۂ کشمیر کے نام پر اپنی سیاست کو دوام

بخشا۔ اقتدار حاصل کیا اور پھر اس اقتدار کو طول دیا۔ جس کے نتیجہ میں تنازعۂ کشمیر جو ایک قوم کی آزادی کا مسئلہ ہے، پاکستان اور ہندوستان کے سیاسی تناظر میں اس کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ اور آج حالات اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ دونوں ممالک کی کوئی بھی سیاسی جماعت بھاری مینڈیٹ کے ساتھ حکومت میں آنے کے باوجود زمینی حقائق اور تنازعہ کشمیر کی روح کے مطابق فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ 1947ء کے بعد کے عرصہ میں ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے کوئی بھی دلیرانہ اور حقیقت پسندی پر مبنی فیصلہ کرنا آج کی نسبت آسان تھا، گرچہ آج تک ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تنازعۂ کشمیر کے حوالے سے مذاکرات کے جتنے دور ہوئے وہ تقسیم کشمیر کے حوالے سے تھے۔ پاکستان کے سابق وزیراعظم فیروز خان نون کے مطابق چناب فارمولا مسئلہ کشمیر کا واحد حل تھا۔ ایوب خان کشمیر کے حوالے سے کچھ لو اور کچھ دو کی حکمت عملی پر گامزن تھے۔ جبکہ ریاست جموں کشمیر کے تمام باشندے، تمام سیاسی جماعتیں پاکستان اور ہندوستان کے زیر انتظام تمام حکومتیں ریاست کو ناقابل تقسیم وحدت سمجھتی ہیں۔

آزادی کے اپنے اپنے معانی رکھنے کے باوجود ''ریاست جموں کشمیر ناقابل تقسیم وحدت'' کے نظریے کی تمام سیاسی جماعتوں نے پھر بھی حفاظت کی۔ یہ ذمہ داری بھی اہالیان ریاست جموں کشمیر کی ہے کہ وہ ریاست جموں کشمیر کی وحدت کے نظریے پر مسلسل قائم رہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کو آج تک تمام تر وسائل اور کوشش کے باوجود کوئی ایسی مضبوط سیاسی جماعت نہیں مل سکی جو موجودہ منقسم حصوں کی مستقل تقسیم پر راضی ہو۔ حتیٰ کہ ہندوستان اور پاکستان کی جو سیاسی جماعتیں منقسم ریاست کے کسی بھی حصے میں اقتدار میں رہی ہیں وہ موجودہ صورت حال کو تو قبول کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن مستقل بنیادوں پر ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ریاست کے لوگ پہلے اجتماعی طور پر اپنا حق خودارادیت چاہتے ہیں اس کے بعد الحاق کی بات کرتے ہیں۔ مسلم کانفرنس جیسی جماعت جس نے 19 جولائی 1947ء کو الحاق پاکستان کی قرارداد منظور کی، پہلے حق خودارادیت اور بعد میں الحاق پاکستان کی بات کرتی ہے۔ کے ایچ خورشید نے اس سلسلہ میں ایک بہترین حل پیش کیا تھا، مگر پاکستان کے اپنے تحفظات تھے۔ ایوب خان بحیثیت سپہ سالار انفرادی طور پر اس پر کچھ حد تک رضامند ہو گئے تھے مگر انہیں اپنے کور کمانڈرز کی حمایت حاصل نہ ہو سکی۔ خورشید حسن خورشید کا نظریہ تھا کہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کو ون یونٹ بنا کر پاکستان اسے مہاراجا کی جانشین حکومت تسلیم کرے پھر ریاست جموں کشمیر کی یہ حکومت خود اپنا مقدمہ عالمی برادری کے سامنے رکھے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی، بالخصوص کشمیر پالیسی پاکستانی فوج کے پاس ہے۔ پاکستان آرمی کا اپنا مائینڈ سیٹ ہے لہذا نظریۂ خورشید ختم کر دیا گیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ریاست جموں کے مفادات کا خیال ریاست کے لوگوں سے زیادہ کوئی نہیں رکھ سکتا۔ جب پاکستان آرمی نے سردار عبدالقیوم کے تعاون سے نظریۂ خورشید ختم کر دیا تب کشمیر کے قوم پرست طبقہ میں شدید ردعمل آیا۔ آزاد کشمیر کے سابق وزیراعظم ممتاز حسین راٹھور نے گزشتہ صدی کی ساتویں دھائی کے وسط میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی۔ طلبہ کی اس فیڈریشن نے براہ راست آزادی کے مطالبے کو اپنے منشور

کا پہلا نکتہ قرار دیا۔ بعدازاں مقبول بٹ شہید نے براہ راست آزادی کے مطالبے پر مسلح جدوجہد شروع کی۔ خورشید حسن خورشید اور مقبول بٹ کے نظریہ میں انیس بیس کا فرق تھا۔ کے ایچ خورشید کہتے تھے کہ پاکستان ہمیں بطور ریاست تسلیم کرے اور ہم اپنا مقدمہ خود عالمی برادری کے سامنے لے جائیں۔ جبکہ مقبول بٹ شہید کہتے تھے کہ جب تک آپ خود میدان میں اتر کر نہیں کھیلیں گے آپ کو کوئی بھی کھلاڑی تسلیم نہیں کرے گا۔ اگر 67 سالہ تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مقبول بٹ شہید اور اس کے پیروکاروں کے علاوہ کسی نے بھی آزادی کے لیے آزادی کی حقیقی روح کے مطابق جدوجہد نہیں کی۔ کسی کی آزادی کی جدوجہد الحاق پاکستان کے لیے تھی تو کسی کی الحاق ہندوستان کے لیے۔

پاکستان نے بھی ہندوستان کی طرح ریاست جموں کشمیر کے لوگوں سے قول وفعل میں تضاد رکھا۔ 15 اگست کو مہاراجا ہری سنگھ سے معاہدہ قائمہ کیا۔ قبائلی حملہ کے ذریعے پھر اس کے مدمقابل متوازی حکومت کھڑی کر دی۔ جس کے نتیجے میں مہاراجا ہندوستان سے الحاق پر مجبور ہوا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کا مؤقف تھا کہ وہاں کے لوگوں کی اپنی حکومت ہے، مگر آج تک اس حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ سلامتی کونسل میں پاکستان قول و فعل کے تضاد کی وجہ سے کشمیر کے حوالے سے اپنا مقدمہ ہار گیا اور تمام فوجی، قبائلی، شہریوں کو ریاست جموں کشمیر سے واپس بلانے پر اتفاق کر لیا۔ بعدازاں 5 جنوری 1949ء کی قرارداد میں ہندوستان سے اس بات پر بھی اتفاق کیا کہ ریاست کے لوگ ہندوستان سے الحاق کر سکتے ہیں، مگر آزاد نہیں رہ سکتے۔ یوں پاکستان اپنے مؤقف کہ ''وہاں کے لوگوں کی اپنی حکومت ہے'' سے دستبردار ہو گیا۔

28 اپریل 1949ء کو جبراً ایک معاہدہ کر کے ریاست جموں کشمیر کا ایک بڑا حصہ اپنے پاس رکھ لیا۔ الحاق پاکستان کے لیے پاکستانی حکمرانوں نے مہاراجا ہری سنگھ سے بدعہدی کر کے جو متوازی حکومت کھڑی کی، آج تک اس حکومت سے آزادی کے نام پر الحاق کا کام لیا جا رہا ہے۔ پاکستان نے پہلی غلطی کو چھپانے کے لیے جو مؤقف اختیار کیا تھا کہ ریاست جموں کشمیر کے اُس حصے (آزاد کشمیر، گلگت بلتستان) میں وہاں کے لوگوں کی اپنی حکومت ہے، پر قائم ہو کر ریاست کے لوگوں کا ساتھ دے تو آزادی چند دہائیوں میں ممکن ہے۔''

خود مختار کشمیر اور پاکستان

کیا خود مختار کشمیر پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے؟ یہی وہ سوال ہے جس پر پاکستان کی سیاسی جماعتوں، فیصلہ ساز قوتوں، دانشوروں سے مذاکرے کی ضرورت ہے۔ اگر خود مختار کشمیر پاکستان کے لیے نقصان دہ ہے تو جموں کشمیر لبریشن فرنٹ سے پاکستان نے مسلح جدوجہد میں حمایت کیوں کی؟ کیا یہ حمایت دوہرا معیار تھا کہ کشمیریوں کی قیمت پر ہندوستان کو مصروف رکھا جائے۔ خود مختار کشمیر کا لٹریچر خود مختاری کے لیے اسلحہ پاکستانی فوج کی گاڑیوں میں کیوں جاتا رہا؟ پاکستان کے پڑھے لکھے لوگ، قابل سیاستدان، دانشور کہتے ہیں کہ خود مختار کشمیر کی تحریک ہندوستان کی پشت پناہی سے چل رہی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جے کے ایل ایف کی خود مختار کشمیر کی ابتدائی تحریک آئی ایس آئی کے تعاون سے شروع ہوئی۔ آئی ایس آئی نے کشمیر لبریشن سیل کا جو ادارہ قائم کیا، اس کا ریکارڈ گواہ ہے کہ وہاں سے امان اللہ خان اور دیگر کئی خود مختاریوں کو جلسے، جلوس اور ریلیوں کے لیے

بھاری امداد ملتی رہی ہے۔ یاسین ملک سمیت خود مختار کشمیر کی سوچ رکھنے والے کئی لیڈروں کو آئی ایس آئی امداد دیتی رہی ہے۔ آج بھی خود مختار کشمیر کی سوچ رکھنے والے کئی لیڈر پاکستان سے امداد لیتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ خود مختار کشمیر کی سوچ رکھنے والے بھارتی خفیہ ایجنسیوں سے امداد لیتے ہیں۔ دراصل الحاق نوازوں کی طرح کچھ خود مختاریوں کو بھی دونوں ممالک کی ایجنسیوں نے بھاری تنخواہوں کے عوض خرید رکھا ہے۔ درجنوں ایسے کشمیری قائدین ہیں جو خود مختار کشمیر کے نظریے کو اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن نہ تو ''آئی ایس آئی'' کے ایجنڈے پر ہیں، نہ ''را'' کے ایجنڈے پر۔ اُس پار بھی درجنوں ایسے شفاف قوم پرستوں کو شہید کیا گیا جو خریدے نہ جا سکے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خود مختار کشمیر پاکستان کے مفاد میں ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے پاس پانی کے وسیع ذخائر ہیں۔ یہ پانی زیر زمین پٹرول نہیں کہ ختم ہو جائے۔ دنیا کے بلند ترین پہاڑی سلسلوں کی حامل ریاست جموں کشمیر میں گرنے والی برف پاکستان کی زراعت اور توانائی (بجلی) کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے لوگ پاکستان کے بہترین دوست ہو سکتے ہیں یا ہندوستان کے؟

ریاست کا پانی ویسے بھی ضرورت سے 100 گنا زائد ہے، جو پاکستان کے لیے کارآمد ہے، جو دریا سندھ طاس معاہدے کے ذریعے ہندوستان کے پاس ہیں، ریاست جموں کشمیر کے خود مختار ہونے سے ان کا پانی بھی پاکستان استعمال کر سکتا ہے۔

سینٹرل ایشیاء کے ساتھ تجارت کے لیے ریاست جموں کشمیر واحد راستہ ہے۔ پاکستان کی گوادر کی بندرگاہ کی کامیابی کا انحصار ریاست جموں کشمیر سے گزرنے والے راستے پر ہے۔ ریاست میں 1 لاکھ میگا واٹ بجلی پیدا ہو سکتی ہے۔ پاکستان کی توانائی کی تمام تر ضروریات جموں کشمیر سے پوری ہو سکتی ہیں۔

پاکستان کے سیاستدان، فوج اور دانشوروں کو اس بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہوگا کہ ان کے پڑوس میں ایک مکمل آزاد اور خود مختار مسلمان ملک ان کے مفاد کے لیے بہتر ہے

یا

اس ملک کا آدھا حصہ اپنے قبضے میں رکھ کر زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے۔

ویسے بھی اقوام متحدہ کی قراردادوں میں پاکستان نے یہ تسلیم کیا ہوا ہے کہ اسے اپنی ساری فوج اس خطہ سے نکالنا ہوگی۔ پاکستان کی طرف سے اس خطہ سے دست برداری پر اتفاق تو کر دیا گیا ہے، تو کیوں نہ بھارت کی عملداری سے قبل یہ خطہ اس دھرتی کے اصل وارثین کے حوالے کر کے پاکستان اپنے بہتر مفاد کے لیے آگے بڑھے۔ اگر رائے شماری ہوتی ہے تو ہندوستان کی اس وقت جو فوج ہے وہ اس میں سے بڑا حصہ کشمیر سے نکالے گا۔ اگر یہ سات لاکھ فوج ہو تو بڑا حصہ تین لاکھ اکیاون ہزار شمار ہوگا۔ کیونکہ اقوام متحدہ کی قرارداد میں بھارت کو فوج کا ایک بڑا حصہ نکالنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یہ فیصلہ رائے شماری کے وقت موجود فوج پر ہوگا۔ اس کے بعد جو حالات ہوں گے وہ پاکستان کے کنٹرول میں نہیں ہوں گے۔ مذہب تبدیل ہو سکتا ہے مگر جب تک جغرافیے تبدیل نہ ہوں ملکوں کے پڑوسی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے قبل از وقت پڑوس کے متعلق دانشمندی سے ایسے فیصلوں میں پہل ضروری ہے جو مستقبل کے لیے فائدہ مند ہوں۔

آزادی کی خواہش کی دوسروں سے امید

آزاد کشمیر کی سیاسی قیادت ہو، حریت لیڈر شپ ہو یا کچھ قوم پرست سیاستدان، ان سب کی یہ عجیب خواہش بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ اقوام متحدہ انہیں آزادی دلوائے، عالمی برادری انہیں آزادی دلوائے، امریکہ انہیں آزادی دلوائے، یورپی یونین انہیں آزادی دلوائے، امت مسلمہ انہیں آزادی دلوائے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم آزادی کے لیے کچھ نہ کریں اور دنیا کی کوئی قوم اٹھے، کوئی یونین آگے بڑھے اور ہماری آزادی کی جنگ لڑے۔ ہماری آزادی کے لیے ہندوستان اور پاکستان سے لڑے۔ آزادی کے لیے قوموں کو ذہنی طور پر تیار کرنا پڑتا ہے۔ مسئلہ کشمیر دراصل منافع بخش صنعت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مذہبی جماعتوں کی چندہ مہم تحریک آزادی کے نام پر، منقسم کشمیر کے حکمران طبقہ کے اقتدار کا راستہ تحریک آزادی، متاثرین مسئلہ کشمیر جنہیں بھارتی مقبوضہ کشمیر سے پاکستان کے زیر انتظام کشمیر آتے ہی مہاجر بنا دیا گیا ہے، اب اس صنعت میں خام مال کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں۔ جہاں جلسہ ہو، وہاں یہ لوگ دیہاڑی پر بلائے جاتے ہیں۔ یہ سارے لوگ وطن کی آزادی کی خاطر متاثر ہوئے۔ انہیں بھکاری بنا دیا گیا ہے۔ اور اب بوجھ سمجھا جا رہا ہے۔ آزاد کشمیر کے سیاستدان ان کے نام پر کروڑوں روپے چندہ لیتے ہیں۔ کچھ نے تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں۔ آج تک ان لوگوں کی باعزت آبادکاری نہ ہو سکی۔ دوسری طرف آزاد کشمیر کے حکمرانوں کے لیے بھی آزادی کی تحریک بارگیننگ کا موثر پلیٹ فارم ہے۔ جب کبھی کسی کو اقتدار سے اتار دیا جاتا ہے تو تحریک آزادی کو نقصان ہو جاتا ہے۔ قوم پرست طبقہ کے لیڈروں کی ایک بڑی تعداد نے نیشنل ازم کے نام پر اپنی اپنی دکانیں کھول رکھی ہیں۔ چند لوگ اکٹھے کیے، سڑک کے درمیان کھڑے ہو کر مظاہرہ کیا، ویڈیو اور تصویریں بنائیں، اخبارات میں خبر تصویر سمیت لگ گئی۔ اور اس پر چندہ مہم شروع۔ بیرون ملک بیٹھی ہوئی قوم پرست قیادت ایک عرصہ سے یہی کاروبار کیے ہوئے ہے۔ البتہ جو عام کارکن ہے وہ مخلص ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے جنہیں آزادی چاہیے، جو خود اس تحریک کے سب سے بڑے فریق ہوں وہ اس تحریک کو کاروبار بنالیں، کوئی کام سنجیدگی سے نہ کریں، شہرت اور دولت کے لیے ساری مشق کی جائے تو آزادی کیسے ملے گی؟ قوم پرست طبقہ جو حقیقی آزادی کا علمبردار ہے، وہ آج تک قوم کی نظریاتی بنیادوں پر تربیت کے لیے ابتدائی اینٹ نہیں رکھ سکا۔ ریاست کے لوگوں سے تاریخ چھین لی گئی ہے۔ نصاب چھین لیا گیا ہے۔ اربوں روپے کے اثاثوں کے مالک قوم پرست کوئی تعلیمی ادارہ نہیں بنا سکے۔ حقیقی آزادی کی ترجمانی کرنے والے ذہن بیدار کرنے کے لیے نصاب مرتب نہیں کر سکے۔ جو توانائی، جو وقت قوم کی راہنمائی، معاشی، معاشرتی حالت بہتر بنانے، آزادی کی سمت کا تعین اور قوم کو تیار کرنے کے لیے استعمال ہونا چاہیے، وہ ایک دوسرے کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ ایک دوسرے پر الزام، جوڑ توڑ کو قوم پرستی سمجھا گیا۔ اور پھر انتہائی سطحی سوچ کے ساتھ دُنیا کے سامنے یہ مطالبہ رکھ دیا جاتا ہے کہ ہمیں آزادی دلواؤ۔

میڈیا کے تمام میڈیم کو قوم کی تربیت کے لیے استعمال کرنے میں ہم بحیثیت قوم ناکام ثابت ہوئے۔ اعلیٰ کوالٹی کا شربت ہیرے جڑے پیالے میں پینا چاہتے ہیں، مگر مانگ کر۔ الحاق نواز ہندوستانی ہیں یا

پاکستانی، کشمیری نہیں۔مگرقوم پرستوں کی ایک بڑی تعداداب ہندوستانی اور پاکستانی ہوچکی ہے۔کوئی پاکستان کے سہارے آزادی مانگ رہاہے، کوئی ہندوستان کے سہارے آزادی مانگ رہا ہے۔ مذہبی سوچ رکھنے والے امت مسلمہ سے کشمیر کی آزادی مانگ رہے ہیں۔ کچھ یورپ اورامریکہ سے آزادی مانگ رہے ہیں۔ دوسرے سے امید وابستہ رکھ کرخود کچھ نہ کرنے کی روایت کی وجہ سے آج 67 سال بعدہم اُسی جگہ کھڑے آزادی مانگ رہے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آزادی چھین کرملتی ہے۔اسے پلیٹ میں رکھ کرکوئی پیش نہیں کرتا۔

تنازعۂ کشمیر کے حل کے لیے ریاست جموں کشمیر کی نمائندگی کا سوال

جب کبھی ایسے حالات پیدا ہوں کہ تنازعۂ کشمیرحل کرنا پاکستان، ہندوستان، ریاست کے پڑوسی مما لک، چین اورروس اور عالمی برادری کی مجبوری بن جائے،اس وقت ریاست کی نمائندگی کون کرے گا؟ الحاق پاکستان کی دعویدار آل جموں وکشمیر مسلم کانفرنس؟ الحاق ہندوستان کی دعویدار نیشنل کانفرنس؟ جماعت اسلامی ریاست جموں کشمیر؟ ریاست میں قائم ہندوستان اور پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی شاخیں؟ آل پارٹیز حریت کانفرنس؟ یا آزادی پسند جماعتیں؟ چونکہ منقسم ریاست جموں کشمیر کی منتشر الخیال قوم میں ہر ایک نمائندگی کا دعویدار ہے۔ ہر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اس کی سوچ ریاست کے لیے بہتر ہے۔اسی سوچ کے تحت ہر ایک نمائندگی کے لیے آگے بڑھے گا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نمائندگی کا اصل حقدار کون ہے؟ اورنمائندگی کے اس حق کے لیے میرٹ کیا ہے؟

اگر زمینی حقائق کو دیکھا جائے تو منقسم ریاست کے دونوں حصوں کی وہ جماعتیں جو ہندوستان اور پاکستان کی سیاسی جماعتوں کی شاخیں ہیں، وہ کسی بھی پلیٹ فارم سے کشمیریوں کی اجتماعی نمائندگی کی حقدار نہیں۔ مسلم کانفرنس، ن لیگ آزاد کشمیر، پاکستان پیپلز پارٹی آزاد کشمیر، جمعیت علمائے اسلام، جماعت اسلامی، متحدہ قومی موومنٹ، تحریک انصاف، بی جے پی، کانگریس اور دیگر تمام سیاسی جماعتیں چونکہ اپنی مرکزی ہندوستانی اور پاکستانی سیاسی یا مذہبی جماعتوں کی نمائندہ ہیں اور ان کے نظم کی پابند ہیں، کیونکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کا کشمیر پر الحاق کا دعویٰ ہے۔اس لیے ان مما لک کی کوئی بھی ایسی سیاسی جماعت ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کے حوالے سے کسی بھی حتمی فیصلے میں کشمیریوں کی نمائندگی نہیں کرسکتی۔ دوم الحاق نواز ریاستی جماعتیں چونکہ الحاق پاکستان اور الحاق ہندوستان کی علمبردار ہیں اور دونوں مما لک کو اپنے اختیارات تفویض کر چکی ہیں۔ تنازعۂ کشمیر جب اقوام متحدہ میں گیا تو اس وقت الحاق نواز جماعتوں کی نمائندگی پاکستان اور ہندوستان نے کی ہے، لہٰذا مذاکرات کی میز پر ان جماعتوں کی نمائندگی پاکستان اور ہندوستان نے کی تھی اور آج تک کر رہے ہیں۔حریت کانفرنس کشمیر کی آزادی کی بات ضرور کرتی ہے لیکن حریت میں شامل زیادہ تر جماعتوں کی آزادی کی جدوجہد بھارت کے خلاف ہے۔آزاد کشمیر یا پاکستان میں قائم حریت کانفرنس میں شامل جماعتوں کی آزاد کشمیر برانچ کے سربراہوں نے کبھی پاکستان کے خلاف جدوجہد نہیں کی جس سے یہی مراد لی جاسکتی ہے کہ یہ جماعتیں

اپنے اختیارات پاکستان کو تفویض کر چکی ہیں یا ان کا الحاق پاکستان پر اتفاق ہے۔ حریت کانفرنس کے منشور میں بھی یہ درج ہے کہ ہندوستانی آئین کے اندر کوئی حل قبول نہیں، لہذا مذاکرات کی میز پر پاکستان ہی ان کا نمائندہ ہوگا۔ ایسی صورت میں حریت کی وہ جماعتیں جو کسی ایک طرف جھکاؤ رکھتی ہیں، کسی بھی حتمی مذاکراتی عمل میں کشمیریوں کی نمائندگی کا حق نہیں رکھتیں۔ ریاست جموں کشمیر کے لوگ اسی لیے بنیادی فریق ہونے کے باوجود تنازعۂ کشمیر کے فریق نہیں کہ تقسیم برصغیر کے بعد جب کشمیر تقسیم ہونے کے بعد مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ میں پیش ہوتا ہے اس وقت نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس نے اپنی قوم کی نمائندگی خود کرنے کے بجائے ہندوستان اور پاکستان کو دے دی۔ یوں آج تک جس قوم کا مسئلہ ہے وہ بنیاد فریق ہونے کے باوجود فریق نہیں۔ اس وقت جس آزادی یا حق خودارادیت پر تنازعہ ہے، ان دونوں جماعتوں اور ان کے نمائندوں (پاکستان اور ہندوستان) کی سوچ ایک ہے۔ دونوں جماعتوں کی آزادی کا نام الحاق ہے، جو آزادی کے حقیقی معنوں پر پورا نہیں اترتا۔ ایسی صورت میں تنازعہ کشمیر کے حل کے لیے ریاست کے اندر ان لوگوں کو مطمئن کرنا ضروری ہوگا جنہوں نے آج تک اپنی آزادی اور اپنے مستقبل کے تعین کے اختیارات اپنے پاس رکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ تنازعۂ کشمیر کا حل حقیقی امن کے بنیادی تقاضے پورے کرنے سے مشروط ہے، یہ امن ایسی صورت میں قائم ہوسکتا ہے جب آزادی پسند مطمئن ہوں گے۔ یہ الحاق نواز جماعتیں جب ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کو مذاکرات میں شامل کرنے کی بات کرتی ہیں تو دراصل جھوٹ بول رہی ہوتی ہیں۔ ایک آدمی مکمل خودسپردگی کے اختیارات دے اور بعدازاں مطالبہ کرے کہ مجھے بھی شامل کرو تو اس کی کون سے بات تسلیم کی جائے گی۔

اب یہ آزادی پسندوں پر منحصر ہے کہ وہ اپنی جدوجہد کو کب ہندوستان اور پاکستان کی کشمیر پر قبضے کی خواہش سے طاقتور بنائیں کہ تنازعۂ کشمیر حل کرنا دونوں ممالک کی مجبوری بن جائے۔

تنازعہ کشمیر کے متفقہ حل کی بنیادیں:۔

غلاموں کی غلامی کی بنیادی وجہ غلاموں کا آزادی کے لیے اتحاد نہ ہونا ہے تنازعہ کشمیر کے معاملے میں بھی ریاست جموں کشمیر کی تمام سیاسی جماعتیں اپنے اپنے آزادی کے نسخے کے ساتھ موجود ہیں۔ جتنی جماعتیں ہیں اتنے ہی نسخے ہیں جس کے نتیجہ میں ہمارے ہمدرد اور خیرخواہ بھی پریشان ہیں کہ کس کی بات تسلیم کی جائے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ منقسم کشمیر کی تمام الحاق نواز یا خودمختار کشمیر کی حامل سیاسی جماعتیں چند بنیادی نکات پر متفق ہوں اور اسی کی روشنی میں اپنی جدوجہد جاری رکھیں۔ اس وقت لداخ گلگت بلتستان، جموں کا ہندو بیلٹ عملاً آزادی کی جدوجہد سے الگ ہیں اس طرح 84471 مربع میل میں سے آزادی کی تحریک عملاً سری نگر گردونواح اور آزاد کشمیر تک محدود ہے جو مجموع رقبے کا 18 سے 20 فیصد ہے۔ یوں اسی فیصد رقبہ میں موجود آبادی اس تحریک سے لاتعلق ہے اگر مناسب حکمت عملی اختیار نہ کی گئی تو تقسیم ریاست کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔ تاہم متفقہ حل کی کچھ بنیادیں سیاسی جماعتوں کی مختلف قراردادوں، اعلامیوں اور دساتیر کو سامنے رکھ کر طے کی جاسکتی ہیں۔

1۔ 24 اکتوبر 1947 کو سردار ابراہیم کی سربراہی میں بننے والی حکومت کا اعلامیہ

2۔ آزادی پسند جماعتوں کے دستور
3۔ آل پارٹیز حریت کانفرنس کا دستور، (قیام 1993 سری نگر)
4۔ دستور کشمیر لبریشن الائنس (قیام 1989 مظفر آباد)
5۔ اعلامیہ قومی کشمیر کانفرنس منعقدہ میر پور گلگت زیر اہتمام جماعت اسلامی آزاد کشمیر (اپریل 2004ء)
6۔ پرویز مشرف فارمولا

ان دستاویزات کے متفقہ نکات کچھ یوں ہیں

1۔ ریاست کی وحدت برقرار رہے۔ پاکستان اور بھارت کی موجودہ آئینی حدود کے اندر کوئی حل مسلط نہ ہو۔
2۔ ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کو بنیادی فریق کے طور پر شامل کیا جائے۔
3۔ استصواب رائے کے لیے ہندوستان اور پاکستان سے الحاق کے علاوہ تیسرا آپشن خود مختاری بھی رکھا جائے۔
4۔ استصواب رائے سے قبل منقسم کشمیر کے تمام حصے کے لوگوں کو آپس میں ملنے اور سیاسی سرگرمیوں کی آزادانہ اجازت ہو۔
5۔ ریاست جموں کشمیر کے تمام حصوں میں امن کے تمام تر بنیادی تقاضے پورے کیے جائیں۔

اگر کشمیر میں امن کے بنیادی تقاضے پورے ہو جاتے ہیں تو چند سال میں تنازعہ کشمیر حل ہو سکتا ہے تاہم بالغ نظر آزادی پسند لیڈر یہ سمجھتے ہیں کہ تنازعہ کشمیر اپنی پیچیدگیوں کی وجہ سے مرحلہ وار آہستہ آہستہ کچھ امور پر اتفاق سے حل ہوگا قابض فریقین کو کچھ رعایتیں دینا پڑیں گی۔ کچھ آزادی پسندوں کا یہ خیال کہ بھارت اور پاکستان یکدم ریاست جموں کشمیر چھوڑ دیں گے تقریباً ناممکن ہے دونوں ممالک کے مفادات ریاست جموں و کشمیر سے جڑے ہوئے ہیں دونوں ممالک کی اپنے اپنے زیر قبضہ حصوں ہیں بھاری سرمایہ کاری بھی کی ہوئی ہے۔ دونوں ممالک کے عوام کی 1947 سے لیکر آج تک ریاست جموں کشمیر کے حوالے سے اٹوٹ انگ اور شہ رگ کا دعویٰ کر کے جو ذہن سازی کی گئی ہے اس سے ریاست جموں کشمیر ہندوستان اور پاکستان کے عوام کے تناظر میں ایک جذباتی معاملہ ہے دونوں ممالک کے اندر کچھ انتہا پسند سیاسی جماعتیں اور پریشر گروپ اپنی سیاست کی آکسیجن بھی تنازعہ کشمیر سے لیتے ہیں دونوں ممالک کی بڑی سیاسی جماعتیں انتخابات میں تنازعہ کشمیر کو اپنے منشور کا باقاعدہ حصہ بناتی ہیں۔ ان تمام عوامل اور سوچوں کو اسی صورت میں شکست ہو سکتی ہے جب تنازعہ کشمیر کو حل کرنے کی ضرورت یا آزادی پسندوں کی عوامی تحریک ان تمام امور سے طاقتور ہو جائے۔ ایسا فی الوقت ممکن اس لیے نہیں کہ ہمارے قومی آزادی کے حقیقی سوال کی سوچ کے مقابلے میں دونوں حصوں کی الحاق نواز قوتوں کی پشت پر ہندوستان اور پاکستان موجود ہیں ان ممالک کے حکمرانوں کو ریاست کے باسیوں سے نہیں

ریاست کی زمین اور وسائل سے دلچسپی ہے مگر متفقہ حل کی جو بنیادیں ہیں ان پر اگر اتفاق ہو جائے تو تنازعہ کشمیر کا حل نکل سکتا ہے۔

وسائل اور حق خودارادیت

کسی بھی حتمی حل سے قبل منقسم ریاست جموں کشمیر کی تمام حکومتوں کو اپنے وسائل کو حق خودارادیت سے مشروط کرنا ہوگا۔ غلامی اور تقسیم کی وجہ سے ہم ہندوستان اور پاکستان کی کالونی کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ ریاست کے وسائل کا دس فیصد ریاست کے لوگ استعمال نہیں کر رہے۔ تمام قدرتی وسائل کی آمدن دہلی اور اسلام آباد کو مل رہی ہے۔ نتیجتاً ریاست کے لوگ غریب سے غریب تر ہو رہے ہیں۔ یہ عالمی قانون ہے جس خطہ کے وسائل ہوں سب سے پہلے ان پر وہاں کے لوگوں کا حق ہے آزادکشمیر میں 1967 میں میر پور ڈیم مکمل ہوا آج تک آزادکشمیر حکومت سے کوئی معاہدہ نہیں کیا گیا اس کے علاوہ درجنوں بجلی پیدا کرنے والے منصوبوں کی تعمیر پر آزادکشمیر حکومت سے فی الوقت کوئی معاہدہ نہیں۔ آزادکشمیر کے ضلع میر پور کے لوگ میر پور جھیل سے پانی نہیں لے سکتے اس سلسلہ میں پاکستان کے ایک صوبے سندھ کے وزیراعلیٰ نے آزادکشمیر کی حدود کے اندر موجود پانی پر ملکیت کا دعویٰ کر دیا اور آزادکشمیر حکومت کچھ نہیں کر سکی۔ ریاست جموں کے صوبہ گلگت بلتستان سے نکلنے والے دریائے سندھ پر تربیلہ ڈیم تعمیر کیا گیا مگر گلگت کے لوگوں کو آبیانہ تک نہیں دیا گیا دیا میر ڈیم کو بھاشا ڈیم کا نام دے کر پاکستانی صوبہ خیبر پختونخواہ کی ملکیت ظاہر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ آزادکشمیر پاکستان کے آئین کے تحت پاکستان کا حصہ نہیں۔ جب میر پور ڈیم کی رائلٹی کی بات کی جاتی ہے تو کہا جاتا ہے آپ ہمارا حصہ نہیں لیکن واپڈا کا جب جی چاہتا ہے آزادکشمیر کے پانیوں پر قبضہ کر کے ہائیڈل پراجیکٹ کی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ نیلم جہلم اور کوہالہ پراجیکٹ سے 2000 میگا واٹ سے زائد بجلی پیدا ہوگی۔ مگر اس سلسلے میں آزادحکومت سے معاہدے کی بات تک کرنا تادم تحریر گوارہ نہیں کیا گیا۔ بھارت کے زیر قبضہ کشمیر میں بھی یہی صورت حال ہے بجلی پیدا کرنے کے منصوبوں کے منافع کا معمولی حصہ وہاں کے لوگوں کو دیا جاتا ہے باقی بجلی دہلی لے جاتا ہے جنگلات معدنیات پر دونوں ممالک قابض ہیں اگر کوئی اس معاملے میں آواز اٹھائے تو اس کی لاش ملتی ہے یا اسے غدار قرار دیا جاتا ہے۔ درختوں کی کٹائی جنگی طیاروں کی پروازوں اور اسلحہ کے مسلسل استعمال سے ریاست کے بلند ترین پہاڑی سلسلوں میں برف کی سطح مسلسل کم ہو رہی ہے جس سے ماحولیات پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں مگر دونوں ممالک کے جنگی جنون کی وجہ سے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی جا رہی۔ ہمالیہ میں برف کی کمی کے نقصانات ریاست کشمیر کے لوگ تو برداشت کریں گے خود دونوں ممالک کے لوگوں کو جو اذیت برداشت کرنا پڑے گی وہ اہل ریاست جموں کشمیر سے کئی گنا زائد ہے۔

شناخت کا مسئلہ

شناخت بنیادی طور پر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ دنیا کے کسی بھی خطے کے انسان کی شناخت اس کے وطن سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان اگر امریکی شہری ہو تو اسے مسلمان ہونے کے ناطے سعودی یا پاکستانی شہری نہیں

قرار دیا جا سکتا۔ مذہب کی بنیاد پر شناخت اپنی جگہ تاہم جدید دنیا میں کسی بھی فرد کی شناخت بحیثیت قوم اس کے وطن کی وجہ سے ہے۔ ملت اسلامیہ کی بات کی جائے تو پھر تمام ہندوستانی مسلمانوں کو سعودی عرب یا پاکستان کا شہری ہونا چاہیئے پاکستان میں بسنے والے ہندو بھارتی شہری کہلوائیں گے۔ ریاست جموں کشمیر کے بدھ، ہندو، سکھ ہوں یا عیسائی سب اپنی شناخت سے آج تک محروم ہیں۔ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں رہنے والوں کے پاس جو سفری دستاویزات ہیں وہ حکومت پاکستان کی ہیں لیکن پاکستان کے آئین کے مطابق ہم ریاست کے لوگ پاکستان کے شہری نہیں بالکل اسی طرح ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگ بھارتی حکومت کی سفری دستاویزات استعمال کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں اور بھارتی رہنماؤں کے رائے شماری کے وعدے کی تکمیل سے قبل وہ سفری دستاویزات کے حوالے سے بھارتی شہری ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر کے لوگ بیرون دنیا میں جہاں کہیں مقیم ہیں انھیں ہندوستانی اور پاکستان کہا جاتا ہے جب کہ یہ لوگ خود کو کشمیری نژاد بھارتی اور پاکستان کہلوانے پر مجبور ہیں تبت کے چند سو لوگ چائنی نژاد نہیں بلکہ تبّتی نژاد کہلاتے ہیں جبکہ ریاست جموں وکشمیر کے دونوں حصوں کے بیس لاکھ قریب لوگ دنیا بھر میں مقیم ہیں انھیں کشمیری نژاد نہیں لکھا جاتا نا دیدقو توں اور آزاد کشمیر کی قیادت نے متاثرین بھارت یا متاثرین جہاد کو جو اس ریاست کے پشتی باشندہ درجہ اول اور اس دھرتی کے وارث ہیں۔ سیز فائر لائن کے اس پار آتے ہی انھیں مہاجر قرار دے دیا عالمی سطح پر ہم اس ریاست کے دو کروڑ لوگ جو دنیا کے سو سے زائد ممالک سے بلحاظ آبادی بڑے ہیں اپنی شناخت سے محروم ہیں اس سلسلہ میں یورپ میں مقیم کشمیریوں نے کشمیری شناخت کا مقدمہ اٹھایا جس پر برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر سائمن ڈیمن چک نے برطانوی پارلیمنٹ میں کشمیریوں کی شناخت کی مقدمہ پیش کیا۔ پاکستان اور ہندوستان دونوں نے ہماری اس شناخت کی بیک وقت مخالفت کی جس طرح اقوام متحدہ کی قراردادوں میں الحاق پاکستان اور الحاق ہندوستان پر تو اتفاق کیا گیا ہمیں آزادی نہ دینے پر دونوں ممالک اکھٹے ہوئے گے جس طرح سندھ طاس معاہدے میں دونوں ممالک نے کشمیر کے پانیوں پر ایک دوسرے کا حق تسلیم کیا مگر ریاست کے لوگوں کا آج تک حق تسلیم نہیں کیا گیا حقیقت یہ ہے ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کو دونوں ممالک کے حکمران بھیڑ بکریاں سمجھتے ہیں مسئلہ ریاست جموں وکشمیر کے لوگوں کے مستقبل کا ہے اور فیصلہ کرنے کا اختیار دونوں ممالک نے اپنے پاس رکھا ہوا ہے اور ہمیں اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار اس لیئے نہیں کہ عالمی سطح پر ہماری کوئی شناخت نہیں۔

★★★

باب پنجم

تنازعۂ کشمیر کے حل کے لیے تجاویز، روڈ میپس اور کوششیں

تنازعہ کشمیر کے حل کے لیے گزشتہ 67 سال میں کئی حل پیش کیے گئے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ اقوام متحدہ کی قراردادوں پر زور دیا جاتا ہے، اقوام متحدہ کی پہلی قرارداد جو 13 اگست 1948ء کو منظور ہوئی کے مطابق ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا غیر مشروط حق ہے جبکہ 5 جنوری 1949ء کی قرارداد میں حق خودارادیت کے نام پر ریاست کے لوگوں کو پاکستان اور بھارت کا رائے شماری کے ذریعے انتخاب کرنا ہے۔ جبکہ شملہ معاہدے کی روشنی میں دونوں ممالک نے دوطرفہ بنیادوں پر قابل قبول حل پر اتفاق کیا ہے۔

کشمیر کی پوری ریاست کی ملکیت کا مدعی ہونے کے باوجود بھارت نے کئی بار لائن آف کنٹرول (LOC) کو مستقل بین الاقوامی سرحد بنانے کے لیے پاکستان کو پیش کش کی۔

اس وجہ سے بھی ساری ریاست پر ہندوستان کا دعویٰ ختم ہو جاتا ہے اور اس کی پوزیشن کمزور ہوئی ہے۔ جموں کشمیر ہندوستان کے دعوے کی بنیاد مہاراجا ہری سنگھ کی جانب سے کیا گیا عارضی الحاق تھا۔ جو فی الواقع ساری ریاست کے بارے میں تھا نہ کہ اس کے کچھ حصوں کے بارے میں۔ اس لیے اگر ہندوستان ریاست کی تقسیم قبول کر لیتا ہے یا موجودہ لائن آف کنٹرول کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کر لیتا ہے تو پھر اس الحاق کی قانونی حیثیت کیا رہ جاتی ہے؟

بھارت کی طرح پاکستان میں بھی اب کچھ عناصر لائن آف کنٹرول کی بنیاد پر تقسیم کشمیر کے لیے کوشاں ہیں۔ پھر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں ممالک کی طرف سے اٹوٹ انگ اور شہ رگ کا جو دعویٰ ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا کبھی شہ رگ یا اپنا کوئی انگ (جسم کا حصہ) کسی کو دیتا ہے۔ دراصل یہ قوم کی آزادی کا مسئلہ ہے کسی کی شہ رگ یا اٹوٹ انگ کا نہیں، بھارت اور پاکستان کے نزدیک اس تنازعہ کے بنیادی فریق (باشندگان ریاست جموں کشمیر) کی کوئی اہمیت نہیں اگر اہمیت ہے بھی تو صرف اتنی کہ ریاست کے لوگوں کو کس طرح تنازعہ کشمیر کے حوالے سے اپنے ساتھ رکھا جائے۔ دہلی اور اسلام آباد کے لیے تنازعہ کشمیر کے حوالے سے اپنے موقف سے دست بردار ہونے پر اپنے لوگوں کو مطمئن کرنا مشکل ہے، جب تک ہمیں آزادانہ اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع نہیں ملتا، سینکڑوں معاہدے اور فیصلے ہوں ان کی کوئی حیثیت نہیں، کسی بھی تنازعہ پر مختلف حل، تجاویز، روٹ میپ سامنے آتے ہیں، درج ذیل تجاویز بھی اسی سلسلہ کی کوششیں ہیں۔

چناب فارمولا

1960 میں پہلی مرتبہ چناب فامولا تجویز کیا گیا، چناب فارمولا کے مطابق ریاست جموں کشمیر کو مذہبی بنیادوں پر دریائے چناب کو حد بندی لائن بنا کر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تقسیم کرنا تھا اس فارمولے کے تحت مسلم اکثریت کا ایک بڑا علاقہ جو دو لاکھ مربع کلومیٹر سے زائد ہے پاکستان کا حصہ بنتا تھا جبکہ ہندوستان کو صوبہ جموں کے تین اضلاع ضلع جموں، اودھم پور، کٹھوعہ اور 9 تحصیلیں دیے جانے کی تجویز تھی، برطانوی نشریاتی ادارے برٹش براڈ کاسٹنگ کی رپورٹ کے مطابق لداخ کے کچھ علاقوں جو دریائے چناب کے شروع میں آتے ہیں سمیت تقریباً 5 ہزار مربع کلومیٹر ہندوا کثریت کا علاقہ ہندوستان کو ملنا تھا، پاکستان کے لیے یہ فارمولا انتہائی پرکشش تھا مگر ہندوستان اس پر راضی نہ ہوا، جن مذہبی بنیادوں کو مدنظر رکھ کر یہ فارمولا تجویز کیا گیا اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ہندوستان کے زیر قبضہ

علاقہ	ہندو	مسلمان	دیگر
وادی کشمیر	4 فیصد	95 فیصد	01 فیصد
جموں	66 فیصد	30 فیصد	04 فیصد
لداخ	بدھ 50 فیصد	46 فیصد	04 فیصد

پاکستان کے زیر قبضہ

علاقہ	مسلم	غیر مسلم
گلگت بلتستان	99 فیصد	01 فیصد
آزاد کشمیر	99 فیصد	01 فیصد

آئر لینڈ کی طرز کا حل:

بی جے پی کی مخلوط حکومت نے کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی دباؤ کم کرنے کے لیے آئرلینڈ کی طرز پر ریاست قائم کرنے کی تجویز اخبارات کے ذریعے پیش کی۔ جس کے مطابق:

- ☆ ریاست کا انتظام متناسب نمائندگی کی بنیاد پر قائم ہونے والی اسمبلی کرے گی جس میں جموں، کشمیر، لداخ، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے نمائندے ہوں گے۔
- ☆ حفاظتی انتظامات پاک بھارت مشترکہ سکیورٹی فورسز کریں گی یا بین الاقوامی فورسز کریں گی۔
- ☆ ایک پاک بھارت ورکنگ گروپ تشکیل دیا جائے گا جو کشمیر اسمبلی پر نظر رکھے گا۔
- ☆ کشمیر سے دونوں ممالک اپنی فوجیں نکال لیں گے اور مشترکہ فوجی نظام قائم کیا جائے گا۔
- ☆ دونوں ممالک اس آزاد خطے میں انسانی حقوق کے تحفظ، سیاسی سوچ، مذہب اور اظہار

رائے کی ضمانت دیں گے۔ (روزنامہ ''اوصاف'' 4 اپریل 1998ء)
(بالا تجاویز بھارت کے تمام بڑے اخبارات ٹائمز آف انڈیا، ہندوستان ٹائمز اور انڈین ایکسپریس نے شائع کی ہیں۔

انڈورا حل (Andora Solution):

انڈورا (Andora) فرانس اور سپین کے بارڈر پر ایک راجواڑہ قسم کی ریاست ہے جس پر دونوں (سپین اور فرانس) کا دعویٰ تھا۔ دونوں ممالک نے 1993ء میں ایک معاہدہ کیا اور انڈورا کو آزادی پر مبنی آئین بنانے کی اجازت دے دی اور اسے مکمل آزادی کے قریب قریب خودمختار رہنے کا حق دیا۔ جس کی وجہ سے انڈورا نے پارلیمانی جمہوریت اپنا لی لیکن ریاست کے برائے نام سربراہ کو نامزد کرنے کا حق فرانس اور سپین ہی کے پاس رہنے دیا۔

اس تجویز کے مطابق وادی کشمیر کو اس سطح کی خودمختاری دی جائے گی جس میں خارجہ پالیسی، دفاع اور مالی امداد ہندوستان اور پاکستان کی مشترکہ ذمہ داری ہوگی۔ نتیجہ کے طور پر کشمیر کے ساتھ ساتھ پاکستانی مقبوضہ کشمیر جس میں مسلمانوں کی اکثریت ہے کو بھی اس قسم کی حیثیت دی جائے گی جس کی اپنی پارلیمنٹ ہوگی۔ تاہم ہندوستان اور پاکستان ان ریاستوں میں اپنے اپنے نمائندے نامزد کریں گے۔ ان دونوں ریاستوں کے درمیان سرحدیں کھلی رہیں گی۔ جس کی وجہ سے جموں کشمیر تین حصوں (بمعنی تین فریقوں) میں تقسیم ہوگا۔

کچھ ماہرین کے مطابق پاکستان کے صدر ایوب خان اور ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے درمیان 1964ء میں اس قسم کا ایک معاہدہ تقریباً حتمی (Finalized) ہو چکا تھا۔ لیکن جواہر لعل نہرو کی وفات کے باعث اس پر عملدرآمد نہ ہو سکا)۔

کشمیر سٹڈی گروپ (کے ایس جی) کی تجویز (2 فروری 2005ء):

کے ایس جی سفارش کرتی ہے کہ سابق خودمختار ریاست جموں کشمیر کے مختلف حصوں کو از سرنو خودمختار حکومتیں دی جائیں اور اس لوگوں کو مختلف حصوں میں آنے جانے دیا جائے نیز ہندوستان اور پاکستان میں آنے جانے کی سہولتیں بھی فراہم کی جائیں:-

1۔ ہندوستان کے زیر انتظام کشمیر کی تین اکائیاں ...... کشمیر، جموں اور لداخ ...... یہ تین اکائیاں 1971ء کے اس جموں کشمیر میں تشکیل دی جائیں گی جو اب ہندوستان کے زیر انتظام ہے۔ یہ تینوں خودمختار اکائیاں مل کر ایک ایسے وجود (Body) کو جنم دیں گی جو ان کے مشترکہ مفادات سے تعلق رکھنے والے مسائل مثلاً اندرونی تجارت اور رسل و رسائل وغیرہ کو حل کرنے کے لیے رابطہ کا کام دے گی۔

2۔ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر اور شمالی علاقہ جات (گلگت بلتستان) جو اس وقت پاکستان کے زیر انتظام ہیں، میں بھی دو خودمختار حکومتیں تشکیل دی جائیں گی اور ان دونوں کو مربوط کرنے کے لیے ایک ایسا وجود (Body) قائم کیا جائے گا جو ان کے مشترکہ

مفادات کے متعلق مسائل کی دیکھ بھال کرے گا۔

3۔ اس کے علاوہ ایک کل جموں کشمیر ادارہ (Institution) بھی قائم کیا جائے گا جو پورے جموں کشمیر کے مشترکہ مفادات سے تعلق رکھنے والے مسائل مثلاً علاقائی تجارت، ٹورازم، ماحولیات اور پانی وغیرہ کے مسائل کو مربوط (Co-ordinate) کرے گا اس کے وجود یا ادارے (Institution) میں پانچوں خودمختار حکومتوں اور ہندوستان اور پاکستان کے نمائندے بھی شامل ہوں گے۔

ان ساری خود مختار (Self-governing) حکومتوں کے اپنے جمہوری آئین، شہریت، جھنڈے اور قانون ساز اسمبلیاں ہوں گی، جو دفاع اور امورِ خارجہ کے علاوہ تمام معاملات سے متعلق قانون سازی کے ذمہ دار ہوں گے، جبکہ یہ تمام حکومتیں اندرونی امن وامان قائم رکھنے کے لیے اپنی پولیس بھرتی کریں گی۔ ہندوستان اور پاکستان ان حکومتوں کے لیے مالی انتظامات کا تخمینہ بھی لگائیں گے۔

ان حکومتوں کے شہری ہندوستان اور پاکستان کے پاسپورٹ (اس کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ وہ لائن آف کنٹرول سے کس طرف رہتے ہیں) حاصل کرنے کے بھی حقدار ہوں گے۔ اگر یہ انتظام مناسب نہ سمجھا گیا تو وہ اپنی حکومت کی طرف سے جاری کردہ پاسپورٹ بھی استعمال کرسکتے ہیں جس پر ہندوستان یا پاکستان کی تصدیق ہوگی۔

ایسی حکومتوں کی سرحدیں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ کھلی رہیں گی تاکہ لوگوں، سامان اور خدمات کا بآسانی تبادلہ ہو سکے۔ تاہم اس طرح کے انتظامات ایک طرف ہندوستان اور پاکستان اور دوسری طرف متعلقہ خودمختار حکومت کے مابین طے ہوتے رہیں گے۔

چونکہ موجودہ لائن آف کنٹرول (LOC) اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک ہندوستان اور پاکستان اپنے باہمی مفادات میں اسے تبدیل کرنے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ البتہ دونوں ہندوستان اور پاکستان ان حکومتوں کی حدود سے اپنی اپنی فوجیں نکال دیں گے۔ ہندوستان اور پاکستان میں سے کوئی بھی اپنی فوج کو لائن آف کنٹرول (LOC) کے دوسری طرف ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر رکھ سکیں گے۔ بے گھر ہونے والے تمام افراد جو خواہ کسی بھی حصہ سے آئے ہوں، کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی اصل جگہ کو لوٹ سکیں۔

ایشیا سوسائٹی (Asia Society) کی تجویز:

ایشیا سوسائٹی کی ایک رپورٹ کے مطابق ہندوستان اور پاکستان مل کر سارے کشمیر کو مشترکہ طور پر کنٹرول کریں اور موجودہ لائن آف کنٹرول (LOC) کو بین الاقوامی سرحد (International Border) میں تبدیل کردیا جائے۔

کشمیر لبریشن الائنس کا روڈ میپ:

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں لبریشن فرنٹ کی طرف سے جولائی 1988ء میں مسلح جدوجہد آزادی شروع کیے جانے اور دسمبر 1988ء میں بھارتی وزیراعظم راجیو گاندھی کے دورہ پاکستان کے دوران مختلف الخیال

کشمیری تنظیموں کی طرف سے ان کے خلاف مشترکہ اور تاریخی مظاہرے کے بعد کشمیری قیادت محسوس کر رہی تھی کہ اسے متحد ہو جانا چاہیے تاکہ مقبوضہ کشمیر میں جاری مسلح جدوجہد آزادی کی عملی مدد کی جا سکے اس سلسلے میں خاصی تگ و دو کے بعد 26 جولائی 1989ء کو کشمیری تنظیموں کے سربراہوں کا ایک اجلاس راولپنڈی میں ہوا جس میں کئی گھنٹوں کے بحث مباحثے کے بعد کشمیر لبریشن الائنس (کے ایل اے) کے نام سے ایک اتحاد قائم ہوا اس اتحاد کے اغراض و مقاصد یہ تھے:

ا۔ کشمیریوں کے لیے اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق حق خود ارادیت کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا۔

۲۔ مقبوضہ کشمیر میں جاری مسلح جدوجہد آزادی کی ہر قسم کی مدد کرنا۔

۳۔ ریاست جموں کشمیر کی تقسیم کی ہر کوشش کو ناکام بنانا خواہ وہ کسی بھی طرف سے ہو۔

۴۔ گلگت بلتستان کو ریاست جموں کشمیر سے ہمیشہ کے لیے الگ کرنے کی ہر کوشش کو ناکام بنانا خواہ وہ کسی بھی طرف سے ہو۔

جن تنظیموں اور ان کے سربراہوں نے اس اجلاس میں شرکت کی اور فیصلے پر دستخط کیے ان میں (۱) آزاد کشمیر اور آل جموں کشمیر مسلم کانفرنس کے صدر سردار عبدالقیوم خان (۲) آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار سکندر حیات خان (۳) جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان (۴) جماعت اسلامی آزاد کشمیر کے امیر کرنل رشید احمد عباسی (۵) جموں کشمیر لبریشن لیگ کے صدر چوہدری شریف طارق (۶) تحریک عمل کے صدر جنرل محمد حیات خان (۷) آزاد مسلم کانفرنس کے صدر بیرسٹر چوہدری سلطان محمود (۸) جموں کشمیر محاذ رائے شماری کے صدر سعید شاہ نازکی (۹) جمعیت العلمائے اسلام آزاد کشمیر کے صدر مولانا محمد یوسف (۱۰) جمعیت العلمائے جموں کشمیر کے صدر صاحبزادہ عتیق الرحمٰن (۱۱) جمعیت اہل حدیث آزاد کشمیر کے صدر مولانا یونس اثری اور (۱۲) جمعیت المشائخ آزاد کشمیر کے صدر مولانا محمد صادق شامل تھے۔

ٹریسٹ فارمولا (Triest Formula):

اٹلی اور سابق یوگوسلاویہ کی ایک جمہوریہ سلووینیا (Slovnia) کے درمیان 1954ء میں دستخط ہونے والے ایک معاہدے کے مطابق ٹریسٹ (Triest) کے متنازعہ شہر (جنگ عظیم دوم سے شروع ہونے والا تنازعہ) کو دونوں ملکوں کے درمیان تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ موجودہ سرحد کے مطابق ہی تقسیم کیا گیا تھا۔ شہر کے رہنے والوں کو سرحد کے دونوں جانب آنے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس ماڈل کے مطابق ہندوستان صرف لداخ، جموں اور کچھ اور حصے اپنے پاس رکھ سکے گا۔ جبکہ وادیٔ کشمیر پاکستان کو مل جائے گی۔ اس طرح پاکستان کے پاس جموں کشمیر کا آدھے سے زیادہ آ جائے گا۔ کیونکہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان پہلے ہی پاکستان کے قبضے میں ہے۔ تاہم دونوں حصوں کے لوگ سرحد کے آر پار دونوں اطراف آ جا سکیں گے۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے امریکی فارمولا:

مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے امریکہ نے پاکستان اور بھارت کو ایک فارمولا بھیجا تھا جس کے مطابق:

۱۔ آزاد اور مقبوضہ کشمیر کی حکومتوں کو زیادہ خودمختاری دے کر کنٹرول لائن کھول دی جائے۔
۲۔ پانچ سال تک کشمیریوں کو آر پار جانے اور گفت وشنید ومیل جول کا موقع دیا جائے۔
۳۔ پانچ سال بعد دونوں حصوں میں آزاد وغیر جانبدار انتخابات کرائے جائیں۔
۴۔ منتخب ہونے والی دونوں اسمبلیاں باہم مل کر کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کریں۔
۵۔ بھارت کشمیر میں شہریوں پر فوج کشی بند کرے اور پاکستان مسلح جد وجہد کی حمایت نہ کرے۔(''جنگ''لندن 3اگست 1999ء)

ٹریک ٹو ڈپلومیسی:

''امریکی پالیسی ساز ادارے یوایس انسٹیٹیوٹ آف پیس نے مسئلہ کشمیر کو مشرق وسطیٰ کے مذاکرات کی طرز پر حل کرنے کے لیے ایک چار نکاتی فارمولا تشکیل دیا ہے جسے ٹریک ٹو ڈپلومیسی کا نام دیا گیا ہے۔ادارہ کے پروگرام آفیسر ڈاکٹر ٹیموتھی سسک نے یہ منصوبہ گزشتہ سال برسلز میں پیش کیا تھا۔اب اسے بھارت اور پاکستان کے سیاسی رہنماؤں کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلے مرحلہ میں بھارت کے زیر قبضہ اور پاکستان کے زیر قبضہ کشمیر کے چیدہ چیدہ رہنماؤں میں ڈائیلاگ شروع کر دیا جائے گا۔ یہ رہنما متحدہ کشمیر کے نمائندوں کی ایک غیر مذاکراتی ٹیم تشکیل دیں گے۔
۲۔ دوسرے مرحلہ میں متحدہ کشمیر کے نمائندوں اور بھارت میں مذاکرات ہوں گے جن کا ایجنڈا انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا خاتمہ، سیاسی قیدیوں کی رہائی اور کشمیر میں امن کا قیام ہوگا۔
۳۔ تیسرے مرحلہ میں پاکستان اور متحدہ کشمیر کے نمائندوں میں مذاکرات ہوں گے۔
۴۔ چوتھے مرحلہ میں پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات ہوں گے جن میں جنگ نہ کرنے کا معاہدہ شامل ہوگا۔

اس طرح ٹریک ٹو ڈپلومیسی کے تحت پاکستان، بھارت اور کشمیری نمائندوں کے درمیان ورکنگ ریلیشن شپ (Working Relationship) قائم کرنے کے بعد مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے مذاکرات شروع کروائے جائیں گے۔ یہ مذاکرات قاہرہ، برسلز، ویانا،لندن، واشنگٹن اور جنیوا کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی جاری رہیں گے۔اس بات پر اتفاق رائے قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ بھارت اور پاکستان دونوں اپنی فوجیں کشمیر سے نکالیں۔ سیاچن کو غیر فوجی علاقہ قرار دیا جائے۔متحدہ کشمیر میں ایک عبوری حکومت اور استصواب رائے اس پروگرام میں شامل ہوگا۔(روزنامہ ''جنگ'' 17 جولائی 1994ء)

یورپی سفیروں کی سفارشات:

اسلام آباد میں متعین یورپی ممالک کے سفیروں کا اجلاس منعقد ہوا جس میں کشمیر کی تازہ صورت حال

پر غور کیا گیا۔ اجلاس میں اتفاق رائے سے اس بات کا اظہار کیا گیا کہ کشمیر میں استصواب رائے کی صورت میں کشمیریوں کو پاکستان یا بھارت سے الحاق کے ساتھ خود مختاری کے حق میں رائے ظاہر کرنے کا اختیار بھی دیا جائے۔ عالمی رائے عامہ زیادہ مؤثر انداز میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں، اس غرض کے لیے اقوام متحدہ کی قراردادوں میں ترمیم عمل میں لائی جائے۔ (روزنامہ ''جنگ'' 18 اکتوبر 1994ء)

امریکی کشمیر سٹڈی گروپ کی تجویز:

امریکہ کے کشمیر سٹڈی گروپ نے نئی تجویز پیش کی کہ لائن آف کنٹرول کی حیثیت برقرار رکھتے ہوئے کشمیر کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا جائے جس کے تحت مجوزہ طور پر 2 حصے پاکستان کی حکمرانی اور تین حصے بھارت کی زیر نگرانی ہوں گے جبکہ پاکستان اور بھارت ان پانچ حصوں کے دفاع اور خارجہ امور کے ذمہ دار ہوں گے۔ کشمیر سٹڈی کی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ان پانچ حصوں میں جموں کشمیر اور لداخ جو بھارت کے قبضے میں ہیں اور آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات جو پاکستان کی نگرانی میں ہیں شامل ہیں اور یہ پانچوں حصے مکمل طور پر آزاد، اپنے جھنڈے، شہریت اور پاسپورٹ کے حامل ہوں گے۔ کشمیر سٹڈی گروپ کے کشمیری نژاد امریکی فاروق کاٹھواری، جو سرینگر میں پیدا ہوئے تھے، نے گروپ کے 25 ارکان کو ایک خط کے ذریعے بتایا کہ دورہ نئی دہلی کے موقع پر اس نئی تجویز پر مثبت ردعمل کا اظہار کیا گیا ہے جبکہ دورہ پاکستان کے دوران بھی صدر، وزیراعظم اور وزیر خارجہ سے علیحدہ علیحدہ ملاقاتیں کی ہیں۔ فاروق کٹھواری نے دعویٰ کیا ہے کہ انہوں نے ایل او سی کے دونوں اطراف کی کشمیری قیادت کے ساتھ اس تجویز پر مباحثے کیے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق تجویز میں پانچ حصوں میں اندرونی تجارت اور ٹرانسپورٹ کے متعلقہ امور کو چلانے کے لیے کمیٹیاں بنائی جائیں گی جبکہ ایک آل کشمیر باڈی بنائی جائے گی جو وسیع تر انداز میں علاقائی تجارت، سیاحت، ماحول اور پانی کے وسائل کے علاقوں کی نگرانی کرے گی۔ پانچوں حصوں کا اپنا قانون، جھنڈا، شہریت اور جمہوری ادارے ہوں گے جبکہ ان حصوں کے شہریوں بھارتی یا پاکستانی پاسپورٹوں کے تحت نشاندہی کی جائے گی یا تصدیق کے لیے بھارت اور پاکستان کی طرف سے اپنے حصہ کا پاسپورٹ بھی استعمال کر سکتے ہیں اور بھارت اور پاکستان کے ساتھ لگنے والی سرحد کو لوگوں، اشیاء اور خدمات کے لیے کھول دیا جائے گا تجویز میں مزید بتایا گیا ہے کہ ایل او سی اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک پاکستان اور بھارت اس پر کوئی فیصلہ نہیں کر لیتے لیکن دونوں ممالک کو کشمیر کے پانچوں حصوں سے فوجوں کا انخلاء کرنا ہوگا۔ اور کشمیر سے دوسرے علاقوں میں ہجرت کرنے والے افراد کو واپس اپنے آبائی علاقوں میں آنے کی اجازت ہوگی۔

کشمیر کی پانچ خود مختار ریاستیں -امریکی اور یورپی فارمولا:

مسئلہ کشمیر کا پائیدار حل تلاش کرنے کے لیے کشمیر کو پانچ خود مختار ریاستوں میں تقسیم کرنے کا ایک فارمولا تیار کر لیا گیا ہے۔ اس کے مطابق گلگت بلتستان، آزاد کشمیر، جموں، وادیٔ کشمیر اور لداخ کو خود مختار ریاستوں میں منقسم کیا جائے گا۔

یہ سب خودمختار ریاستیں اپنے شہریوں کو پاسپورٹ جاری کر سکیں گی۔

حریت کانفرنس کے انصاری گروپ نے اس کی حمایت کی ہے۔ بعض حلقوں کے مطابق ان ہی پانچ ریاستوں کو بعد میں ایک ملک میں بدل دیا جائے گا۔ کہا جاتا ہے کہ سردار عبدالقیوم نے یونائیٹڈ سٹیٹس آف کشمیر کی تجویز کی حمایت کی تھی۔

اس مسئلہ کے لیے لداخ، گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کی قیادت کو اعتماد میں لیا جائے گا اور پھر ہند پاک مذاکرات میں ان سب ریاستوں کے نمائندوں کو بھی شامل کیا جائے گا۔ (روزنامہ ''جنگ'' 26 جولائی 2005ء)

عبوری دور کے لیے ایک حل (ٹائمز آف کشمیر):

1997ء میں ہفت روزہ ٹائمز آف کشمیر نے مسئلہ کشمیر کے مستقل قابل قبول حل تک پہنچنے کے لیے ایک عبوری حل کا خاکہ تجویز کیا:

☆ لائن آف کنٹرول کے مشرقی علاقے جو حکومت ہند کے کنٹرول میں ہیں ان میں دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل کے سوا تمام امور میں ریاست کو مکمل اندرونی خود مختاری دی جائے اور اس کے تمام حصوں یعنی لداخ، کشمیر اور جموں کی اسمبلیاں قائم کر کے انہیں خود مختار بنا دیا جائے اور اس طرح ان تمام علاقوں میں جمہوریت کو عوام الناس کے دروازوں تک پہنچایا جائے۔

☆ لائن آف کنٹرول کے جنوب اور مغرب میں پاکستان کے زیر کنٹرول تمام علاقوں میں دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل کے سوا باقی تمام معاملات میں خود مختاری دی جائے۔ اس حصے میں بلتستان، گلگت اور آزاد کشمیر میں علاقائی اسمبلیاں قائم کر دی جائیں اور اس طرح جمہوریت Grass Root تک پہنچائی جائے۔

☆ دونوں جانب فوجوں کی واپسی عمل میں لائی جائے۔ دونوں جانب کے عوام کو صرف شناختی کارڈ دکھا کر دوسرے حصوں میں آنے جانے کی سہولت مہیا کی جائے۔

☆ دونوں حصوں میں آمد و رفت کے لیے بارہ مولہ مظفر آباد روڈ، جموں سیالکوٹ روڈ، نوشہرہ میرپور روڈ اور کرگل سکردو روڈ کھول دی جائیں۔

☆ دونوں حصوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک کونسل بنائی جائے جو باہمی مفادات کے معاملات پر غور کرتے رہیں اور تصفیہ طلب اور اہم فیصلے کرتے رہیں۔

اس عبوری دور کے لیے بھارت اور پاکستان کی حکومتیں اپنے اپنے زیر کنٹرول علاقوں کی ترقی کے لیے وافر فنڈز مہیا کرتی رہیں۔ (''ٹائمز آف انڈیا'' 10 اگست 1997ء)

یونائیٹڈ سٹیٹس آف کشمیر کا نظریہ

تحریک آزادی کے حوالے سے درپیش مسائل میں سب سے اہم سوال ریاست جموں کشمیر کا قومی

سوال ہے۔

یہ قومی سوال ہے ریاست جموں کشمیر میں آباد مختلف قومیتوں کے غصب شدہ حقوق کی بحالی کا مسئلہ، یعنی اس خطہ کے عوام کی آزادی اور خودمختاری کا مسئلہ۔

یہ آزادی اور خودمختاری کیسی ہو، ریاست میں آباد مختلف قومیتوں، جغرافیائی، نسلی ولسانی گروہوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو کس طرح یکجا کر کے، قومی آزادی کی تحریک میں شامل کیا جائے پھر اس کے نتیجہ میں جو آزادی ملے وہ ہندوستان اور پاکستان کے لوگوں کی آزادی کی طرح نہ ہو۔ ریاست کے لوگ آزادی کے نام پر کسی جاگیردار، کسی وڈیرے، کسی مخصوص علاقے کی غلامی میں نہ آجائیں۔ ریاست کے لوگوں کو ہندوستان اور پاکستان جیسے مسائل کا سامنا نہ کرنے پڑے۔ جہاں ایک قوم اپنی شناخت کے لیے قربانیاں دے رہی ہو اور اُسی ملکی جغرافیے کے اندر اسے دوسری قوم غدار قرار دے کر مار رہی ہو۔ دُنیا کے سینکڑوں ممالک کی طرح کشمیر بھی کثیر المذاہب، درجنوں قومیتوں کا خطہ ہے۔ ریاست کی جغرافیائی، لسانی اور مذہبی صورتحال کے پیش نظر یونائیٹڈ سٹیٹس آف کشمیر کا نظریہ یقیناً ایسا قابل قدر نظریہ ہے جس میں ریاست کے اندر آباد تمام قوموں کو یکساں حقوق ملیں گے۔ کہیں یہ نہیں ہوگا کہ سرینگر والے بہت اعلیٰ ہیں، جموں والے بلندی پر فائز ہیں، پونچھ اپنی تاریخ کے حوالے سے اونچے درجے پر ہے، گلگت اپنے ماضی کی وجہ سے سب سے بہتر ہے، بلکہ اس نظام میں سب برابر ہوں گے۔ ہر قوم کی اپنی ایک ریاست ہوگی۔ ہر ریاست کے نمائندوں کی تعداد وفاق میں برابر ہو گی۔ مشترکہ دفاع، مشترکہ کرنسی، مشترکہ خارجہ پالیسی اور دیگر اہم امور ایک باہمی برابری کی بنیاد پر معاہدے کے تحت وفاق کے تابع ہوں گے۔ دیگر تمام امور میں تمام قومیتیں خودمختار ہوں گی۔ یونائیٹڈ سٹیٹس آف کشمیر کے اس نظریہ کے تحت ریاست کے کسی بھی حصے یا قومیت کو جو احترام، وقار اور خوشحالی حاصل ہوگی، وہ نہ جموں اور لداخ کے لوگوں کو ہندوستان کے ساتھ شمولیت میں مل سکتی ہے، نہ گلگت بلتستان و آزاد کشمیر کے لوگوں کو پاکستان کے ساتھ شامل ہونے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ سات ریاستیں کون کون سی ہیں اور اس کے اندر کون کون سی قومیتیں آباد ہیں، صحافی، مصنف اور آزادی پسند راہنما شیراز کشمیری نے یونائیٹڈ سٹیٹس آف کشمیر کا جو نقشہ ترتیب دیا ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔

۱۔ لداخی قومیت

لداخی قومیت کے لوگ جس خطہ زمین پر آباد ہیں، اُسے لداخ کہا جاتا ہے، جو جغرافیائی تقسیم میں وسطی ایشیا میں واقع ہے۔ لداخ کے شمال میں قراقرم کا پہاڑی سلسلہ کوہ ہمالیہ جس کے عقب میں چینی ترکستان واقع ہے۔ مشرق میں تبت، شمال مغرب میں بلتستان اور جنوب مغرب میں کشمیر اور جموں کے علاقے ہیں۔ لیہ لداخ کا صدر مقام ہے۔ قراقرم، وسطی لداخ، لوبرا، زنسکار، روپ شوپ اور کرگل لداخ کے اہم علاقے ہیں۔ لداخ کا کوئی بھی حصہ سطح سمندر سے 8000 فٹ سے کم بلندی پر واقع نہیں۔ دریائے سندھ جس کی لمبائی 2880 میل ہے، تقریباً 600 میل کی مسافت وہ لداخ سے طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ لداخ کا رقبہ 33740 مربع میل ہے۔ امن وامان کی یہ صورتحال ہے کہ 1948ء سے 1963 تک لداخ میں قتل کا صرف

ایک واقع ہوا۔ اس قتل کیس کا جب فیصلہ سنایا گیا تو معلوم ہوا کہ قاتل غیر لداخی تھا۔

۲۔ پونچھی قومیت

پونچھ کا رقبہ 3254 مربع میل ہے، پونچھ کے مشرق میں جموں، شمال میں وادیِ کشمیر اور جنوب مغرب میں پاکستان واقع ہے۔ دریائے پونچھ اور دریائے بیتاڑ پونچھ کی سرزمین کو سیراب کرتے ہوئے دریائے جہلم میں جا گرتے ہیں۔ درہ پیر پنجال پونچھ کو وادیِ کشمیر سے ملاتا ہے۔

۳۔ ڈوگری قومیت

ڈوگرت (جموں) کا رقبہ 5104 مربع میل ہے۔ جموں میں سانبہ، رنبیر سنگھ پورہ، اکھنور، کٹھوعہ، ہیرانگر، بسولی، اودھم پور، رام نگر، ریاسی، گلاب گڑھ، بلاور قابل ذکر علاقے ہیں۔ درہ بانہال، رام بن اور بدرواہ کے علاقے جموں کے شمال میں واقع ہیں۔ جموں کے شمال مشرق میں کشتواڑ، جنوب میں پنجاب کے اضلاع اور شمال مغرب میں پونچھ واقع ہے۔ جموں کا صدر مقام تحصیل جموں ہے۔ دریائے چناب جموں کی تحصیل اکھنور سے ہوتا ہوا پنجاب میں داخل ہوتا ہے۔

٤۔ گلگتی قومیت

گلت کا رقبہ 11680 مربع میل ہے۔ گلگت کشمیر کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ گلگت کے شمال مشرق میں بلتستان، مغرب میں افغانستان اور شمال مغرب میں بروشال واقع ہے۔ گلگت دریائے سندھ کی اہم گزرگاہ ہے۔ درہ برزل اور درہ تراگ بل گلگت کو وادی کشمیر سے ملاتے ہیں۔

٥۔ بلتی قومیت

بلتستان کا رقبہ 10118 مربع میل ہے۔ یہ ہمالیہ اور قراقرم کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں چینی ترکستان، مغرب میں بروشال اور گلگت، مشرق میں لداخ اور جنوب میں وادی کشمیر واقع ہے۔ قطبین کے بعد دنیا کے سب سے بڑے گلیشیئر بلتستان میں واقع ہیں۔ سکردو اس کا صدر مقام ہے۔

٦۔ بروشسکی قومیت

ریاست ہائے بروشال کا رقبہ 8016 مربع میل ہے۔ بروشال کے مغرب میں کوہ ہندوکش اور شمال میں قراقرم کا طویل پہاڑی سلسلہ ہے، جن کے عقب میں افغانستان، تاجکستان اور عوامی جمہوریہ چین واقع ہیں۔ بروشال کے شمال مشرق میں بلتستان، جنوب میں گلگت اور جنوب مغرب میں چترال کے علاقے ہیں۔ بروشال کا صدر کریم آباد ہے۔ درہ خنجراب، عوامی جمہوریہ چین اور بروشال کو ملاتا ہے۔ شاہراہ ریشم اسی درے سے ہوتی ہوئی چین کو جاتی ہے۔

۷۔ کشتواڑی قومیت

کشتواڑ کا رقبہ 4020 مربع میل ہے۔ اس کا صدر مقام ڈوڈہ ہے۔ کشتواڑ کے مشرق میں لداخ، جنوب مغرب میں جموں اور شمال مغرب میں کشمیر واقع ہے۔ وادی کشمیر اور کشتواڑ کو درہ بانہال اور درہ ماربل آپس میں ملاتے ہیں۔ درہ بانہال چونکہ بلندی پر واقع ہے، اس لیے اس میں سارا سال برف رہتی ہے۔ وادی

اور کشتواڑ کو ملانے کے لیے ایشیا کی سب سے بڑی سرنگ بنائی گئی ہے۔

جے کے ایل ایف کی تجویز:

جے کے ایل ایف نے 11 ممبروں پر مشتمل بین الاقوامی کمیٹی تشکیل کرنے کی تجویز دی۔ جس کے مطابق ایک ایک نمائندہ یو این او، یو ایس اے، روس، فرانس، برطانیہ، چین، جرمنی، جاپان اور اسلامی کانفرنس سے لیا جائے گا۔ جبکہ دو نمائندے غیر جانبدار تحریک سے لیے جائیں گے۔ یہ کمیٹی تنازعۂ کشمیر کے حل کے دوران اس عمل کی نگرانی کرے گی جو پانچ مراحل سے گزرے گا۔ اس کی شروعات کے بعد سب سے پہلے:

1۔ معاہدہ ہوگا۔
2۔ سارے جموں کشمیر سے ہندوستان، پاکستانی اور دیگر بیرونی ممالک کے مسلح دہشت گردوں کو بے دخل کیا جائے گا۔
3۔ تمام کشمیری مسلح افراد کو بھی غیر مسلح کیا جائے گا۔
4۔ کشمیر کے دونوں حصوں کی درمیانی سڑکیں کھول دی جائیں گی۔ جس کے بعد ایک سیکولر اور جمہوری آئین فریم کرنے کے لیے وادی کشمیر، جموں، لداخ، موجودہ ''آزاد کشمیر'' اور گلگت بلتستان سے نمائندے منتخب کیے جائیں گے۔
5۔ پندرہ سال کے بعد یو این او کی نگرانی میں ایک ایسے ریفرنڈم کا اہتمام کیا جائے گا جس میں ریاست جموں کشمیر کے لوگ یہ فیصلہ کریں گے کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کریں گے یا مکمل آزاد اور خودمختار رہیں گے۔ یہ تجویز واضح طور مکمل آزادی کی جانب مائل معلوم ہوتی ہے۔

کے ایس جی (کشمیر سٹڈی گروپ) کی تجویز (1998ء):

کشمیر سٹڈی گروپ (کے ایس جی) کی تجویز اپنی ابتدائی شکل میں کشمیر کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا عندیہ دیتی ہے۔

1۔ ناردرن ایریاز (گلگت بلتستان) اور پاکستان کے زیر انتظام کشمیر کو پاکستان کے ساتھ
2۔ جموں اور لداخ کو ہندوستان کے ساتھ جبکہ،
3۔ وادیٔ کشمیر کو ریفرنڈم کے ذریعے آزاد حیثیت دی جائے گی (لیکن اقتدار اعلیٰ کے بعد)۔

چونکہ یہ تجویز ہندوستان میں شدید تنقید کا نشانہ بنی۔ اس لیے کے ایس جی نے اس تجویز کو تبدیل کر کے نئی شکل دی جس کے مطابق ''ریاست جموں کشمیر کے ایک حصے کو آزادی دی جائے (جو اقتدار اعلیٰ کے بغیر ہو گی) لیکن اس پر عمل درآمد بین الاقوامی نگرانی میں عوام کی خواہشات معلوم کرنے کے بعد کیا جائے گا۔ اس تصدیق کے بعد ہندوستان، پاکستان اور کشمیری عوام کے نمائندوں کے مابین ایک معاہدہ ہوگا جس کے ذریعے یہ تجویز سامنے لائی جائے گی تاکہ اس طرح وجود میں آنے والی ریاست کی آزادی کی ہندوستان، پاکستان اور

متعلقہ عالمی فورمز سے ضمانت حاصل کی جا سکے۔

نئی ریاست کا اپنا ایک سیکولر اور جمہوری آئین ہوگا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس کے عوام کی اپنی شہریت، جھنڈا اور قانون ساز اسمبلی ہوگی جو دفاعی اور خارجہ امور کے علاوہ ہر قسم کے قوانین بنانے میں آزاد ہوگی۔

اس ریاست کے دفاع کی ذمہ داری ہندوستان اور پاکستان کو دی جائے گی۔ تاہم اندرونی طور پر امن عامہ کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ریاست اپنی پولیس اور پیراملٹری (Para Military) کے دستے رکھ سکے گی۔ ہندوستان اور پاکستان سے یہ توقع کی جائے گی کہ وہ ریاست کے مالی امور کے معاملہ میں بھی اس کی راہنمائی کریں جس میں ریاست کی اپنی کرنسی بھی شامل ہوسکتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ کشمیر کی سرحد لوگوں کی آمدورفت، سامانِ تجارت کے تبادلہ اور دیگر خدمات کے لیے کھلی رہے گی۔ جو ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کی حکومت کے درمیان معاہدے کے تحت ہو سکے گا۔

موجودہ لائن آف کنٹرول (LOC) اس وقت تک اسی طرح برقرار رہے گی جب تک ہندوستان اور پاکستان اپنے مفادات کے تحت اسے تبدیل کرنے کا فیصلہ نہیں کرتے۔ البتہ دونوں ہندوستان اور پاکستان ان علاقوں سے اپنی فوج واپس بلا لیں گے اور یہ علاقے جموں کشمیر کی ریاست کے حصے میں آ جائیں گے۔ سوائے ان علاقوں کے جہاں ان ممالک کے لیے اپنی فوج رکھنا اس لیے ناگزیر ہوگا کہ انہیں اپنی دیگر فوج کے لیے انتظامی مدد فراہم کرنی ہوگی۔ لیکن ہندوستان یا پاکستان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کی اجازت کے بغیر لائن آف کنٹرول (LOC) کے دوسری طرف اپنی فوج نہیں اتار سکے گا۔"

لبریشن فرنٹ کے تین متبادل فارمولے:

جموں کشمیر لبریشن فرنٹ نے اکتوبر 1991ء میں مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے تین متبادل طریقے پیش کیے۔ یہ فارمولے مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) ریاست کے دونوں حصوں سے بھارت اور پاکستان کی افواج اور سول حکام کو واپس بلانے کے بعد ریاست کو دوبارہ متحد کر کے اسے ایک خاص مدت کے لیے اقوام متحدہ کی نگرانی میں دیا جائے۔ اس عبوری دور کے دوران ریاست میں پرامن سیاسی سرگرمیاں جاری رہیں اور بھارت نواز، پاکستان نواز اور آزادی نواز سیاسی حلقوں کو اس بات کی آزادی ہو کہ وہ پرامن طور سے اپنے نظریات کا پرچار کریں۔ مقررہ مدت کے بعد پوری ریاست میں اقوام متحدہ کی زیرنگرانی ہونے والے فرانسیسی طرز کے انتخابات کے ذریعے عوام سے پوچھا جائے کہ وہ ریاست کا پاکستان یا بھارت سے الحاق چاہتے ہیں یا مکمل آزادی اور ان تینوں میں سے جسے کل استعمال شدہ ووٹوں کے پچاس فیصد سے زیادہ ملیں اس کو مسئلہ کشمیر کا حتمی حل تسلیم کر کے اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔

(ب) ریاست کے جملہ علاقوں، مذاہب اور سیاسی طبقہ ہائے فکر کے اعتماد کے حامل تیس سے

پچاس زعماء کسی غیر جانبدار ملک میں مل بیٹھیں اور مسئلہ کشمیر کے جملہ پہلوؤں اور عوامی خواہشات کی روشنی میں مسئلے کو عوام کی آزادانہ طور پر ظاہر کی گئی خواہشات کے مطابق حل کرنے کے لیے کوئی قابل عمل فارمولا تیار کریں اور اس فارمولے کو بھارت، پاکستان اور عالمی برادری عملی جامہ پہنائیں اور اس کے نتیجے کو مسئلہ کشمیر کا حتمی حل تسلیم کیا جائے۔

(ج) بھارت، پاکستان اور کشمیریوں کے نمائندوں کے سہ فریقی مذاکرات اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوں جس میں مسئلہ کشمیر کو کشمیریوں کی آزادانہ طور پر ظاہر کی گئی خواہشات کے مطابق حل کرنے کے لیے کوئی فارمولا وضع کیا جائے اور اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ ان مذاکرات میں کشمیریوں کی نمائندگی تینوں سیاسی طبقہ ہائے فکر یعنی بھارت نواز، پاکستان نواز اور خودمختاری کے حامی 2:1:1 کی نسبت سے کریں۔

عارضی خود مختار حکومت کا قیام:

جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان نے راجہ مظفر سمیت اپنے کچھ ساتھیوں سے تفصیلی مشورے اور ڈاکٹر فاروق حیدر، سردار رشید حسرت سمیت کچھ ساتھیوں سے سرسری مشورے کے بعد 18 جون 1990ء کو ''عارضی حکومت خودمختار مملکت جموں کشمیر'' کے نام سے ایک حکومت کے قیام کا اعلان مظفرآباد میں ایک پرہجوم پریس کانفرنس میں کیا جس میں غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس حکومت میں بھارتی مقبوضہ کشمیر سے عبدالغنی لون شہید، عبدالحمید شیخ شہید، آسیہ اندرابی، آغا الموسوی المصطفوی، سردار اوتار سنگھ، اعظم انقلابی، بشیر احمد بٹ، بھوشن بزاز، ڈاکٹر کرن سنگھ، غلام نبی بٹ، (آنجہانی) پنڈت ہردے ناتھ وانچو، شہید ہلال احمد بیگ، جاوید احمد میر، میاں عبدالقیوم، میر واعظ عمر فاروق، محمد یاسین ملک، پروفیسر عبدالغنی بٹ، شبیر احمد شاہ، شکیل احمد بخش اور سید علی شاہ گیلانی آزاد کشمیر سے خود امان اللہ خان کے علاوہ ڈاکٹر فاروق حیدر، سردار شہید حسرت اور راجہ مظفر گلگت سے مظفر علی کو لیا گیا تھا اور فیصلہ ہوا تھا کہ آزاد کشمیر سے بہت سی آزادی پسند جماعتوں کے نمائندگان کو ان کے مشورے کے بعد عارضی حکومت میں شامل کیا جائے گا۔ ریاست سے باہر (یورپ، امریکہ) سے افضل جاتلوی، علی محمد خاجوال، اشرف صحاف، عظمت خان، ڈاکٹر ایوب ٹھاکر، ڈاکٹر پرویز میر، غلام نبی فائی، افتخار چوہدری، محمد حلیم خان، محمد عجیب، شبیر چوہدری، راجہ ظفر خان، ایم ایچ محبوب، مقصود غوری، عزیز عشائی، فاروق کاٹھواری، فاروق خان، رفیق خان، ایم اے حسین کو ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ عالمی سطح پر کام کریں۔ خود امان اللہ خان کو حکومت کے ترجمان اعلیٰ کے فرائض انجام دینے تھے تا وقتیکہ حکومت میں دیگر ہم خیال سرکردہ افراد کو شامل کر کے اسے پوری طرح منظّم کیا جاتا۔ عارضی حکومت خودمختار ریاست جموں کشمیر کے اعلان کو دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے (پاکستان کے علاوہ) بھرپور کوریج دی۔ خبر نشر ہوتے ہی دُنیا کے کونے کونے میں آباد کشمیریوں کی طرف سے مظفرآباد میں لبریشن فرنٹ کے دفتر (جسے عارضی حکومت کا ہیڈکوارٹر قرار دیا گیا تھا) میں فون پر مبارکبادیں دی جاتی رہیں۔ آزاد کشمیر و پاکستان بھر سے بھی مسلسل

فون آتے رہے۔ یہاں تک کہ آزاد کشمیر کے حکمران اور حزب اختلاف کے بہت سے راہنماؤں نے ذاتی حیثیت میں عارضی حکومت کے ذمہ داران کو مبارک باد دی۔ حکومت وقت کے دو وزراء نے عارضی حکومت کے دفتر میں جا کر مبارکباد دی۔ ایک تنظیم کے سربراہ عارضی حکومت کے دفتر جا کر خوشی سے ناچے۔ الغرض اس انقلابی اقدام کی خبر سے ہر طرف خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی تھی۔ مقبوضہ کشمیر میں بھی بجز ایک مخصوص حلقے کے جملہ آزادی پسند حلقوں میں خوشی کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ اس دوران مخصوص مفادات کے حلقے حرکت میں آ گئے اور انہوں نے عارضی حکومت کے کچھ اہم ستونوں پر دباؤ ڈالا چنانچہ حکومت میں شامل افراد کی ایک بڑی تعداد نے اس فیصلے کی مخالفت ہی نہیں مذمت بھی کی اور لبریشن فرنٹ کے خلاف ایک متوازی تنظیم کھڑی کر کے امان اللہ خان اور راجہ مظفر کی رکنیت ہی معطل کر دی اور ساتھ ہی اخبارات کے ذریعے بھی اس اقدام کے خلاف بھرپور مہم چلائی۔ جس کے نتیجے میں لوگ بری طرح کنفیوژ ہو گئے اور وہ جوش و خروش جو پہلے چند دن کے دوران قائم ہوا تھا کافور ہو گیا اور یہ اقدام مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکا۔ امان اللہ اکثر کہا کرتے ہیں جب تک کشمیری باہر کی ہدایت پر عمل کرنا اور اپنے لیے باہر سے آقا درآمد کرنا ترک نہ کر دیں، کشمیر آزاد نہیں ہو سکتا۔

پاکستانی دانشوروں اور رہنمائوں کی نظر میں مسئلہ کشمیر کا حل:۔

قاضی حسین احمد (مرحوم) کا موقف:

23 فروری 1997ء کو مظفرآباد کے ایک ہوٹل میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد (مرحوم) نے کہا:

''بھارت اور پاکستان دونوں ممالک اپنی افواج مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر و گلگت بلتستان سے نکال لیں اور کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کشمیری عوام پر چھوڑ دیں۔'' (روزنامہ ''نوائے وقت'' 24 فروری 1997ء)

کراچی میں جماعت اسلامی کے تربیتی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے قاضی حسین احمد نے کہا:

''حکومت کو یہ اعلان کر دینا چاہیے کہ ریاست جموں و کشمیر ناقابل تقسیم وحدت ہے اور اس کا حل، اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق اور اختیار کشمیری عوام کو حاصل ہے کسی اور کو ان پر اپنی مرضی کا فیصلہ یا حل مسلط کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔'' (''جنگ'' لندن۔ یکم اپریل 1997ء)

ڈاکٹر مبشر حسن سابق وزیر خزانہ پاکستان:

پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما اور پاکستان کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن نے نومبر 1995ء مسئلہ کشمیر کے منصفانہ اور آبرومندانہ حل کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کیں:

- ☆ داخلی طور پر کشمیر کو متحد کر کے آزادی دی جائے اس کی اپنی کرنسی ہو اور اسے اس بات کی آزادی ہو کہ اقوام متحدہ کا ممبر بن جائے۔
- ☆ پاکستان اور کشمیر کے درمیان اور اسی طرح بھارت اور کشمیر کے درمیان ویزے کی کوئی پابندی نہ ہو۔

☆ کشمیر کو پاکستان اور بھارت دونوں سے تجارت کی آزادی ہو اور اس پر کوئی ٹیکس وصول نہ کیا جائے۔
☆ کشمیر کی نئی ریاست کو کراچی، ممبئی اور کلکتہ کی بندرگاہیں استعمال کرنے کی اجازت ہو۔
☆ اس کے نتیجے میں پاک بھارت تنازعہ ختم ہو جائے گا اور کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت مل جائے گا۔

ڈاکٹر مبشر حسن نے اس خیال کی تردید کی کہ کشمیر کی خودمختاری امریکہ کا منصوبہ ہے کیونکہ کشمیر سے مراد ایک نئی اسلامی ریاست کا قیام ہوگا جو امریکہ اور روس دونوں کے لیے قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

نومبر 1995ء میں لاہور میں بھارت کے سابق گورنر پنجاب شری نرمل مکر جی (چیئرمین پیپلز فورم بھارت) اور فورم کے پاکستانی چیئرمین آئی اے رحمٰن کے ساتھ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر مبشر حسن نے کہا:

☆ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں کشمیری عوام کی خواہشات کو مسلسل نظرانداز کر رہی ہیں۔
☆ کنٹرول لائن کے دونوں جانب آزادانہ انتخابات کرائے جائیں جو دونوں جانب کے کشمیریوں کے نمائندوں کا انتخاب کریں۔
☆ یہی منتخب نمائندے جموں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔(ہفت روزہ ''کشمیر'' 14 تا 20 نومبر 1995ء)

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، بانی تحریک منہاج القرآن:

تحریک منہاج القرآن کے بانی ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے 1989ء میں رسالہ ''منہاج القرآن'' کے ایک پینل کو مسئلہ کشمیر کے بارے میں ایک تفصیلی انٹرویو دیا۔ اس انٹرویو کے اہم اقتباسات درج ذیل ہیں:

''اہل کشمیر پر پاکستان کے زیر نگین رہنے کی پابندی عائد کرنا بھی اسی طرح حق خودارادیت کے چھین لینے کے مترادف ہے جس طرح بھارت نے زیر تسلط رہنے کی پابندی لگا کر کشمیریوں کے حق خودارادیت کو کچلا ہوا ہے۔''

معاہدہ تقسیم ہند میں کوئی مشروط شق نہیں تھی۔ اس کی شق تو یہ تھی کہ کشمیر کے عوام اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں۔ خواہ الحاق کر لیں یا ایک آزاد قوم کے طور پر خودمختار قوم اور ریاست کے طور پر اقوام متحدہ کا ممبر بنیں۔ اگر اسی طرح ہوتا اور اہل کشمیر اپنا حق خودارادیت استعمال کرتے تو صورتحال یہ نہ ہوتی جو اس وقت ہے۔

''آج نہ تو آزاد کشمیر ایک خودمختار ریاست ہے اور نہ مقبوضہ کشمیر۔ دونوں طرف آزادی نہیں ہے۔'' (''منہاج حریت'' صفحہ 28، 29)

ایئر مارشل اصغر خان:

جولائی 2001ء میں اسلام آباد میں پی ٹی وی کو انٹرویو دیتے ہوئے ایئر مارشل اصغر خان نے کہا:

''مسئلہ کشمیر کے حل نہ ہونے کے محرکات میں پاکستانی قیادت کی غلطیاں شامل ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد کشمیر کے مہاراجا نے پاکستان کے حکمرانوں سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو لیاقت علی خان نے اسے مسترد کر دیا۔''

''بھارت اور پاکستان اپنے اپنے زیر قبضہ علاقوں سے فوجیں نکال لیں اور ایک معاہدے کے تحت کشمیر کو مکمل آزادی اور خودمختاری دے دیں۔ میں چاہتا ہوں 1947ء والے کشمیر کو مکمل طور پر آزاد کر دیا جائے جو کہ گلگت، سکردو، آزاد کشمیر، وادی کشمیر، جموں اور لداخ پر مشتمل ہو۔ باہمی رضامندی سے کشمیر کو خودمختاری دے دی جائے تو کشمیر کو اپنی فوج رکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں نے صدر مملکت کو اپنے نقطۂ نظر سے آگاہ کر دیا ہے۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' 2 جولائی 2001ء)

ستمبر 2004ء میں ایئر مارشل اصغر خان نے روزنامہ جنگ کو دیے گئے خصوصی انٹرویو میں ایک بار پھر واضح کیا:

''جنوبی ایشیا میں پائیدار امن کے قیام کے لیے جموں کشمیر کو خودمختار ملک بنا دیا جائے۔ پاکستان اور بھارت اس کی حفاظت کی ضمانت دیں۔ انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کو کشمیریوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ دونوں اس علاقے پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں دو ایٹمی طاقتوں کے درمیان تناؤ خطرناک بات ہے کسی جنونی کی معمولی غلطی سے کروڑوں انسانوں کی جانیں ضائع ہو سکتی ہیں۔''

''پورے جموں وکشمیر کو آزاد ملک بنا دینے سے پاک بھارت تعلقات بہتر ہو جائیں گے اور جموں کشمیر ایک خوشحال ملک بن جائے گا۔ ابھی تک بھارت اور پاکستان دونوں کشمیر کی سرزمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں لیکن کشمیریوں کے لیے کوئی بھی نہیں سوچ رہا۔ اس کے لیے وسیع القلبی کی ضرورت ہے۔''

انہوں نے مزید کہا:

''1947ء کے بعد مہاراجا کشمیر مستقبل کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ہماری طرف سے قبائلی لشکر کشمیر فتح کرنے کے لیے چل پڑے اور اس طرح بھارت کو کشمیر میں فوجیں اتارنے کا موقع مل گیا۔ قبائلی لشکر سری نگر کے قریب چھ دن رکے رہے۔ پھر انہوں نے لوٹ مار کا سامان لے کر واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ 14 اگست 1947ء کے بعد ہم نے مہاراجا کشمیر کے ساتھ کوئی رابطہ ہی قائم نہیں کیا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' 5 ستمبر 2004ء)

پاکستان مسلم لیگ کے صدر چوہدری شجاعت کا موقف:

''ہمیں روایتی ضد اور ہٹ دھرمی کی بجائے کشمیر کے حقیقت پسندانہ حل کی طرف آنا چاہیے تا کہ کشمیر کے اندر جاری قتل عام کا بازار بند ہو جائے۔ ہمیں انسانیت کے بارے میں سوچنا چاہیے اور ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے انسانیت پر حرف آتا ہو۔ جب تک ہم مسائل کو ان کے حقیقی پہلوؤں اور دور جدید کے تقاضوں کے حوالے سے نہیں لیں گے ان کا حل ناممکن ہوگا۔ وقت آ گیا ہے کہ ہم عالمی امن، خطے میں استحکام اور دوطرفہ مسائل کے حل کیلیے کشمیر کو اپنی انا کی بھینٹ نہ چڑھائیں اور اس کا قابل عمل حل تلاش کریں۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' 17 جون 2001ء)

کشمیر صرف کشمیریوں کا ھے (معراج محمد خاں):

تحریک انصاف کے سیکرٹری جنرل معراج محمد خان نے کراچی میں مقبول بٹ کی شہادت کی 18ویں برسی کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا:

''کشمیر صرف اور صرف کشمیریوں کا ہے، اس کا فیصلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق ہونا چاہیے۔ کشمیریوں کو خودمختار رہنے کا حق حاصل ہے۔'' (روزنامہ ''اوصاف'' 14 فروری 2002ء)

کشمیر کے مالک صرف کشمیری عوام ہیں (اجمل خٹک):

راولپنڈی میں نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ اجمل خٹک کا اظہار تھا:

''کشمیر، کشمیریوں کا ہے، اسے مزید عرصہ متنازعہ نہیں رہنا چاہیے۔''

پریس کلب میں ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے ان کا کہنا تھا:

''کشمیر اور کشمیریوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا، کشمیر ایک گھر اور جنت ہے، جس کے مالک کشمیری ہی ہیں جو کشمیری آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں، وہ اپنی سرزمین پر کسی اور کا منحوس قدم برداشت نہیں کریں گے۔'' (روزنامہ ''اوصاف'' 14 فروری 2002ء)

کشمیری صرف آزاد رہنا پسند کریں گے (پیر پگاڑا):

فروری 2000ء میں پیر صاحب پگاڑا نے ایک بیان میں کہا:

''پاکستان اور انڈیا جتنی چاہیں آپس میں لڑائیاں لڑیں، کشمیری ان کے ساتھ کبھی نہیں رہیں گے۔''

جولائی 2000ء میں جنگ کے سنڈے میگزین میں پیر پگاڑا کا ایک طویل انٹرویو شائع ہوا۔ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے واضح الفاظ میں یہ بات دہرائی:

''کشمیری کبھی رائے شماری میں پاکستان کے حق میں رائے نہیں دیں گے۔ میری کامن سینس (Common Sense) کے مطابق کشمیری خودمختار کشمیر کے حق میں رائے دیں گے۔''

کشمیری اپنا آزاد وطن چاہتے ہیں (سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو):

سابق وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایک بیان میں کہا ہے کہ بھارت اور پاکستان دونوں کشمیر کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہیں لیکن کشمیریوں کا کہنا ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ ہم اپنا ایک آزاد وطن چاہتے ہیں۔

"Kashmiris don't want India or Pakistan. They want their Homeland." ("The Nation", 13 December 2002)

عوامی نیشنل پارٹی کے سیکرٹری جنرل احسان وائیں:

عوامی نیشنل پارٹی کے نومنتخب سیکرٹری جنرل احسان وائیں ایڈووکیٹ نے کہا:

''پاک بھارت مذاکرات کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ اور پاکستان کشمیر کو اپنی شہ رگ قرار دینے کی ضد چھوڑ دیں اور کشمیریوں کو اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق دے دیں۔''

''ہم چناب فارمولے کو مسترد کرتے ہیں، کشمیر کا فیصلہ مذہب کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا۔'' (روزنامہ ''نوائے وقت'' 29 مئی 2003ء)

کشمیر کے دونوں حصے مل کر ایک ریاست بن جائیں گے

(ڈاکٹر اسرار احمد):

تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد (مرحوم) نے پشاور پریس کلب میں صحافیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''نظریہ پاکستان دفن ہو چکا ہے اسلام کے نام پر بننے والے پاکستان کے جانے کی الٹی گنتی شروع ہوگئی ہے پیش گوئی کی جارہی ہے کہ سن باون ہجری میں پاکستان کے آٹھ ٹکڑے ہوجائیں گے۔ بلوچستان سب سے زیادہ خوشحال ہوگا کشمیر کے دونوں حصے ملک کر ایک ریاست بن جائیں گے۔'' (روزنامہ ''خبریں'' 6 اگست 2004ء)

سردار بلخ شیر مزاری:

سابق نگران وزیراعظم سردار بلخ شیر مزاری نے کہا:

''کشمیر کو پانچ سال سے پندرہ سال کے لیے اقوام متحدہ کے کنٹرول میں دے کر اس کے بعد کشمیری عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔''

انہوں نے مزید کہا:

''اگر ہماری نیت اچھی ہوتی تو ہم کشمیر کو قبرص کی طرز پر خود مختار اور آزاد ملک قرار دے چکے ہوتے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' 5 جنوری 1998ء)

تین سال بعد مارچ 2001ء میں ایک اور موقع پر پریس کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے میر بلخ شیر مزاری نے کہا:

''کشمیر میں ریفرنڈم ہوا تو کشمیری بھارت اور پاکستان کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے بلکہ اب تھرڈ آپشن پر فیصلہ ہوگا۔ کشمیر میں ہماری مذہبی تنظیمیں جس طرح ملوث ہورہی ہیں یہ کوئی مستحسن اقدام نہیں ہے اس سے کشمیریوں کی اپنی جدوجہد کو نقصان پہنچ رہا ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' لاہور 19 مارچ 2001ء)

روزنامہ جنگ لاہور 20 جون 2004ء کے سنڈے میگزین میں سابق نگران وزیراعظم پاکستان میر بلخ شیر مزاری کا ایک طویل انٹرویو شائع ہوا۔ میر صاحب سے سوال کیا گیا:

''آپ کے نزدیک مسئلہ کشمیر کا کیا حل ہے؟''

میر صاحب نے جواب دیا:

''بہترین حل یہ ہے کہ اقوام متحدہ کشمیر کو اپنی تحویل میں لے لے۔ پانچ دس سال بعد اقوام متحدہ وہاں کے لوگوں سے رائے لے کہ وہ بھارت میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں یا الگ ملک کے طور پر رہنا چاہتے ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ جو تیسرا آپشن ہے وہ بہت پہلے استعمال ہو

جانا چاہیے تھا۔ انڈیا دعویٰ کرتا ہے کہ کشمیر اس کا حصہ ہے، پاکستان کہتا ہے کشمیر پاکستان کو ملنا چاہیے۔ کیا کسی نے کشمیریوں سے بھی پوچھا ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ وہ بھی انسان ہیں۔ ان کی بھی کچھ خواہشات ہیں۔ ان کا بھی حق ہے کہ وہ اپنی شناخت اور اپنا الگ ملک بنائیں۔ کشمیر کا مسئلہ ایک عرصے سے اسی طرح لٹکا ہوا ہے۔ میں ایمانداری سے ابھی تک محسوس کرتا ہوں کہ اگر کشمیر الگ ملک بن جاتا ہے تو یہ ان دونوں ملکوں بھارت اور پاکستان کے مفاد میں ہوگا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' 20 جون 2004ء)

دونوں طرف کے کشمیریوں کو ملا کر انہیں خود مختاری دی جائے (ممتاز بھٹو):

سابق وزیراعلیٰ سندھ اور قوم پرست رہنما ممتاز بھٹو نے کہا:

''مسئلہ کشمیر کا صرف ایک ہی حل ہے کہ دونوں طرف کے کشمیریوں کو ملا کر انہیں خود مختاری دے دی جائے۔''

جنرل فیض علی چشتی اور میاں منظور وٹو کا موقف:

میر خلیل الرحمان سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقدہ سیمینار میں 9 ستمبر 2004ء کو خطاب کرتے ہوئے میاں منظور وٹو سابق وزیراعلیٰ پنجاب نے کہا مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے بھارت کو اٹوٹ انگ اور پاکستان کو شہ رگ کے موقف سے ہٹنا پڑے گا۔ اسی سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے جنرل فیض علی چشتی نے کہا:

''شمالی علاقہ جات کشمیر کا حصہ ہیں جن پر پاکستان کا کنٹرول ہے۔ پاکستان کو چاہیے کہ شمالی علاقہ جات کو کشمیر کا حصہ بنا کر ایک حکومت قائم کرے۔ کشمیر کی ایک جلاوطن حکومت بنائی جائے۔ کشمیریوں کو اپنا حق لینے کے لیے جدوجہد جاری رکھنی چاہیے اور آزادی پسند لوگوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے۔

بھارت اور پاکستان کو کشمیریوں پر اپنی رائے نہیں ٹھونسنی چاہیے (الطاف حسین):

ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین سے جنگ کے نمائندے نے ایک انٹرویو کے دوران سوال کیا کہ مسئلہ کشمیر کا آپ کی نظر میں کیا حل ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

''کشمیریوں کو حق خود ارادیت ملنا چاہیے۔ بھارت و پاکستان کو ان پر اپنی رائے نہیں ٹھونسنی چاہیے۔ کشمیریوں کو میں یہ برادرانہ مشورہ دوں گا کہ اگر انہیں آزادی کی آپشن ملے تو انہیں پاکستان سے الگ رہنا چاہیے ورنہ انہیں پنجاب کی غلامی کرنی پڑے گی۔'' (''جنگ سنڈے میگزین'' 18 اکتوبر 2005ء)

بھارت کشمیر سے اپنی فوجیں نکال لے، پاکستان بھی فوجیں نکال لے گا (حامد ناصر چٹھہ):

چیئرمین کشمیر کمیٹی حامد ناصر چٹھہ نے سابق وزیراعظم آزاد کشمیر سردار عتیق احمد خان کی طرف سے عشائیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

''بھارت مقبوضہ کشمیر سے اپنی فوجیں واپس بلا لے، پاکستان بھی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان سے اپنی

فوجیں بلالے گا۔‘‘

پاکستان اور بھارت دونوں ممالک کشمیر سے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا لیں (محترمہ حمیدہ کھوڑو سابق وزیر تعلیم سندھ):

’’دونوں ممالک (بھارت اور پاکستان) اسے (کشمیر کو) چھوڑ دیں تو اس مسئلے کا حل نکل سکتا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے موجودہ دور میں پہلی مرتبہ کھل کر بات ہو رہی ہے۔ اب ہماری پالیسی کی غلطیوں اور بھارت کا رویہ بھی زیر بحث آ رہا ہے۔ کشمیر کا نقطۂ نظر بھی سامنے لایا جا رہا ہے۔ ان حالات میں مسئلہ کشمیر کا حل بھی ضرور سامنے آئے گا اور یہ ہماری ضرورت بھی ہے۔‘‘ (’’جنگ سنڈے میگزین‘‘ 15 اپریل 2007ء)

کشمیر مذہبی مسئلہ نہیں بلکہ ایک سیاسی مسئلہ ہے (حریت کانفرنس):

جموں کشمیر کی 23 آزادی پسند تنظیموں کے متحدہ سیاسی اتحاد کل جماعتی حریت کانفرنس کی مجلس عاملہ نے چیئرمین عبدالغنی بٹ کی صدارت میں 12 فروری 2001ء کو ایک پالیسی بیان مرتب کیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے:

’’کشمیر ایک مذہبی مسئلہ نہیں، بلکہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔‘‘

بیان میں بھارت اور پاکستان کے انتہا پسند عناصر پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے جو پر امن کوششوں کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں۔ کشمیر کو مذہبی مسئلہ قرار دینا ایک منفی سوچ ہے کیونکہ حقیقتاً یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے جس کا تعلق ساری کشمیری قوم سے ہے۔ (ہفت روزہ ’’کشیر‘‘ 22 تا 28 جولائی 2001ء)

بھارت کے صاحب دانش طبقہ کی کشمیر کے بارے میں رائے

کشمیری ہندوستانی ہیں نہ پاکستانی......وہ صرف کشمیری ہیں (خشونت سنگھ):

بھارتی صحافی اور دانشور خشونت سنگھ کا ایک موقع پر کہنا تھا:

’’کشمیر کو ایک جاگیر (Real Estate) سمجھ کر تقسیم کر دیا گیا ہے۔‘‘

کراچی میں روٹری انٹرنیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

’’ہم چوتھی جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں مگر پانچویں جنگ نہیں ہو گی۔ کیونکہ چوتھی جنگ میں کوئی باقی نہیں بچے گا۔ کشمیری ہندوستانی ہیں نہ پاکستانی وہ صرف کشمیری ہیں۔ کشمیر کو ایک ایسی خود مختار سٹیٹ بنا دیا جائے جس کے دفاع کی ضمانت بھارت اور پاکستان دونوں کی ذمہ داری ہو۔‘‘ (روزنامہ ’’نوائے وقت‘‘ 31 مارچ 2000ء)

جگت مہتا کی تجویز:

ہندوستان کے سابق سیکرٹری خارجہ جگت مہتا کی تجویز کے مطابق مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کرنے ہوں گے۔

1۔ وادیٔ کشمیر میں امن کا قیام۔
2۔ ایک خودمختار ''کشمیریت'' کی بحالی۔
3۔ لائن آف کنٹرول (LOC) پر نرم سرحد (Soft Border) جہاں سے آزادانہ آمد و رفت ہو اور معاشی سرگرمیوں کا تبادلہ کیا جا سکے۔
4۔ لائن آف کنٹرول (LOC) سے دونوں ملکوں کی افواج پانچ سے دس میل تک پیچھے ہٹا لی جائیں اور اس پر عملدر آمد کی تصدیق کے لیے متفقہ طریقہ کار کی وضعگی۔
5۔ دونوں حصوں میں متوازی طور پر جمہوری انتخابات کا انعقاد اور اس طرح وجود میں آنے والی حکومتیں زیادہ سے زیادہ آمد ورفت اور تبادلوں کا اہتمام کریں۔
6۔ تنازعہ کو حتمی طور پر ملتوی کرنے کے لیے دونوں ممالک کا ایک حتمی دورانیہ پر اتفاق۔
7۔ تنازعہ کے حل کو ملتوی رکھنے کے دوران نہ تو مسئلہ کو بین الاقوامی بنانے کی کوشش کی جائے اور نہ ہی رائے شماری کا مطالبہ کیا جائے۔

بھارت آئین میں تبدیلی کر کے کشمیر کو خودمختاری دے دے (انڈین ایکسپریس):

بھارتی اخبار انڈین ایکسپریس نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا:

''گزشتہ برسوں میں ہزاروں لوگ مارے جا چکے ہیں اور نہتے لوگوں کی ہلاکتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ کشمیر کے عوام کے دلوں میں بھارت کے خلاف سخت نفرت ہے۔ بھارت کو مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے کشمیر کی سیاسی خودمختاری کا اعلان کر دینا چاہیے۔ یہ اقدام آئین میں ترمیم کر کے مذاکرات کے ذریعے ممکن ہے۔ صدارتی آرڈیننس کے ذریعہ بھی یہ قدم اٹھایا جا سکتا ہے۔'' (روزنامہ ''اوصاف'' 7 جنوری 2000ء)

مسئلہ کشمیر امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس کا حل ضروری ہے (کلدیپ نیئر):

معروف بھارتی دانشور اور صحافی کلدیپ نیئر نے کہا ہے کہ:

''مسئلہ کشمیر برصغیر میں امن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس کا حل نہایت ضروری ہے۔ پاکستان اور بھارت کو اپنے اپنے موقف میں لچک پیدا کرنا ہوگی۔''

روزنامہ پاکستان کے نمائندہ سے ان کے دورۂ امرتسر کے دوران خصوصی ملاقات میں کلدیپ نیئر نے کہا کہ:

''مسئلہ کشمیر پر ایک قابل قبول حل موجود ہے۔ دونوں اطراف کے کشمیر کو مکمل آزادی دے دی جائے اور پاک بھارت دونوں حکومتیں دفاع اور امور خارجہ کے اختیارات اپنے پاس رکھیں۔ باقی تمام اختیارات کشمیری عوام کو دے دیے جائیں۔ ویزا کی پابندی کو ختم کر دیا جائے۔ دونوں اطراف کے کشمیریوں کو باہمی رابطوں کی آزادانہ اجازت دی جائے۔''

متحدہ کشمیر کے لوگ چاہیں تو اپنا ایک قومی پرچم بنالیں اور اگر چاہیں تو اپنی ایک ایئر لائن قائم کریں۔ جب دونوں جانب اعتماد بحال ہو جائے تو دونوں ممالک اپنی فوجیں کشمیر سے نکال لیں۔ مذاہب کا احترام ہونا

چاہیے اور مذہب کے نام پر خون خرابا نہیں ہونا چاہیے۔''(روزنامہ ''پاکستان'' 2 اکتوبر 2006ء)

بین الاقوامی دانشوروں اور اداروں کی آراء:۔

لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ:

امریکہ کے ایک مشہور اخبار لاس اینجلس ٹائمز کے نمائندے نے کشمیر کا ایک خاموش دورہ کیا اور عوام سے ان کی رائے دریافت کی۔اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

''میں نے اپنے قیام کے دوران صحافیوں، وکلاء، سیاسی کارکنوں، انجینئروں، ہوٹل والوں، ٹیکسی ڈرائیوروں اور دیگر ہر شعبۂ زندگی کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان سب نے بھارت کے بارے میں سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ ہم آزادی چاہتے ہیں اور آزاد و خود مختار ہونے کے بعد پاکستان اور بھارت دونوں سے دوستانہ تعلقات چاہتے ہیں۔ کشمیریوں کی آزادی کا عزم وہاں کی سر بفلک چوٹیوں کی طرح بلند ہے۔''(روزنامہ ''جنگ'' 4 مئی 1990ء)

کشمیری کسی سے الحاق نہیں چاہتے (ولیم بیکر):

کشمیر پر ایک کتاب ''وادیٔ مسرت، وادیٔ موت'' کے مصنف نامور ادیب اور دانشور پروفیسر ولیم بیکر نے امریکہ میں ایک اجتماع میں اپنے دورۂ کشمیر کی تفصیل بیان کی۔ ولیم بیکر قدیم تاریخ اور ادب کے پروفیسر ہیں۔ وائس آف امریکہ کے ایک نمائندہ سے بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

''کشمیر میں مجھے ایک بھی ایسا شخص نہیں ملا جو کسی کے ساتھ الحاق چاہتا ہو۔ وہ صرف آزادی چاہتے ہیں۔''(روزنامہ ''نوائے وقت'' 16 مئی 1994ء)

بھارت اور پاکستان کشمیر کو متحد کرکے آزاد چھوڑ دیں (واشنگٹن پوسٹ):

واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہونے والے ایک رپورٹ میں ''خود مختار کشمیر'' کو مسئلہ کشمیر کا واحد حل قرار دیا گیا ہے۔ پامیلا کانسٹیبل نے لکھا ہے کہ پاکستان کی مدد سے شروع ہونے والی مسلح جدو جہد دم توڑ چکی ہے۔ تاہم پاکستان اور اس کے حمایت یافتہ مجاہدین اپنے مفادات کے لیے مسئلہ کشمیر کو ہوا دینے میں مصروف ہیں۔ دونوں ملکوں میں مزید خونریزی سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے اور حل بھی یہی ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں کشمیر کو متحد کرکے آزاد چھوڑ دیں۔''(روزنامہ ''اوصاف'' 29 جولائی 1999ء)

بین الاقوامی رائے عامہ سی این این (CNN) کا ٹیلی سروے:

سی این این کے ایک ٹیلی سروے میں 81 فیصد ناظرین نے مسئلہ کشمیر کے پرامن اور دیرپا حل کے لیے خود مختاری کے حق میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس عالمی ادارے نے اپنے ناظرین سے پوچھا تھا:

''اگر کشمیر کو خود مختار ریاست قرار دیا جائے تو علاقے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی کم ہو سکتی ہے؟''

81 فیصد ناظرین نے اس بات کی تائید کی ہے کہ جموں کشمیر کے خود مختار بن جانے سے جنوبی ایشیا میں پائی جانے والی کشیدگی کم ہو سکتی ہے۔ صرف 19 فیصد نے اس سے اختلاف کیا ہے۔(روزنامہ ''جنگ'' لندن یکم مارچ 2000ء)

بھارت اور پاکستان ضد چھوڑ کر کشمیر کو خودمختاری دے دیں (دلائی لامہ):

دلائی لامہ نے جنوبی ایشیا سے متعلق ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے کشمیریوں کو از خود حکومت کرنے کا حق دیا جائے۔ پاکستان اور بھارت کو چاہیے کہ وہ ضد چھوڑ کر درمیانہ راستہ اختیار کریں۔'' (روزنامہ ''پاکستان'' 7 اگست 2001ء)

آؤٹ لک (Outlook) کے سروے نتائج:

بھارت کے ایک جریدے آؤٹ لک نے جموں کشمیر کے مختلف علاقوں میں رائے عامہ کا ایک سروے کرایا۔ اس سروے کے نتائج سامنے آئے تو دنیا دنگ رہ گئی۔ ان نتائج کے مطابق 72 فیصد عوام نے خود مختاری کے حق میں اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ سروے کے ان نتائج نے بھارت کی انتہا پسند تنظیموں کو اس قدر برافروختہ کر دیا کہ دہلی میں آؤٹ لک کے دفاتر پر حملے کر کے انہیں تہس نہس کر دیا گیا۔

کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے (کولن پاؤل):

امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل نے کہا:

''کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے۔ اسے سیاسی عمل اور پرامن مذاکرات سے حل کیا جا سکتا ہے۔'' (مسٹر پاؤل کا یہ بیان بھارت کے اس موقف کے بھی خلاف ہے کہ کشمیر بھارت کا اندرونی مسئلہ ہے۔) (پی ٹی وی 29 جون 2002ء)

جموں کشمیر کو یکجا کر کے خودمختار بنا دیا جائے (پروفیسر عائشہ جلال):

امریکی یونیورسٹی میں تاریخ کی پروفیسر، ایوارڈ یافتہ ڈاکٹر عائشہ جلال نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لیے ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ جموں کشمیر کے تمام حصوں کو یکجا کر کے خودمختار علاقہ بنا دیا جائے جس کے دفاع کی ذمہ داری اور ضمانت بھارت اور پاکستان دیں اور یہ دونوں ممالک نئے آزاد ملک کو اقتصادی امداد بھی دیں۔ اس دوران تمام کشمیریوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مذاکرات کو موقعہ ملے گا اور وہ اپنے مستقبل کے بارے میں بہتر انداز میں کوئی فیصلہ کر سکیں گے۔ ڈاکٹر عائشہ جلال نے پاکستان سوسائٹی کی جانب سے منعقدہ ایک لیکچر کے دوران کہا کہ وہ ایک ایسا خودمختار علاقہ قائم کرنے کی بات کر رہی ہیں جس میں ایسا حل تلاش کیا جائے جس سے دونوں بڑے ممالک بھارت، پاکستان اور کشمیری عوام خوش ہوں۔ بھارت اور پاکستان نے 1947ء سے آج تک جموں کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کو ایک دوسرے سے ملنے کا موقعہ نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے کشمیریوں کو اس وقت سب سے بڑا مسئلہ پیش آ رہا ہے کہ بھارت اور پاکستان کے مابین ہونے والے مذاکرات میں کشمیریوں کی نمائندگی کون کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ ان کے خودمختاری کے نظریہ پر عمل کیا جائے تو تمام کشمیریوں کو اکٹھا کر کے انتخابات کے ذریعہ مذاکرات کے لیے اپنے نمائندے منتخب کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر عائشہ جلال نے کہا کے امریکہ یا برطانیہ کی جانب سے کشمیریوں پر کوئی حل ٹھونسنے کے منفی نتائج نکلیں گے۔ (روزنامہ ''نیشن'' جون 2003ء)

تنازعۂ کشمیر اور ٹرسٹی شپ

تنازعہء کشمیر کے حل کے حوالے سے ایک تجویز ٹرسٹی شپ کی بھی ہے۔ کشمیری قوم پرست راہنما امان اللہ خان اور پاکستان کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر محبوب الحق نے اپنے مختلف بیانات میں ٹرسٹی شپ کو تنازعۂ کشمیر کے متبادل حل کے طور پر پیش کیا۔ گر چہ ڈاکٹر محبوب الحق کا بیان تھا کہ صرف وادئ کشمیر کو دس سال کے لیے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے گا، مگر آزادی پسندوں کے نزدیک 84471 مربع میل پر محیط ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کا اپنے مستقبل اور حق اختیار کے آزادانہ فیصلے کا مسئلہ ہے۔ اس لیے محدود وقت تک منقسم ریاست کے تمام حصوں کو اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے، تا کہ اس خطہ کے لوگ اپنی مرضی کے مطابق اپنا فیصلہ کریں۔ چونکہ پاکستان اور بھارت دونوں ریاست جموں کشمیر کا اپنے ساتھ الحاق چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق بھی حق خود ارادیت کے معنی الحاق ہندوستان یا الحاق پاکستان ہیں۔ منقسم کشمیر کے تینوں حصوں میں ان ممالک کی حمایت یافتہ حکومتیں ہیں۔ اس لیے آزادانہ حق رائے میں دونوں ممالک اثر انداز ہوں گے۔ لہذا ریاست جموں کشمیر کو محدود وقت کے لیے اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ میں دیا جائے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے سیاسی مستقبل کا مسئلہ التواء میں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سیاسی مستقبل کا مسئلہ التواء میں نہیں بلکہ دُنیا کے 100 سے زائد آزاد ممالک سے بلحاظ رقبہ اور آبادی بڑے ملک ریاست جموں کشمیر کی آزادی کا مسئلہ ہے۔

صحافی ارشاد محمود کی کتاب مسئلہ کشمیر کے امکانی حل میں ڈاکٹر ایس ایم قریشی نے اپنے ایک مضمون میں اس کی مخالفت کی ہے کہ ریاست جموں کشمیر کو اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق اقوام متحدہ کی ٹرسٹی شپ نظام کی تحویل میں نہیں دیا جا سکتا۔

ٹرسٹی شپ پر ایک اعتراض یہ ہے کہ اس سے بڑی طاقتوں کو مداخلت کا موقع ملے گا۔ اس اعتراض کا معقول جواب ہے کہ ریاست جموں کشمیر میں پہلے سے مداخلت ہے۔ جس کی ابتدا 22 اکتوبر 1947ء کے قبائلی حملے سے ہوئی۔ اور انتہا 27 اکتوبر 1947ء کو ہندوستان افواج کے قبضے سے۔ کشمیر جو پہلے سے بڑی طاقتوں کے قبضے میں ہے۔ اس پر قابض ہندوستان، پاکستان، چین تینوں ایٹمی طاقتیں ہیں۔ مزید بڑی طاقتیں آئیں گی۔ تو صرف اتنا ہوگا مفادات کی جنگ جو پہلے سے ریاست میں جاری ہے، اس میں مزید اضافہ ہوگا۔ اور اس میں سے تنازعۂ کشمیر دو ملکوں کے درمیان سے نکل کر عالمی برادری کا مسئلہ بنے گا۔ اور ایسی صورت حال سے بہتر امید کی جا سکتی ہے کہ جب مفادات ٹکرائیں گے تو اصل فریق سامنے آئے گا اور سب کو اپنے مفادات سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ ویسے بھی جب بھی کوئی علاقہ ٹرسٹی شپ میں دیا جاتا ہے تو سلامتی کونسل کے تمام مستقل ارکان اس میں فریق ہوتے ہیں۔ یوں ٹرسٹی شپ میں یہ مسئلہ 7 فریقوں کے درمیان ہوگا۔ ظاہر ہے کوئی فریق نہیں چاہے گا کہ یہ خطہ کسی ایک فریق کو دیا جائے۔ ایسی صورت میں اصل فریق ہی وارث ٹھہرے گا۔

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ ٹرسٹی شپ ہے کیا، اور اس کا پس منظر کیا ہے۔

مجلس اقوام کا مینڈیٹری نظام رائج کرنے کا مقصد نو آبادیاتی نظام کو بتدریج ختم کرنا تھا۔ جو افریقہ اور ایشیا میں موجود تھا۔ ٹرسٹی شپ اس نظام کے خاتمہ کی جانب عملی قدم تھا۔ مجلس اقوام کے نظام پر بعد میں اقوام

متحدہ کی ٹرسٹی شپ کی بنیاد رکھی گئی۔ مینڈیٹری نظام کے تخلیق کار جنوبی افریقہ کے راہنما جنرل سمٹ (Smut) تھے۔ یہ مینڈیٹری نظام دراصل دو نظریات کا نتیجہ تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے اختتام کے بعد دو نظریات سامنے آئے۔ ایک، مفتوحہ علاقے کسی طرح تقسیم کیے جائیں اور دوم، اگر انہیں آزادی دی جائے تو کس حد تک اور کس طرح۔ اس طریقۂ کار سے پہلی جنگ کی فاتح قوتوں برطانیہ، فرانس اور دیگر ممالک کے حصے میں شام، لبنان، اردن اور عراق کے بارے میں فیصلے ہوئے، جبکہ مد مقابل جرمنی کے حصے میں افریقہ کی نوآبادیاں کیمرون، روانڈا آئی لینڈز کے مستقبل کا فیصلہ کیا گیا۔ ان ممالک کے مستقبل کے بارے میں جس بنیادی امر کو دیکھا گیا، وہ تھا تاریخی اعتبار سے ریاست کا تصور تھا۔ اسی تصور کے تحت نورو، گنی، مائیکرونیشیا، جزائر مارشل نے مکمل خودمختاری حاصل کی۔ اقوام متحدہ کی دفعہ 77-1-(سی) کے تحت غیر آزاد علاقوں سے نوآبادیاتی نظام ختم کرنے کے اعلان کا اطلاق ہوتا ہے۔ گرچہ اس تشریح میں کشمیر شامل نہیں لیکن حال ہی میں مشرقی تیمور نے جو آزادی حاصل کی، کشمیر کے لیے بھی وہ طریقۂ کار اپنایا جا سکتا ہے۔ رہا سوال کہ ٹرسٹی شپ میں انتظامی اختیارات کس کو حاصل ہوں گے، اس کا سیدھا جواب ہے کہ جو دعویدار ہوں، ان کے دعوے کو قائم رکھتے ہوئے انہیں انتظامی اختیارات سے الگ کر دیا جائے۔ 10 سال، 15 سال بعد جب ریاست کے لوگوں کو رائے شماری کے ذریعے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے تو تین بکس رکھے جائیں، جو بھی فیصلہ سامنے آئے، وہ قبول کر لیا جائے۔

باب دوم

ریاست جموں کشمیر کا جغرافیہ اور وسائل

محل وقوع

ریاست کی 750 میل لمبی سرحدیں عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ، 300 میل بھارت کے ساتھ، 600 میل پاکستان کے ساتھ اور 50 میل افغانستان کے ساتھ ملتی ہیں۔ وسط ایشیا کی ریاست تاجکستان کو جموں کشمیر سے واخان کی ایک تنگ پٹی جدا کرتی ہے۔ اس پٹی کو روس اور برطانوی سامراج نے 1890ء میں افغانستان میں شامل کر لیا تھا تاکہ زار روس کی افواج کو ریاست جموں کشمیر اور ہندوستان کی طرف پیش قدمی سے روکا جا سکے۔ ایک سمجھوتے کے تحت زار روس کی افواج نے پامیر سے آگے پیش قدمی نہ کرنے کا عہد کیا۔ 40 میل چوڑی ''واخان'' کی پٹی کو ایک بفر زون کی حیثیت سے افغانستان کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس پٹی کی چوڑائی بعض مقامات پر صرف دس میل رہ جاتی ہے۔

رقبہ

ریاست جموں کشمیر کا کل رقبہ 84471 مربع میل ہے۔ رقبہ کی صوبہ وار تقسیم 15 اگست کو حسب ذیل تھی:

صوبہ جموں	12378 مربع میل
صوبہ کشمیر	8539 مربع میل
سرحدی صوبہ لداخ و گلگت	63554 مربع میل

کل رقبہ 84471 مربع میل

رقبہ کے لحاظ سے کشمیر سے چھوٹے 109 ممالک کی فہرست

رقبہ کے لحاظ سے ریاست جموں کشمیر دنیا کے 109 آزاد ممالک سے بڑی ہے۔ ان ممالک کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1۔	گیانا	Guyana	83,000
2۔	بیلاروس	Belarus	80,134
3۔	کرغیزستان	Kyrghyzstan	76,642
4۔	سینی گال	Senegal	75,750
5۔	شام	Syria	71,498
6۔	کمبوڈیا	Combodia	70,238
7۔	یوراگوئے	Uraguay	68,037
8۔	تیونس	Tunis	63,170
9۔	سری نام	Suriname	63,037
10۔	بنگلہ دیش	Bangladesh	55,813
11۔	نیپال	Nepal	55,136
12۔	تاجکستان	Tajikistan	54,019
13۔	یونان	Greece	51,146
14۔	نکاراگوا	Nicaragua	50,193
15۔	شمالی کوریا	North Korea	46,540
16۔	ملاوی	Malavi	45,747
17۔	بلغاریہ	Bulgaria	44,365
18۔	کیوبا	Cuba	44,218
19۔	بینن	Benin	43,490
20۔	ہنڈوراس	Hondoras	43,277
21۔	گوئٹے مالا	Guatemala	42,042
22۔	آئس لینڈ	Iceland	39,769
23۔	لائبیریا	Liberia	38,250
24۔	جنوبی کوریا	South Korea	38,025
25۔	اردن	Jordon	37,737

26۔	پرتگال	Portugal	36,390
27۔	اریٹیریا	Eritrea	36,170
28۔	ہنگری	Hungary	35,919
29۔	آذربائیجان	Azerbaijan	33,400
30۔	آسٹریا	Austria	32,375
31۔	متحدہ عرب امارات	U.A.E.	32,010
32۔	چیک ری پبلک	Czech Republic	30,449
33۔	پانامہ	Panama	29,765
34۔	سیرالیون	Sierraleon	27,925
35۔	آئرلینڈ	Ireland	27,136
36۔	جارجیا	Georgia	26,911
37۔	سری لنکا	Srilanka	25,332
38۔	لتھوانیا	Lithuania	25,170
39۔	لاتویا	Latvia	24,900
40۔	کروایشیا	Croatia	24,819
41۔	ٹوگو	Togo	21,622
42۔	بوسنیا	Bosnia	19,741
43۔	کوسٹاریکا	Costarica	19,652
44۔	سلوواکیہ	Slovakia	18,932
45۔	ڈومینکن ری پبلک	Dominican Repbulic	18,704
46۔	بھوٹان	Bhutan	18,147
47۔	اسٹونیا	Estonia	17,413
48۔	ڈنمارک	Denmark	16,633
49۔	سوئٹزرلینڈ	Switzerland	15,943
50۔	نیدرلینڈ	Netherland	15,770
51۔	گنی بساؤ	Guinea Bissa	13,948
52۔	تائیوان	Taiwan	13,885
53۔	مالدووا	Moldova	13,012
54۔	بلجیئم	Belgium	11,780

11,720	Lesotho	ليسوتھو	۔55
11,306	Armenia	آرمینیا	۔56
11,100	Albania	البانیہ	۔57
10,747	Burundi	برونڈی	۔58
10,640	Soloman Islands	جزائرسلیمان	۔59
10,579	Haiti	ہیٹی	۔60
10,169	Ruwanda	روانڈا	۔61
9,928	Macedonia	مقدونیہ	۔62
8,950	Djibouti	جبوتی	۔63
8,867	Belize	بلائزے	۔64
8,124	El-Silvador	ال سلواڈور	۔65
7,847	Israel	اسرائیل	۔66
7,819	Slovenia	سلووینیا	۔67
7,055	Fiji	فجی	۔68
6,880	Kuwait	کویت	۔69
6,705	Swazi Land	سوازی لینڈ	۔70
5,700	Vanwatu	ون واتو	۔71
5,380	Bahamas	بہاماز	۔72
7,247	Qatar	قطر	۔73
4,232	Jamaica	جمیکا	۔74
4,127	Gambia	گیمبیا	۔75
4,015	Lebanon	لبنان	۔76
3,752	Cyprus	قبرص	۔77
2,226	Brunai	برونائی	۔78
1,980	Trinidad	ٹرینی داد	۔79
1,557	Cape Verde	کیپ وردی	۔80
1,133	Western Samova	مغربی سماوا	۔81
999	Luxem Bourg	لکسمبرگ	۔82
838	Comoros	کوموروز	۔83

84۔	ماریشس	Mauritious	720
85۔	ساؤتامے	Saotome	372
86۔	ڈومی نیکا	Dominica	290
87۔	مائیکرونیزیا	Micronesia	270
88۔	ٹونگا	Tonga	270
89۔	بحرین	Behrain	268
90۔	کیری باتی	Kiribati	266
91۔	سینٹ لوشیا	St. Lucia	238
92۔	سنگاپور	Singapore	224
93۔	پالاؤ	Palau	188
94۔	اینڈورا	Andorra	185
95۔	سیشلس	Sychelles	171
96۔	انٹی گوا	Antigua	171
97۔	باربادوس	Barbados	166
98۔	سینٹ ونسنٹ	St. Vincent	150
99۔	گریناڈا	Granada	133
100۔	مالٹا	Malta	122
101۔	مالدیپ	Maldives	115
102۔	سینٹ کیٹس	St. Kitts	100
103۔	مارشل آئی لینڈ	Marshall Island	70
104۔	لیشن سٹائن	Liechten Stein	62
105۔	سان مرینو	San Marino	24
106۔	توالو	Tvalu	10
107۔	ناراؤ	Narau	8
108۔	مناکو	Monaco	0.75 میل(253 ایکڑ)
109۔	ویٹی کن سٹی	Vetican City	0.17 میل(108 ایکڑ)

یکم جنوری 1949ء کی جنگ بندی کے بعد رقبہ کی صورتحال حسب ذیل ہے:

بھارت کے زیر قبضہ

(الف)	صوبہ لداخ	33740 مربع میل
(ب)	صوبہ کشمیر	6893 مربع میل
(ج)	صوبہ جموں	9880 مربع میل
	میزان	50513 مربع میل

پاکستان کے زیر انتظام علاقہ

(د)	گلگت بلتستان	29814 مربع میل
(ر)	آزاد کشمیر	4144 مربع میل
	میزان	33958 مربع میل

کشمیر کی معیشت اور وسائل کا اجمالی خاکہ

اس وقت دُنیا کی معیشت توانائی کی محتاج ہے، توانائی کے اہم ذرائع پٹرول، قدرتی گیس، کوئلہ، ہائیڈل (پانی سے بجلی پیدا کرنا) بائیوانر جی ہیں۔ ریاست جموں کشمیر اس حوالے خوش قسمت ہے کہ اس کے پاس چھوٹے بڑے 44 دریا ہیں۔ ہمالیہ رینجز کے برف کے ذخائر کا شمار دنیا کے بڑے ذخائر میں ہوتا ہے۔ برف کے ان ذخائر سے ہندوستان، پاکستان اور چین کے ڈیڑھ ارب لوگوں کو پینے کے لیے میٹھا پانی میسر ہے۔ یہ برف ہر سال پڑتی ہے۔ ریاست جموں کشمیر برف کے ان ذخائر سے استفادہ کر کے دُنیا کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک کے لوگوں سے خوشحال ہوسکتی ہے۔ ذیل میں ان گلیشیئرز، دریاؤں، چشموں، جھیلوں اور ہائیڈل منصوبوں کی تفصیل ہے۔

ریاست کے بڑے اور چھوٹے دریاؤں کی تفصیل جی ایم میر نے اپنی کتاب ''ریاست جموں کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں'' میں لکھی ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

1۔ دریائے سندھ

یہ دریا مغربی تبت میں 17000 فٹ کی بلندی پر جھیل مانسرور سے جنم لیتا ہے۔ لداخ میں داخل ہو کر 300 میل تک شمال مغرب کی جانب لداخ اور زنسکار کے درمیان سفر جاری رکھتا ہے۔ گلگت میں داخل ہونے کے بعد اس کا رخ اچانک جنوب کی جانب ہو جاتا ہے۔ دریائے زنسکار، شیوک، شگر اور گلگت کو ساتھ لے کر پاکستان میں داخل ہو جاتا ہے جہاں تربیلہ کے مقام پر اس پر ایک عظیم بند تعمیر کیا گیا ہے۔ اٹک کے قریب دریائے کابل اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ آگے جا کر پاکستان کے سارے ہی دریا اس میں ضم ہو جاتے ہیں۔ کراچی کے مقام پر یہ عظیم دریا بحیرۂ عرب میں گرتا ہے۔

دنیا کا کوئی اور دریا ایسا نہیں ہے جس کی اتنے بہت سارے گلیشیئرز نے پرورش کی ہو۔ کسی بھی دریا

کی مشہور ترین چوٹیوں سے بہہ کر آنے والی ندیوں کی مدد حاصل نہیں ہے، جن میں کے ٹو، ترچ میر، گیشیر بروم، راکاپوشی، نانگا پربت وغیرہ شامل ہیں۔ لداخ میں داخل ہونے سے سزین کے مقام پر ریاست کی حدود سے نکلنے کے تک اس میں 25 چھوٹے دریا (ندیاں) شامل ہوتے ہیں، جن میں سے چند حسب ذیل ہیں:

(الف) **ھانلے ندی**: لداخ کی انتہائی جنوب مشرقی سرح سے نکل کر شمال کی طرف بہتی ہوئی سندھ میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ب) **کھرنا ندی**: جنوب مشرقی زنسکار سے نکل کر شمال مغرب کی طرف بہتی ہوئی زنسکار ندی میں اور شمال کی طرف سٹوک اور سپل گومپا کے درمیان سندھ میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ج) **زنسکار ندی**: اس کی ایک شاخ جنوب مشرقی زنسکار میں روپشو کے علاقے سے نکل کر مغرب کو بہتی ہوئی زنسکار کے صدر مقام تک پہنچی ہے۔

(د) **سورو ندی**:۔ وسطی زنسکار میں نون کن جوٹی کے دامن میں جنم لیتی ہے اور بالکل شمال کی طرف بہتی ہوئی کرگل کے شمال میں دریائے سندھ میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ر) **دراس ندی**:۔ دراس ندی کی مختلف شاخیں مغربی زنسکار میں مختلف گلیشیئر ز سے جنم لے کر شمال کی طرف بہتی ہوئی کرگل کے قریب سرو ندی سے مل جاتی ہے اور پھر شمال میں مارول کے مقام پر سندھ میں گر جاتی ہے۔

(س) **شنگو ندی**:۔ شنگو ندی کی شاخیں دیوسائی کے برفیلے میدان میں جنم لے کر جنوب مشرق کو بہتی ہوئی اکٹھی ہو جاتی ہیں اور پھر دراس اور سورو سے مل کر شمال میں سندھ میں شامل ہو جاتی ہیں۔

(ص) **دریائے شگر**: شگر ندی کی ایک شاخ میشر بروم اور سلتو رو گلیشیئر میں جنم لے کر مغرب کی سمت بہتی ہوئی ٹنڈ ورا کے مقام پر دوسری شاخ میں شامل ہو جاتی ہے جو چوغو لنگمو گلیشیئر میں پیدا ہو کر مشرق کی جانب بہتی ہے۔ یہاں سے یہ دونوں مل کر شگر سے ہوتے ہوئے اسکردو کے مقام پر سندھ میں شامل ہو جاتی ہیں۔

(ط) **استور ندی**: اس کی ایک شاخ دیوسائی کے علاقہ سے مغرب کی طرف استور پہنچتی ہے اور دوسری شاخ رگو کی طرف سے شمال کی جانب بہتی ہوئی اس سے آ کر مل جاتی ہے۔ استور سے شمال مغرب کی جانب بہتی ہوئی یہ بونجی کے جنوب میں دریائے سندھ میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ع) **تانگیر ندی**: صوبہ گلگت اور پاکستان کی سرحد پر سزین کے مقام پر تانگیر کے علاقہ سے تانگیر ندی آ کر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتی ہے۔

2۔ دریائے شیوک

لداخ کے شمال میں واقع شیوک ڈیم سے ایک دریا جنم لیتا ہے جو جنوب مشرق کی طرف بہتا ہوا شیوک ٹاؤن پہنچتا ہے۔ یہاں سے دریا کا رخ شمال مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور یہ دوسرے ندی نالوں کو ساتھ لیتا ہوا خپلو سے گزرتا ہوا کیرس کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کے معاون دریاؤں/ ندیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) **چپ چاپ ندی**: اس کی ایک شاخ لداخ کی شمالی سرحد کے قریب چپ چاپ گلیشیئر سے نکل کر مغرب کی سمت بہتی ہوئی گپشان پہنچتی ہے۔ یہاں اس میں ریمو گلیشیئر کی طرف سے دوسری شاخ مل جاتی ہے اور یہ جنوب کی طرف بہتی ہوئی شیوک ڈیم کے قریب دریائے شیوک میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ب) **گلوان ندی**: اقصائے چین کے جنوب میں سام زنگ لنگ کے علاقے سے شروع ہو کر مغرب کی جانب بہتی ہوئی دریائے شیوک میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ج) **چنگ چن مو**: لداخ کے میدان میں چنگ جن مو میں پامزل کے جوار میں مختلف چھوٹی ندیوں سے مل کر بنتی ہے اور مغرب کو بہتی ہوئی دریائے شیوک میں داخل ہو جاتی ہے۔

(د) **نوبرا ندی**: نوبرا ندی سیاچین گلیشیئر سے نکلتی ہے اور جنوب مشرق کو سفر کرتی ہوئی دوسری ندیوں کو ساتھ ملاتی ہوئی ٹیگور کے مقام پر شیوک میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ر) **ستورو ندی**: اس کی ایک شاخ ستورو کنگری چوٹی کے دامن سے شروع ہو کر جنوب مغرب کی طرف بہتی ہے۔ دوسری شاخ شمال میں ماشیر بروم چوٹی کے دامن سے نکل کر جنوب کی طرف بہتی ہے اور ستورو ندی میں شامل ہوتی ہے۔ خپلو کے قریب یہ ندی شیوک دریا میں شامل ہو جاتی ہے۔

(س) **پانگ کانگ**: پانگ کانگ جھیل کے نواح میں ایک ندی نکل کر شمال مغرب کو بہتی ہوئی دریائے شیوک میں شامل ہو جاتی ہے۔

3۔ دریائے گلگت

پانگ کانگ جھیل کے نواح میں ایک ندی نکل کر شمال مغرب کو بہتی ہوئی دریائے شیوک میں شامل ہو جاتی ہے۔

(الف) **خنجراب ندی**: گلگت کی شمالی سرحد میں واقع درۂ خنجراب کے شمال اور جنوب میں برف پوش پہاڑوں کی وادیوں اور گلیشیئرز سے وجود میں آتی ہے اور کچھ دور مغرب کی جانب سفر کر کے جنوب کا رخ کرتی ہے۔

(ب) **گوجراب ندی**: گوجراب کے سلسلہ کوہ میں برفانی گھاٹیوں اور چھوٹے

گلیشیئر ز سے جنم لے کر ایک بڑی ندی کی شکل دھار لیتی ہے اور مغرب کی جانب بہتی ہوئی دریائے خنجراب میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ج) **مسگر ندی:** گلگت کی شمالی سرحد پر درۂ منتکا اور درہ کلک کی گھاٹیاں اس کا منبع ہیں۔ جنوب مشرق کی طرف بہتی ہوئی خنجراب ندی میں شامل ہو جاتی ہے۔

(د) **چپرسن ندی:** گلگت کے شمال مغرب میں درۂ چلنجی اور "کمپیر ی دیور" چوٹی کے دامن سے جنم لیتی ہے اور مشرق کی سمت بہتی ہوئی خدا آباد کے قریب خنجراب ندی میں ضم ہو جاتی ہے۔

(ر) **شمشال ندی:** گلگت کے شمال مشرقی خطہ میں درۂ شمشال کے جنوب میں واقع درجراب گلیشیئر اور دوسرے گلیشیئر ز سے جنم لے کر مغرب کی جانب بہتی ہوئی پاسو کے مقام پر دریائے خنجراب میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہاں سے اس کا نام دریائے ہنزہ ہو جاتا ہے۔

(س) **ہنزہ ندی:** شمال سے مختلف سمتوں سے بہہ کر آنے والی ندیاں پاسو تک ایک بڑی ندی یا دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہاں سے اس کا نام ہنزہ ندی پڑ جاتا ہے۔ نگر تک جنوب کی سمت سفر کرنے کے بعد مغرب کا رخ اختیار کر لیتی ہے۔ ہنزہ سے گزر کر چھلت تک مغرب میں بہنے کے بعد یک لخت جنوب کا رخ کر لیتی ہے اور وادی نومل سے ہوتی ہوئی گلگت شہر میں آ کر دریائے گلگت میں شامل ہو جاتی ہے۔ ہنزہ ندی کی ریت سے سونا نکالا جاتا ہے۔

(ص) **اشکومن ندی:** گلگت کے شمال مغرب میں صوبہ سرحد کی سرحد کے قریب کوہ ہندوکش کے دامن میں مختلف مقامات پر جنم لے کر اشکومن کے مقام پر ایک ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور جنوب کی طرف بہتی ہوئی چتر کھنڈ سے گزر کر گاکوچ کے مقام پر مغرب سے آنے والے دریائے غذر سے مل جاتی ہے۔ یہاں سے اس دریا کا نام دریائے گلگت پڑ جاتا ہے۔

(ط) **یاسین ندی:** یہ ندی درہ درکوٹ کے قریب شمال مغربی سرحد پر واقع گلیشیئر ز سے جنم لے کر چھوٹے ندی نالوں کو ساتھ ملاتی ہوئی جنوب کی طرف بہتی ہوئی گوپس کے مقام پر دریاءغذر میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ع) **دریائے غذر:** اس کا منبع گلگت کی مغربی سرحد پر واقع درۂ شندور کے جنوب کا علاقہ ہے۔ مختلف ندی نالوں کی شکل میں شمال کی طرف بہتا ہوا چھاشی کے مقام پر ایک دریا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور شمال مشرف کی جانب رخ کر کے گوپس اور اشکومن ندی کو ساتھ لے کر گاکوچ پہنچتا ہے جہاں اس میں شمال کی طرف سے آنے

والا دریائے ہنزہ شامل ہو جاتا ہے۔

4۔ دریائے نیلم (کشن گنگا)

دریائے نیلم کا پرانا نام کشن گنگا ہے۔ یہ صوبہ کشمیر میں وادی تلیل کے مشرقی حصہ سے نکل کر مغرب کی جانب بہتا ہوا برزل نالہ کو ساتھ لے کر وادئ نیلم میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں سے اس کا رخ جنوب مغرب کی طرف ہو جاتا ہے۔ مظفر آباد پہنچ کر یہ دریائے جہلم میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 180 میل ہے۔ ساری گزرگاہ پہاڑی ہے اس لیے اس میں کسی بھی مقام پر کشتی رانی نہیں ہوتی تاہم اس دریا میں برقی قوت پیدا کرنے کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔

5۔ دریائے جہلم

رگ وید میں اس دریا کا نام وتستا (Vitasta) آیا ہے۔ کشمیری میں اسے ویتھ (Veth) اور یونانی اسے ہیڈسپس (Hidaspes) کہتے ہیں۔ اس کی کل لمبائی 450 میل ہے۔ جہلم کا منبع چشمہ ویری ناگ ہے جو سطح سمندر سے 6000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ وادئ کشمیر میں 90 میل تک اس میں کشتی رانی ہوتی ہے۔ اسلام آباد میں سطح سمندر سے اس کی بلندی 5400 فٹ، سرینگر میں 5235 اور ولر جھیل میں 5180 فٹ ہے۔

منگلا کے مقام پر اس پر بند باندھ کر بجلی گھر بنایا گیا ہے جس میں 1000 میگا واٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ وادی کشمیر کے اندر بھی مہورہ کے مقام اس کے پانی سے 15 ہزار کلو واٹ بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ یہ بجلی گھر 1857ء میں تعمیر ہوا تھا۔ جہلم کے معاون دریاؤں/ندیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) **آرہ پتھ**: اسلام آباد سے شمال مشرق کی طرف ''کوٹہ ہار'' پرگنہ سے نکل کر اور جنوب مغرب کی طرف بہتے ہوئے اسلام آباد شہر کے قریب جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ب) **ساندرن**: وادئ کشمیر کے جنوب مشرقی حدود میں درہ نندمرگ کے قریب پیدا ہو کر شمال مغرب کو بہتی ہوئی اسلام آباد کے مغرب میں ''آرہ پتھ'' اور ''برنگی'' کے ساتھ جہلم میں شامل ہوتی ہے۔ جہلم یہاں سے ایک دریا کی شکل اختیار کرتا ہے۔

(ج) **برنگی**: وادئ کشمیر کے جنوب مشرقی خطہ میں ''براری بال'' پہاڑ کے دامن میں جنم لیتی ہے۔ اور شمال مغرب کی طرف آگے بڑھتی ہوئی وادی نوبگ کی ایک اور ندی کے ساتھ ملاتی ہے۔ اسلام آباد کے قریب آرہ پتھ اور ساندرن سے مل کر دریائے جہلم کو وجود میں لاتی ہے۔

(د) **لدر**: شہر اسلام آباد سے تین میل کے فاصلے پر ایک اور ندی جس کا نام ''لدر'' ہے جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔ پہلگام کے نواح میں پنج ترنی سے ایک ندی نکلتی ہے۔ ایک اور ندی شیش ناگ جھیل سے برآمد ہوتی ہے۔ یہ دونوں مل کر لدر کا نام اختیار کرتی

ہیں۔

(ر) **ویشو ندی**: وادیٔ کشمیر کے جنوب مغرب میں پیر پنجال کے دامن میں کوثر ناگ نامی چشمے سے ایک ندی شمال کی جانب بہتی ہے۔ اس کے دائیں کنارے ایک اور ندی ''چٹی ندی'' آملتی ہے اہرہ بل کی آبشار اسی مقام پر واقع ہے۔ میدانی علاقہ میں داخل ہو کر ایک اور ندی ''رمبی آرٔ'' کو ساتھ ملا کر بج بہاڑہ سے شمال کی جانب دریائے جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔

(س) **دودھ گنگا ندی**: یہ ندی سلسلہ پیر پنجال کی مشرقی ڈھلوان سے جنم لیتی ہے۔ یہاں اسے سنگ سفید ندی کے نام سے پکارتے ہیں۔ شمال مشرق کی طرف بہتی ہوئی چرار شریف سے چند میل کے فاصلے پر میدانی علاقے میں داخل ہو کر شمال کا رخ اختیار کر لیتی ہے اور بٹما لو اور چھتہ بل کے قریب سے گزرتے ہوئے صفا کدل کے مقام پر دریائے جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ص) **سند ندی**: درۂ زوجیلا کی ڈھلوان سے ایک ندی جنم لے کر جنوب مغرب کی سمت بہتی ہوئی ایک اور ندی سے جو چھن پارہ کی طرف سے آتی ہے مل کر ایک بڑی ندی کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور مغرب کی سمت بہتی ہوئی وادی سندھ کو عبور کر کے شادی پور کے مقام پر جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔

(ط) **پوھر ندی**: یہ ان تمام چھوٹی چھوٹی ندیوں کے اجتماع سے بنی ہے جو وادیٔ کشمیر کی شمالی سرحد کی پہاڑی ڈھلوانوں سے نکلتی ہیں۔ مغل پورہ کے قریب اس میں لولاب ندی شامل ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ جنوب کو آگے بڑھتے ہوئے سوپور سے 3 میل کے فاصلے پر ''دب گاؤ'' گاؤں کے پاس دریائے جہلم میں شامل ہوتی ہے۔

(ع) **کنہار ندی**: اسے دریائے کاغان اور ''نین سکھ'' کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یہ درہ بابوسر کی ترائی میں جنم لے کر وادی کاغان میں سے گزرتی ہوئی اور تمام ندی نالوں کا پانی سمیٹتی ہوئی مظفر آباد کے جنوب میں دریائے جہلم میں شامل ہو جاتی ہے۔

6۔ دریائے پونچھ

دریائے پونچھ سلسلہ پیر پنجال کی مغربی ڈھلوانوں پر نیل کنٹھ گلی اور جمیاں گلی سے نکلتا ہے اور شمال مغرب کا رخ کرتا ہے۔ یہاں اس کا نام سرن ہے۔ وادیٔ پونچھ کے مغرب میں منڈی کی طرف سے آنے والی ایک ندی اس سے مل جاتی ہے۔ پھر شہر پونچھ کے مغرب میں ایک اور ندی بیتاڑ اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ جنوب کی طرف سفر کرتا ہوا یہ دریا چومکھ کے مقام پر منگلا جھیل میں شامل ہو جاتا ہے۔

7۔ دریائے چناب

بھارت کے صوبہ ہماچل پردیش میں لاہول کے علاقے میں دو ندیاں چندرا اور بھاگا مختلف.

مقامات سے جنم لے کر کیلا نگ کے مقام پر آپس میں مل جاتی ہیں اور ایک دریا کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ یہاں سے اس دریا کا نام چندر بھاگا ہو جاتا ہے۔ اور یہ شمال مغرب کا رخ اختیار کر کے ریاست جموں کشمیر میں داخل ہو جاتا ہے۔ ریاست میں یہ ارتھل سے ہوتا ہوا کشتواڑ پہنچتا ہے اور یہاں سے اپنا رخ موڑ کر جنوب کی سمت بہنے لگتا ہے۔ کشتواڑ میں شمال سے آنے والا دریا ''وارڈون'' اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ رام بن سے چند میل آگے یہ جنوب مغرب کا رخ اختیار کر کے سلال کے مقام پر پہنچتا ہے۔ اور پھر پنجاب کے میدانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کے ندی نالوں میں وارڈون، توی اور مناورتوی شامل ہیں

(الف) **وارڈون**: وادیٔ کشمیر کے جنوب مشرق میں ایک وادی 40 میل لمبی اور نصف میل چوڑی شمالاً جنوباً واقع ہے۔ اس کا نام وادی ''مریو وارڈون'' ہے۔ اس نام کا ایک نالہ/ ندی وادی کے شمال میں جنم لے کر وادی کے بیچوں بیچ گزرتا ہوا جنوب کی طرف بہتا ہوا کشتواڑ پہنچتا ہے اور یہاں دریائے چناب میں شامل ہو جاتا ہے۔

(ب) **دریائے جموں توی**: جموں توی ندی بھدرواہ کے جنوب میں چشمہ کیلاش سے نکلتی ہے اور مغرب کی طرف بہتی ہوئی چنھنی پہنچتی ہے۔ چنھنی سے اس کا رخ جنوب کی طرف ہو جاتا ہے اور یہ ضلع اودھم پور میں سے گزرتی ہوئی جموں تک پہنچتی ہے۔ یہاں سے مغرب کی جانب بہتی ہوئی پنجاب میں داخل ہو کر مرالہ کے قریب دریائے چناب میں شامل ہو جاتی ہے۔ اودھم پور میں اس سے ایک نہر نکالی گئی ہے، جس سے بجلی پیدا کرنے کے علاوہ آبپاشی کا کام لیا جاتا ہے۔

(ج) **مناورتوی**: یہ ندی راجوری کے شمال میں تھنہ منڈی کے علاقے سے نکلتی ہے اور جنوب کی طرف سفر کرتی ہوئی راجوری، چنگس، نوشہرہ ہوئی ہوئی منادر کے مقام پر پنجاب میں داخل ہو کر مرالہ کے قریب چناب میں شامل ہو جاتی ہے۔

8۔ دریائے راوی

دریائے راوی کا نام رگ وید میں ''ایراوتی'' لکھا ہے۔ یونانیوں نے اسے Hydroates کا نام دیا تھا۔ راوی بھارت کے صوبہ ہماچل پردیش میں پیدا ہوتا ہے اور مغرب کی جانب بہتا ہوا چمبہ سے گزر کر جموں میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہاں سے یہ سرحد کے ساتھ ساتھ جنوب مغرب کا رخ کرتا ہے اور بسولی، مادھو پور ہوتا ہوا کٹھوعہ کے قریب پنجاب میں داخل ہو جاتا ہے

(الف) **اوجھ ندی**: اوجھ ندی جموں سے 80 میل شمال مشرق کو 13000 فٹ سطح سمندر سے بلندی پر باس کنڈ جھیل سے نکلتی ہے اور جنوب کی طرف بہتی ہوئی پنجاب میں داخل ہو کر راوی میں شامل ہو جاتی ہے۔ ریاست جموں کشمیر کے چھوٹے بڑے دریاؤں اور قابل ذکر ندیوں کی کل تعداد 45 ہے (ان میں سے کچھ ندیاں اب معدوم ہو چکی ہیں، جبکہ جغرافیائی عوامل کی وجہ سے کچھ نئی ندیاں بھی وجود میں آ چکی ہیں)۔

ریاست کی مشہور جھیلیں

1۔ جھیل ڈل

سرینگر شہر کے قریب واقع ہے۔کوہ سلیمان کے دامن سے شروع ہوکر کوہ ماران تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی لمبائی 6 کلومیٹر اور چوڑائی 4 کلومیٹر ہے۔

2۔ جھیل ولر

سوپور اور بانڈی پور کے درمیان واقع ہے۔ایشیا کی سب سے میٹھے پانی کی جھیل ہے۔اس کی لمبائی 30 اور چوڑائی 10 کلومیٹر ہے۔

3۔ نگین جھیل

سرینگر سے 8 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اگرچہ یہ جھیل ڈل ہی کا ایک حصہ ہے اور اسے صرف ایک سڑک نے ڈل سے جدا کر رکھا ہے۔

4۔ جھیل آنچار

سرینگر سے 5 کلومیٹر دور گاندربل روڈ پر واقع ہے۔اس کی لمبائی 9 کلومیٹر اور چوڑائی 3 کلومیٹر ہے۔جھیل میں کثرت سے ندرو اور مچھلی پیدا ہوتی ہے۔

5۔ جھیل مانس بل

سرینگر سے 27 میل کے فاصلے پر صفا پور کے مقام پر واقع ہے۔اس کے چاروں طرف پہاڑی فصیلیں بنی ہوئی ہیں اس کی پیداوار مچھلی اور ندرو ہے۔اس کی گہرائی 47 فٹ ہے۔

6۔ جھیل شیش ناگ

پہلگام سے 16 کلومیٹر دور واوجن کے مقام پر برفانی جھیل ہے۔ یہ جھیل سطح سمندر سے 4000 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔اس کی تہہ میں سبز ریت پائی جاتی ہے۔

7۔ جھیل کونسر ناگ

یہ بھی ایک برفانی جھیل ہے۔شوپیاں کے قصبے سے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔لمبائی 7 کلومیٹر اور چوڑائی 3 کلومیٹر ہے۔15000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

8۔ جھیل ہوکرسر

سرینگر سے 11 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔لمبائی ساڑھے تین کلومیٹر اور چوڑائی ڈیڑھ کلومیٹر ہے۔ اسس کی گہرائی زیادہ نہیں ہے۔

9۔ جھیل گنگا بل

یہ جھیل کوہ ہرمکھ کی چوٹی پر واقع ہے۔سطح سمندر سے 11700 فٹ بلند ہے۔اس کا محیط تقریباً 8 کلومیٹر ہے۔

10۔ جھیل تارسرمارسر

یہ دو جھیلیں امرناتھ غار کے مشہور تیرتھ کے قریب واقع ہیں۔ان کا پانی آخر کار ہارون کے ذخیرۂ آب میں جمع ہو جاتا ہے جہاں سے یہ سرینگر شہر کو سپلائی کیا جاتا ہے۔

11۔ جھیل نیلہ ناگ

جنگلوں سے گھری ہوئی یہ خوبصورت جھیل چرارشریف سے 9 کلومیٹر دور واقع ہے۔اس کی بلندی سطح سمندر سے 9850 فٹ ہے۔

12۔ کرشن سر اور وشن سر

سونا مرگ کے علاقہ میں کرشن سر اور وشن سر کی جھیلیں واقع ہیں۔کرشن سر کی سطح سمندر سے بلندی 12500 فٹ اور وشن سر کی 13395 فٹ ہے۔یہ دونوں جھیلیں کوہ پیماؤں کی خاص توجہ کا مرکز بنی رہتی ہیں۔

13۔ ال پتھر جھیل

ال پتھر جھیل گل مرگ سے 13 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔گل مرگ سے یہاں گھوڑوں کے ذریعے پہنچا جا سکتا ہے۔جون کے وسط تک اس کا پانی جما رہتا ہے۔

14۔ رتی گلی جھیل

وادی نیلم میں مظفرآباد سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر دواریاں کے قریب رتی گلی جھیل واقع ہے۔اس سحر انگیز جھیل کو پریوں کی جھیل کہا جاتا ہے۔اس کی لمبائی ایک میل ہے اور سطح سمندر سے بلندی 7000 فٹ ہے۔اس کے کنارے صدیوں پرانی برف کی چادر موجود ہے۔اسی علاقہ میں دو اور جھیلیں موجود ہیں۔ایک لوات سے 13 میل کے فاصلہ پر اور دوسری سرگن نالی میں شاردا سے 18 میل دور کالا جندر کے مقام پر واقع ہے۔

15۔ منگلا جھیل

1967ء میں منگلا کے مقام پر دریائے جہلم پر بند باندھ کر یہ کھیل وجود میں لائی گئی ہے۔بند کی کل اونچائی 380 فٹ ہے۔اس جھیل میں 5.88 ملین ایکڑ فٹ پانی جمع رکھنے کی اہلیت ہے۔جھیل کے لیے کشمیر کے 12870 مربع میل رقبہ سے پانی اکٹھا ہو کر آتا ہے جس میں 7160 مربع میل رقبہ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں واقع ہے۔

16۔ شندور جھیل

یہ جھیل 12258 فٹ کی بلندی پر گلگت اور چترال کی سرحد پر واقع ہے۔اس کی لمبائی 2 میل اور چوڑائی 200 سے 600 فٹ ہے۔

17۔ جوتیال سر جھیل

یہ جھیل گلگت سب ڈویژن میں واقع ہے۔جوتیل ندی اس جھیل سے نکلتی ہے۔

18۔ کتوال جھیل

یہ جھیل گلگت کے مشرق کی جانب حراموش چوٹی کے دامن میں واقع ہے۔سطح سمندر سے اس کی

بلندی24298 فٹ ہے۔

19۔ بورٹ جھیل

یہ جھیل گلگت کے شمال مغرب میں ہنزہ اور خنجراب کے درمیان واقع ہے۔سطح سمندر سے اس کی بلندی16000 فٹ ہے۔

20۔ کرومبر جھیل (قورمبر جھیل)

گلگت کے علاقے میں سطح سمندر سے 12000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔اس کی لمبائی ڈیڑھ میل اور چوڑائی نصف میل ہے۔

21۔ جھیل پیلوگام

گلگت کے نواح میں واقع ہے۔سطح سمندر سے اس کی بلندی14500 فٹ ہے۔

22۔ لوئر کچورا جھیل

بلتستان میں سکردو سے گلگت جانے والی سڑک پر 20 میل کے فاصلے پر واقع ہے۔اسے شنگریلہ جھیل بھی کہتے ہیں۔

23۔ اپرکچورا جھیل

اپر کچورا جھیل شنگر یلا سے 3 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ بے پناہ قدرتی حسن، روح پرور مناظر اور معتدل آب وہوا کے لیے مشہور ہے۔

24۔ ست پارہ جھیل

سکردو سے جنوب کی جانب 5 میل کے فاصلہ پر ست پارہ جھیل واقع ہے۔ برف پوش پہاڑوں میں گھری ہوئی انتہائی خوبصورت جھیل ہے۔اس میں مچھلی کثرت سے پائی جاتی ہے۔

25۔ نلتر جھیل

یہ جھیل گلگت کے شمال میں 35 میل کے فاصلہ پر وادیٔ نلتر میں واقع ہے۔اس کی بلندی سطح سمندر سے 10 ہزار فٹ ہے۔یہاں ٹراوٹ مچھلی کی پرورش کی جاتی ہے۔

26۔ راما جھیل

ضلع دیامر کے گرمائی صدر مقام استور سے 14 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔26660 فٹ بلند نانگا پربت کی چوٹی کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا ہے۔

27۔ پھنڈر جھیل

پھنڈر جھیل گوپس کے شمال میں گلگت سے 177 کلومیٹر کے فاصلہ پر پھنڈر ریسٹ ہاؤس کے نیچے گہرائیوں میں واقع ہے۔

28۔ شیوسر جھیل

استور کے قریب سلسلہ کوہستان دیوسائی کے برفانی میدان میں 13900 فٹ کی بلندی پر واقع

ہے۔اس کی لمبائی 5 میل اور چوڑائی ڈیڑھ میل ہے۔

29۔ پنگانگ جھیل

پنگانگ جھیل مشرقی لداخ میں چوشل کے شمال میں واقع ہے۔اس کی لمبائی 120 کلومیٹر ہے۔ جس میں سے 70 کلومیٹر لداخ میں اور 50 کلومیٹر تبت میں ہے۔

30۔ سالنگ جھیل

دریائے سندھ کے معاون دریا شیوک کے کنارے 9000 فٹ سطح سمندر سے بلندی پر واقع ہے۔

31۔ جھیل شموری (یا چھومراری)

جنوب مشرق لداخ میں دریشو کے علاقے میں واقع ہے۔اس کی لمبائی 35 کلومیٹر اور چوڑائی 5 کلومیٹر ہے۔سطح سمندر سے بلندی 4000 فٹ ہے۔

32۔ جھیل سرن سر

یہ خوبصورت جھیل جموں سے 80 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔چاروں اطراف سے درختوں میں گھری ہوئی ہے۔اس کے درمیان ایک جزیرہ ہے۔اس جھیل کے ساتھ دیومالائی کہانیاں وابستہ ہیں۔

33۔ جھیل مانسر

یہ جھیل سانبہ صوبہ جموں میں واقع ہے۔اس کی لمبائی 3.5 کلومیٹر اور چوڑائی 1.5 کلومیٹر ہے۔

34۔ جھیل سناسر

یہ جھیل بٹوت کی ایک پہاڑی پر واقع ہے۔چاروں اطراف سے دیودار کے درختوں سے گھری ہوئی ہے۔سطح سمندر سے اس کی بلندی 6800 فٹ ہے۔

35۔ جھیل باگ سر

یہ برفانی جھیل درہ پنج گاورا میں 16 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔

36۔ جھیل نتن سر

درہ نتن سر کے درمیان واقع ہے۔سردیوں میں اس کا پانی جم جاتا ہے۔

37۔ جھیل چنن سر

سلسلہ پیر پنجال کی یہ جھیل نتن سر سے چھوٹی ہے۔اونچی برفانی چوٹیوں کے عکس سے اس کا پانی چاندنی کی طرح سفید نظر آتا ہے۔جھیل چودھویں کے چاند کی طرح گول ہے۔اس لیے چنن سر یا چانن سر نام پڑ گیا ہے۔

38۔ جھیل نیل سر

گرمیوں کے موسم میں اردگرد کے سبزہ زاروں اور جنگلوں کا عکس پڑنے سے اس کا پانی نیلگوں ہو جاتا ہے اس لیے نیل سر نام پڑ گیا ہے۔

39۔ کال ڈچھنی سر

سلسلہ پیر پنجال کے دامن میں واقع ہے۔اس کے متعلق بہت سی دیو مالائی کہانیاں مشہور ہیں۔جھیل کے پانی کا رنگ سیاہی مائل نظر آتا ہے،اس لیے کال ڈچھنی نام پڑ گیا ہے۔

40۔ هری پربت جهیل:۔

یہ جھیل آزاد کشمیر کے ضلع نیلم میں واقع ہے اس کو چٹہ کٹھہ جھیل بھی کہا جاتا ہے۔شیومت کے ماننے والوں کی یہ جھیل انتہائی مقدس ہے۔

ریاست کے مشهور چشمے

1۔ چشمه ویری ناگ

سرینگر سے 48 میل کے فاصلے پر بانہال پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔اس کی گہرائی 50 فٹ کے قریب ہے اور محیط 100 فٹ ہے۔دریائے جہلم اسے چشمے سے نکلتا ہے۔

2۔ اننت ناگ

اسلام آباد شہر کا پرانا نام اننت ناگ ہے،جس کے معنی ہیں ''انگ گنت چشمے''۔اس شہر سے کئی چشمے نکلتے ہیں،جن میں سے ایک کا نام ''ملخ ناگ'' ہے۔اس چشمے کا پانی گرم اور گندھک آمیز ہے جو کہ جلدی بیماریوں کے لیے اکسیر ہے۔ایک بڑا چشمہ ''ناگ بل'' ہے۔جو اسلام آباد کے دامن کوہ سے نکلتا ہے۔

3۔ چشمه مارتنڈ

اسلام آباد سے 5 میل کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں شمال کی جانب واقع ہے۔اس جگہ کا نام بھون یامٹن ہے۔یہاں مہاراجاللتادتیہ کے زمانے کے کھنڈرات پائے جاتے ہیں۔

4۔ اچه بل

اسلام آباد سے 5 میل کے فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں مشرق کی جانب واقع ہے۔اس کے ساتھ ہی مغل بادشاہوں کے زمانے کا ایک خوبصورت باغ ہے۔

5۔ چشمه ککڑ ناگ

اسلام آباد سے 8 میل کے فاصلے پر مشرق کی سمت واقع ہے۔پانچ چھوٹے چھوٹے چشموں کا مجموعہ ہے۔اس کا پانی نہایت صاف اور ٹھنڈا ہے۔اس کے ساتھ ہی ایک خوبصورت باغ ہے۔

6۔ چشمه کهیر بهوانی

بارہ مولہ کے علاقے میں تولہ مولہ کے مقام پر واقع ہے۔

7۔ چشمه شاهی

سرینگر سے 9 کلومیٹر دور جھیل ڈل کے کنارے ایک پہاڑی پر واقع ہے۔اس کے ارد گرد خوبصورت باغ اور بارہ دریاں مغل عہد کی یادگار ہیں۔اس کا پانی نہایت صاف اور ہاضم ہے جو بوتلوں میں بھر کر باہر بھیجا جاتا ہے۔

8۔ چشمہ تتہ پانی

ضلع پونچھ میں بجیرہ سے 29 کلومیٹر مشرق کی طرف دریائے پونچھ کے دائیں کنارے گندھک آمیز گرم پانی کے چشمے ہیں۔ان چشموں کا پانی جوڑوں کے درد اور جلدی امراض کے لیے نہایت شفا بخش ہے۔ کوٹلی سے اس مقام کا فاصلہ 37 کلومیٹر ہے۔

9۔ تتہ پانی برمنڈل

راجوری کو جموں سے ملانے والی سڑک پر کالاکوٹ کے قریب واقع ہے۔

10۔ تتہ پانی پروری گوجراں

راجوری میں واقع ہے۔اس کے پانی سے گندھک کی بو نہیں آتی۔

مشہور گلیشیئرز

ریاست جموں کشمیر کے شمالی علاقہ جات میں چھوٹے بڑے گلشیئرز کی تعداد 82 ہے۔ذیل میں صرف چند بڑے بڑے گلیشیئرز کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے۔

سیاچن گلیشیئر

سیاچن قطبین کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے بڑا گلیشیئر ہے۔اس کی لمبائی 50 میل اور رقبہ 450 مربع میل ہے۔مشرقی قراقرم میں واقع ہے اس کے لیے راستہ بلتستان کی وادی خپلو سے ہو کر جاتا ہے۔

بالتورو گلیشیئر

اس کی لمبائی 35 میل اور رقبہ 290 مربع میل ہے۔سلسلہ قراقرم میں ماشابروم کے شمال میں واقع ہے۔اس گلیشیئر میں مشہور سنگم Concordia واقع ہے جس سے کوہ پیما کے۔ٹو، براڈ پیک، گاشابروم گروپ اور گولڈن تھرون کو جاتے ہیں۔

ہسپر گلیشیئر

اس کی لمبائی 35 میل اور رقبہ 240 میل ہے۔گلگت میں کنجوت سرچوٹی کے جنوب میں واقع ہے۔یہ گلیشیئر وادی سرینگر کے آخری گاؤں ہسپر سے شروع ہوتا ہے اور بیافو گلیشیئر کی جانب درہ ہسپر پرآ کر ختم ہو جاتا ہے۔

ریمو گلیشیئر

اس کی لمبائی 30 میل اور رقبہ 200 مربع میل ہے۔لداخ میں وادی نوبرا کے شمال میں سنکیانگ کی سرحد کے قریب واقع ہے۔مشہور ترین شہر اسی گلیشیئر میں واقع ہے۔

بیافو گلیشیئر

اس کی لمبائی 37 میل ہے۔وسطی قراقرم میں درہ ہسپر کے شمال میں واقع ہے۔اس گلیشیئر سے ہسپر گلیشیئر اور سنولیک (Snow Lake) کو راستہ جاتا ہے۔پرانے زمانہ میں وادی شگر اور وادی نگر و ہنزہ کے درمیان اسی گلیشیئر سے آمد و رفت ہوتی تھی۔

چوغا لنگما گلیشیئر

بلتستان میں سلسلہ حراموش وراکاپوشی سے بالائی شگر کے آخری گاؤں روندو کے درمیان واقع ہے۔
اس گلیشیئر کے گھٹنے اور بڑھنے سے روندو گاؤں کی بہت سے مزروعہ اراضی برباد ہوتی رہتی ہے۔

بتورا گلیشیئر

اس کی لمبائی 36 میل ہے۔گلگت میں ہنزہ کے شمال میں واقع ہے۔

ورجراب گلیشیئر

اس کی لمبائی 24 میل ہے۔دست گل سر اور کنجوت سر چوٹی کے درمیان واقع ہے۔

گیشر بروم گلیشیئر

شمالی بلتستان میں گیشر بروم چوٹی کے قریب سیاچن اور بلتورو کے درمیان واقع ہے۔اس کی لمبائی 12 میل ہے۔

منقسم ریاست کے تینوں حصوں میں ہائیڈل پراجیکٹس کی تفصیل

منقسم ریاست جموں کشمیر کے تینوں حصوں میں ہائیڈل پراجیکٹس کی تفصیل جس سے ہزاروں میگا واٹ بجلی حاصل ہورہی ہے،اگر یہ تمام پراجیکٹس مکمل ہو جائیں تو ریاست جموں کشمیر کی مجموعی ضرورت سے 50 گنا زائد بجلی پیدا ہوسکتی ہے۔اس طرح صرف ہائیڈل کے شعبے سے متحدہ ریاست ہائے جموں کشمیر کا بجٹ پورا ہوسکتا ہے۔

نمبر شمار	سٹیشن	استعداد (میگاواٹ)
1	کیل	0.4
2	کٹھائی	3.2
3	کنڈل شاہی	2
4	جاگراں	30.4
5	لیپہ	1.6
6	چانگاں	0.05
7	پٹھکہ	0.10
8	شاریاں	3.2
9	بلاں	0.600
10	رنگڑ	0.600
11	ہلمت	0,320
12	رنگڑII	0.450

3	شاردہ	13
3	قادرآباد	14
3.20	ریڑہ	15
4.8	بیٹاڑ	16
1.7	دھنہ	17
84	نیوبانگ	18
147	پترینڈ	19
2.5	کھڑیII	20
48	جاگراںII	21
4.8	ریالیII	22
1.6	ریالیI	23
5.4	ہوتریڑی	24
2.2	دکھاڑی	25
35	نگدر	26
40	دواریاں	27
49	لوات	28
48	شونٹھر	29
10	تاؤبٹ	30
20	جاگراںV	31
14.4	جھینگ	32
6.4	چھم فال	33
14	ہڑبولہ ضامن آباد	34
9	چانگنI	35
720	ہولاڑ	36
222	آزادپتن	37
1100	کوہالہ	38
132	راجدھانی	39
100	کوٹلی	40
100	گلپور	41

42	سہڑا	130
43	دودھنیال	960
44	محل	550
45	چکوٹھی ہٹیاں	500

بھارتی مقبوضہ کشمیر میں بننے والے پراجیکٹس کی تفصیل

سلال پراجیکٹ	690 میگاواٹ
بگلیہار پراجیکٹ	450 میگاواٹ
چنک	44 میگاواٹ
اوڑی پراجیکٹ	480 میگاواٹ
سوااا شیولی	120 میگاواٹ
پرسار پراجیکٹ	1020 میگاواٹ
بگلیہار 2	450 میگاواٹ
سوالہ کوٹ ون اینڈ ٹو	1200 میگاواٹ
لوئر کنائی	50 میگاواٹ
کرتھائی ون	240 میگاواٹ
کیرو	600 میگاواٹ
کوار	600 میگاواٹ
پکال دل	330 میگاواٹ
نیمو بزگو	45 میگاواٹ
اوڑی ٹو	240 میگاواٹ
رٹل	690 میگاواٹ
کشن گنگا	330 میگاواٹ

گلگت بلتستان کے بڑے ہائیڈل پراجیکٹ

بونجی پراجیکٹ

7100 میگاواٹ کا بونجی ہائیڈل پراجیکٹ کا کورڈ ایریا 17000 میٹر ہے۔ 190 میٹر اونچے اس ڈیم پر 3936.5 ملین امریکی ڈالر اخراجات آئیں گے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے گلگت بلتستان کی تصویر بدل جائے گی۔

دیامر بھاشا ڈیم

گلگت بلتستان دیامر کے مقام پر بننے والے اس ڈیم کو 40 کلومیٹر دور بھاشا کے ساتھ جوڑ کر تاریخی بددیانتی کی گئی۔ تاکہ خیبر پختونخوا کو منافع مل سکے۔ اس ڈیم میں 4500 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی استعداد ہے۔ پاکستان ٹی وی کی رپورٹ کے مطابق اس دریا سے پاکستان کی زراعت کو 50 ارب روپے سالانہ فائدہ ہوگا۔

ست پارہ ڈیم

سکردو سے 6 کلومیٹر دور یہ ڈیم 13.2 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔
آیئے دیکھتے ہیں کہ 1 میگاواٹ میں کتنے یونٹ بجلی ہوتی ہے۔

1 میگاواٹ میں 1000 کلوواٹ بجلی ہوتی ہے۔
ایک میگاواٹ = ایک ہزار کلوواٹ ہاور
کلوواٹ ہاور = ایک یونٹ
24 گھنٹے میں ایک میگاواٹ 24 ہزار یونٹ بجلی پیدا کرتا ہے۔

درج بالا اعداد وشمار یقیناً ایک خوش کن تاثر پیش کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ منقسم ریاست جموں کشمیر کے تمام دریا، گلیشیئرز، چشمے، جھیلیں اور ہائیڈل پراجیکٹس ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی سرزمین پر تو واقع ہیں، لیکن ان کی ملکیت نہیں۔ یہ دریا، یہ پانی، یہ برف پوش بلند و بالا پہاڑ ریاست کے ہندو کے ہیں، نہ ریاست کے مسلمانوں کے بلکہ یہ وسائل پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کی ملکیت ہیں، جن کو وہ جب چاہیں جس کو دے دیں یا آپس میں تقسیم کرلیں۔ جس کی واضح مثال سندھ طاس معاہدہ ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں، سندھ طاس معاہدہ ہے کیا۔

سندھ طاس معاھدہ

19 ستمبر 1960ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان سندھ طاس معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے تحت سندھ طاس نظام پر مشتمل تین مشرقی دریاؤں بیاس، ستلج اور راوی، ان کے معاون دریاؤں اور تین مغربی دریاؤں سندھ، جہلم، چناب اوران کے معاون دریاؤں کا پانی تقسیم کیا گیا۔ معاہدے کے تحت مشرقی دریاؤں کا پانی ہندوستان کو دیا گیا، اور طے ہوا کہ ہندوستان پانی کے درج استعمال کے علاوہ اسے بہنے دے گا۔
ا۔ گھریلو استعمال، ب۔ غیر ضروری فاضل پانی، ج۔ زرعی استعمال جس کی تشریح معاہدے میں کی گئی، د۔ بجلی کی پیداوار جس کی وضاحت معاہدے میں کی گئی ہے۔ اس معاہدے میں ہندوستان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ 3.6 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرسکتا ہے۔
سندھ طاس معاہدے پر پاکستان اور ہندوستان کا اتفاق اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں ممالک ریاست جموں کشمیر کے قدرتی وسائل بالخصوص پانی کو اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ دونوں ممالک کا کشمیر کے حوالے سے

اپنے اپنے تناظر میں جو مقدمہ ہے اس کے مطابق ریاست جموں کشمیر پاکستان کی شہ رگ اور ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے۔ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو دونوں ممالک کی کشمیر کے حوالے سے ترجیح کشمیر کے وسائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ملک نے اپنی شہ رگ پر اٹوٹ انگ کے دعویدار کا حق تسلیم کیا اور اٹوٹ انگ کے دعویدار نے شہ رگ کے دعویدار کا حق تسلیم کیا۔ حالانکہ ریاست جموں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ ہونا ابھی باقی ہے۔ پاکستان کے حوالے سے ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کی جو سوچ ہے، ہندوستان سے اس طرح کے معاہدوں سے اس پر منفی اثرات پڑے۔ پاکستان کا ریاست کے حوالے سے عالمی برادری کے سامنے جو مقدمہ ہے، اس میں پاکستان کی اعلانیہ خارجی پالیسی 1947ء سے لے کر آج تک یہی رہی کہ ریاست جموں کشمیر میں وہاں کے لوگوں کی اپنی حکومت ہے۔ حکومت پاکستان ان کی اخلاقی اور سفارتی حمایت کر رہی ہے۔ لیکن اقوام متحدہ کی دوسری قرارداد سندھ معاہدہ، گلگت بلتستان پر پاکستان کا دعویٰ یہ ثابت کرتے ہیں کہ پاکستان کے قول و فعل میں واضح تضاد ہے۔ پاکستان جس طرح کشمیریوں کی آزادی کے حوالے سے بھارت سے الحاق کو تسلیم کرتا ہے، بالکل اسی طرح سندھ طاس معاہدے میں بھی اس نے ریاست جموں کشمیر کے پانیوں پر اپنے مفاد کے لیے بھارت کا حق تسلیم کیا ہوا ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ پاکستان کے زیر انتظام گلگت بلتستان اور آزاد کشمیر کے لوگوں کا آج تک ان پانیوں پر حق تسلیم نہیں کیا گیا۔ 1967ء میں منگلا ڈیم کی تعمیر ہوئی۔ آج تک ریاست جموں کشمیر کے لوگوں کا اس پر حق تسلیم نہیں کیا گیا نہ حکومت آزاد کشمیر سے کوئی معاہدہ کیا گیا۔ منگلا ڈیم کی تعمیر کے 36 سال بعد آزاد کشمیر کے لوگوں کو نیٹ ہائیڈل پرافٹ دینے کی بات تسلیم کی گئی۔ وہ بھی 15 پیسے فی یونٹ جبکہ تربیلا ڈیم سے خیبر پختونخوا کو نیٹ ہائیڈل پرافٹ 42 پیسے فی یونٹ دینے کے علاوہ رائلٹی بھی دی جاتی ہے۔ بگلیہار ڈیم کے حوالے سے پاکستان کا بھارت کے خلاف عالمی عدالت میں جو مقدمہ تھا، اس سلسلہ میں آزاد کشمیر کے اندر آزاد کشمیر کے لوگوں کے لیے پانی کے استعمال ار ضرورت کے حوالے سے ایک رپورٹ مرتب ہوئی تھی۔ پاکستان نے بھارت سے مقدمہ ہارنا قبول کیا مگر آزاد کشمیر کے لوگوں کے لیے پانی کے استعمال کے حوالے سے جو رپورٹ مرتب ہوئی تھی، اسے عالمی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ نیلم جہلم پروجیکٹ کی تعمیر جاری ہے مگر آج تک اس سلسلہ میں آزاد کشمیر حکومت سے معاہدہ نہیں کیا گیا۔ اس کے علاوہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے تمام دریا غیر اعلانیہ طور پر پاکستان کے ایک ادارے واپڈا نے اپنی ملکیت میں لے رکھے ہیں۔ پرائیویٹ پاور انفراسٹرکچر بورڈ کے نام سے قائم ایک ادارہ آزاد کشمیر کے ان پانیوں پر مڈل مین کا کردار ادا کر رہا ہے۔ اور اس سلسلہ میں آزاد کشمیر حکومت اور آزاد کشمیر کے لوگوں سے پوچھنے کی زحمت تک گوارا نہیں کی جاتی۔ جو بھی آدمی یا کوئی سیاسی گروہ ان کے خلاف آواز اٹھائے، اس پر انڈین ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کر کے عبرت کا نشان بنا دیا جاتا ہے۔ اور آج 67 سال بعد یہ عالم ہے کہ منقسم ریاست جموں کشمیر معاشی، صنعتی، اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی سطح تک دونوں ممالک نے یرغمال بنا رکھی ہے، منقسم ریاست کا مالیاتی نظام دونوں ممالک کے مرکزی بینکوں کے قبضے میں ہے، صنعتی حالت اس قدر ناگفتہ بہہ ہے کہ کپڑے، جوتے، برتن، ادویات، مشروبات، ذرائع آمدرفت اور ضروریات زندگی کی جتنی اشیاء استعمال کرتے ہیں اس کا ایک فیصد کشمیر میں پیدا نہیں ہوتا، گندم، چاول، مکئی، پھل اور گوشت کا 50 فیصد تک کشمیر

کے اندر سے حاصل نہیں ہوتا۔ ریاست کا پانی کیوبا کے گنے اور شکر کی طرح اہل ریاست کو غریب اور پاکستان ہندوستان کے زرمبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کیے ہوئے ہے۔ ایک منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ ہمیں قابل انحصار گروہ بنا دیا گیا ہے۔ بے نظیر جنت ارض ریاست جموں کشمیر کے گلیشیئرز، دریاؤں، ندی نالوں، چشموں، وادیوں، بلند پہاڑوں اوران کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کے لیے ایک مکمل کتاب کی ضرورت ہے۔ سوئٹزر لینڈ کا رقبہ ریاست جموں کشمیر سے چھے گُنا کم ہے۔ دنیا کے اس ترقی یافتہ ملک میں تقریباً 70 ہزار میگا واٹ کے قریب بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اوراس کی فی کس آمدن پوری دُنیا کے مما لک میں سرفہرست ہے۔ پاکستان جس کی آبادی آج 2014ء میں 20 کروڑ کے قریب ہے۔ اس کی بجلی کی ضرورت 22 ہزار میگا واٹ ہے۔ منقسم جموں کشمیر کی آبادی 2 کروڑ کے قریب ہے۔ 2 کروڑ لوگوں کے لیے بجلی کی ضرورت 2 سے اڑھائی ہزار میگا واٹ ہوسکتی ہے۔ صرف آزاد کشمیر کے پانیوں سے اگر بھرپور انداز میں استفادہ کیا جائے تو 20 ہزار میگا واٹ سے زائد بجلی پیدا ہوسکتی ہے، جو 20 کروڑ آبادی کی ضرورت کو پورا کرسکتی ہے۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر اور گلگت بلتستان کا رقبہ آزاد کشمیر سے تقریباً 18 گنا زائد ہے۔ پانی کے تمام ذخائر اوران علاقوں کی جغرافیائی بناوٹ ایسی ہے کہ ہم سویٹزر لینڈ سے دگنی بجلی پیدا کرسکتے ہیں۔ ایک میگا واٹ سے 24 گھنٹے میں 24000 یونٹ بجلی پیدا ہوتی ہے۔ اگر ریاست جموں کشمیر کے پانیوں سے استفادہ کر کے ایک لاکھ میگا واٹ بجلی روزانہ پیدا کی جائے تو 2 ارب چالیس کروڑ یونٹ بجلی روزانہ حاصل ہوگی۔ انتہائی کم نرخ رکھ کر 10 روپے فی یونٹ لگائے جائیں تو روزانہ 24 ارب روپے حاصل ہوسکتے ہیں۔ 100 دنوں میں یہ رقم پاکستانی روپوں میں 2400 ارب روپے ہے۔ اور 365 دنوں یعنی ایک سال میں منقسم کشمیر کے اس خطہ سے بجلی سے جو آمدن حاصل ہوگی وہ 9000 ارب روپے ہے۔ ریاست کے تینوں حصوں کا سالانہ بجٹ 600 ارب کے قریب ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ صرف ریاست جموں کشمیر کے پانیوں سے استفادہ کر کے ہماری معیشت 15 گنا زائد ہوسکتی ہے۔ بالفاظ دیگر -/10000 روپے ماہانہ اجرت لینے والے مزدور کی مزدوری میں 15 گنا اضافہ ہوجائے گا جو ڈیڑھ لاکھ روپے ماہانہ بنتے ہیں۔ یورپ میں ایک عام مزدور پاکستانی کرنسی میں ڈیڑھ سے دو لاکھ روپے کماتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان ملکوں کی معیشت ان کے کنٹرول میں ہے۔ اسی فارمولے کے تحت پچاس ہزار روپے ماہانہ کمانے والے کسی ملازم یا تاجر کی ماہانہ آمدن ساڑھے سات لاکھ اور ایک لاکھ روپے کمانے والے کی آمدن 15 لاکھ تک ہوسکتی ہے۔ یہ خیالی پلاؤ نہیں، بلکہ حقیقی تصویر ہے جس کی مثال جدید ترقی یافتہ یورپ ہمارے سامنے ہے۔ اس بجلی سے جب صنعتی پہیہ چلے گا تو معاشی ترقی میں مزید کئی گنا اضافہ ہوگا۔ یہ تو تھی صرف پانی کی بات۔ اس کے علاوہ معدنیات کا ہمارے پاس جو زیرِ زمین خزانہ ہے، وہ یورپ کے کسی بھی ترقی یافتہ ملک یا مشرق وسطیٰ کے مما لک کے اثاثوں سے زیادہ ہے ضلع نیلم میں شونٹھر کے مقام پر اعلیٰ قسم کا سرخ یاقوت دریافت ہوا ہے۔ ہنزہ میں حسن آباد، علی آباد اور احمد آباد میں یاقوت پایا جاتا ہے۔ وادی شگر کے بالائی علاقوں میں یاقوت کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ آزاد کشمیر کے محکمہ معدنی وسائل کے مطابق صرف ضلع نیلم میں 250 ارب ڈالر کے یاقوت کے ذخائر ہیں۔ لداخ میں رواسی، کرگل، دراس اور سورو کے مقامات پر گلگت اور سکردو میں دریائے سندھ کی

ریت سے بھی سونا حاصل کیا جاتا ہے۔ اندازاً ایک مکعب میٹر ریت سے 0.6 گرام سونا حاصل ہوتا ہے۔ 1986ء میں خبر آئی تھی کہ پی۔ ایم۔ ڈی۔ سی کے تحقیقاتی شعبے نے گلگت اور مظفر آباد میں سونے کی دونئی کانیں دریافت کی ہیں۔ 1992ء میں حکومت پاکستان نے آسٹریلیا کے فنی تعاون سے گلگت بلتستان میں معدنی وسائل کی تلاش کا منصوبہ شروع کیا تھا۔ ان علاقوں میں 80,000 مربع کلومیٹر میں سے 48 فیصد علاقے میں سونے کی موجودگی کے کافی شواہد ملے ہیں۔ 1997ء میں آسٹریلیا کی معدنیات تلاش کرنے والی ایک فرم نے گلگت میں ہنزہ اور گوجال کے علاقے کا سروے کیا۔ 23 ستمبر 1997ء کے روزنامہ جنگ لاہور میں اس بارے میں ایک رپورٹ شائع ہوئی۔ جس کے مطابق ہنزہ اور گوجال میں 50 سے زائد مقامات پر سونے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ جن کی مالیت کا اندازہ پانچ سو کھرب ڈالر ہے۔ (روزنامہ ''جنگ'' 23 ستمبر 1997ء) نیلم، ڈائمنڈ، سونا، لوہا، گریفائٹ، تانبہ، نکل، ماربل، کوئلہ، سوپ سٹون، جپسم اور دیگر معدنیات کی مالیت کھربوں ڈالر میں ہے۔ دنیا کی قیمتی ترین معدنیات پلاٹینم اور یورینیم کے بھی وسیع ذخائر بھی اس خطے میں موجود ہیں۔

ریاست جموں کشمیر کے چاروں موسم سیاحت کے لیے مثالی ہیں۔ اس کو اپنی خوبصورتی ہی کہ وجہ سے جنت ارض کہا جاتا ہے۔ اس کی خاص وادیاں تو خاص اس کی عام وادیاں دنیا کی خوبصورت ترین جگہوں میں شمار ہوتی ہیں۔ ہمارے پاس میٹھے پانی کے دنیا کے سب سے بڑے ذخائر ہیں۔ لامحدود پتھر کی صنعت کئی ہزار سال تک ہمارا بجٹ پورا کرسکتی ہے۔ ہمارے وسیع جنگلات اور ان کے اندر پیدا ہونے والی جڑی بوٹیاں ادویات کی صنعت میں ہمیں نمایاں مقام دلاسکتی ہیں۔ موجودہ جنگلات سے سینکڑوں سال تک ہماری ووڈ انڈسٹری جاری رہ سکتی ہے۔ کاربن ٹریڈ سے ہم سالانہ اربوں روپے کما سکتے ہیں۔ مگر ان سب کے لیے ضروری ہے کہ ہم آزاد و خود مختار ہوں۔

★★★

حرفِ آخر

جو کچھ گزشتہ صفحات میں آپ نے پڑھا، میرے نزدیک یہ درست ہے۔ یہ کتاب میری قوم کا مقدمہ ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ سچ لکھوں۔ خواہشات شامل نہ کروں۔ ہندوستان اور پاکستان کے حکمرانوں کے سیاسی فیصلوں، اقدامات، تاریخ کے ریکارڈ میں موجود بیانات کو آپ کے سامنے رکھوں۔ ہمارے دکھوں میں اضافہ اور غلامی کی رات کو طویل کرنے والے تمام کردار جس میں اس خطہ کے الحاق نواز اور آزادی پسند سیاسی شخصیات کے بارے میں بھی وہ سچ لکھا جائے جو اس سے قبل کم لکھا گیا۔ غلامی کی اس تاریخ کے تمام کرداروں کے بھیانک چہرے میں نے نئی نسل کے سامنے رکھ کر اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

بڑے بڑے القاب کے حامل افراد اس کتاب میں آپ کو چھوٹے نظر آئے اور لیلائے وطن کے جو حقیقی مجنوں تھے، ان کا ہماری تاریخ میں ذکر ہی نہیں۔ میں ان معتبر اور قابل شخصیات کے بارے میں نہیں لکھ سکا،

اس لیے کہ کتاب کا عنوان اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مصنف و دانشور پریم ناتھ بزاز کے آخری دنوں کے کچھ سیاسی فیصلوں سے اختلاف اپنی جگہ، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ریاست کے عام آدمی کے حقوق، مہاراجا ہری سنگھ کی شخصی حکمرانی اور مفاد پرست مسلمان سیاسی لیڈروں کے خلاف ان کا قلم تلوار بن کر سامنے آتا تھا۔

ایسے سینکڑوں کردار ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں تحریک آزادی پر قربان کیں۔ جے کے ایل ایف، این ایس ایف کے وہ جوان جو چکوٹھی میں سیز فائر لائن کو توڑتے ہوئے گولیوں کا شکار ہوئے اور جو گلگت بلتستان کے ماضی کے رشتوں کی بحالی میں شونٹھر کے مقام پر زندگی کی بازی ہار کر اپنی قوم کے لیے فتح و کامرانی کے راستے کا تعین کر گئے، ان کے متعلق بھی نہیں لکھ سکا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ظلم و جبر اور قبضے کے خلاف سرخ جھنڈے تھامے آزادی پسندوں کی جرأت کی تاریخ ہے۔ اس دھرتی کے غیرت مند بیٹے اس تاریخ کو اپنے سرخ سرخ لہو سے لکھ رہے ہیں۔ ہماری جدوجہد، ہمارا سچ، ہماری قربانیاں صرف ہماری آزادی کی تحریک نہیں، بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے 80 کروڑ ان لوگوں کے حقوق کی بحالی کی تحریک ہے، جنہیں ان ممالک کے جنگی جنونیت رکھنے والے حکمرانوں نے زندگی کی خوشیوں سے محروم رکھا ہوا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی معاشی ترقی، خوشحالی اور امن کا ہر راستہ ریاست جموں کشمیر سے گزرتا ہے۔ 67 سال گزرنے کے باوجود حقیقت کو ابھی تک ان دونوں ممالک کے حکمران سمجھ نہیں سکے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کا دانشور طبقہ آگے بڑھے اور اپنے حکمرانوں کو تنازعۂ کشمیر کا بنیادی سوال یعنی ایک قوم کی آزادی کا سوال اور اس کے اندر چھپی ہوئی ہر دو ممالک کی خوشحالی، معاشی ترقی کا راستہ انہیں دکھائے۔ 2 کروڑ لوگوں کو زبردستی اپنا غلام رکھنے کے لیے 80 کروڑ لوگوں کو غلاموں کی سی زندگی گزارے پر مجبور کرنا عقلمندی نہیں، حماقت ہے۔ دونوں ممالک کے حکمرانوں کی یہی حماقت ہماری آزادی کی راہ میں رکاوٹ اور ان کی اپنی غربت کا باعث ہے۔ ایک دوسرے کے حقوق تسلیم کر کے، باہمی دشمنیاں ختم کر کے ہم اپنی سب سے بڑی دشمن غربت کو ختم کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے یورپی ممالک کے طریقہ کار کو اپنایا جا سکتا ہے جنہوں نے باہمی اختلافات کے خاتمے کو اپنی طاقت اور خوشحالی میں تبدیل کیا۔